بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنسان

اَز

خَاک تَا خَاک

مؤلف:

نعمت اللہ صالحی حاجی آبادی

(۰۰۹۸/۲۵۱/۷۷۳۸۰۰۵)

مترجم:

مولانا نذیر ناصری

تعارف کتاب

نام		انسان از خاک تا خاک
مؤلف	:	نعمت اللہ صالحی حاجی آبادی (۰۰۹۸/۲۵۱/۷۷۳۸۰۰۵)
مترجم	:	مولانا نذیر یاسری
اہتمام و تحقیق	:	اقبال زوار۔ سید امجد علی کاظمی
کمپوزنگ		شاہد علی۔ سید امجد علی کاظمی
طبع اول	:	فروری ۲۰۱۳
ناشر	:	محمد علی فاؤنڈیشن۔ اسلام آباد
تعداد	:	۱۰۰۰
قیمت	:	

☆☆☆☆☆

ایران میں اصل فارسی کتاب ملنے کا پتہ:

مرکز پخش، قم انتشارات مهر خوبان تلفن: ۰۰۹۸/۲۵۱/۸۸۳۰۱۵۰

محمد علی بک ایجنسی (اسلامی ثقافتی مراکز)

امام بارگاہ امام الصادقؑ G-9/2 اسلام آباد 051-2557471,0321-5291921

امام بارگاہ مبارکہ حسینی سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی 051-2557470,0321-5291920

امام بارگاہ مقامی سرپاک چکوال 0543-551611,0333-5787514

تعارف کتاب

انسان از خاک تا خاک

فہرست

عناوین	صفحہ نمبر
عرض ناشر	vi
ابتدائی حقیقت	3

﴿پہلا حصہ﴾

8 تا 84

حضرت آدم علیہ السلام کی حیات کا دور۔ آدم علیہ السلام کے واقعہ کو بیان کرنے کی وجہ۔ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کا دورانیہ۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت۔ پانی سے خلقت۔ گیلی مٹی کا دوسرا مرحلہ۔ تیسرا مرحلہ لجن یعنی کالا کیچڑ۔ چوتھا مرحلہ خشک شدہ مٹی۔ پانچواں مرحلہ روح کا پھونکنا۔ چھٹا مرحلہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا۔ شیطان اور آدم علیہ السلام پر سجدہ۔ آدم علیہ السلام خلیفۃ اللہ۔ قرآن میں خدا کے چار خلیفے۔ روئے زمین پر انسان کی خلافت۔ فرشتوں کا اعتراض۔ فرشتے توبہ کرتے ہیں۔ آدم علیہ السلام فرشتوں کے معلم۔ آدم علیہ السلام کی فرشتوں کو تعلیم دی ہوئی چیزیں۔ جناب حوا کی خلقت۔ جناب آدم علیہ السلام کا حضرت حوا کے ساتھ شادی کرنا۔ جناب حوا کا حق مہر۔ حضرت آدم علیہ السلام کی بلند پروازی۔ شیطان جنت میں کس طرح داخل ہوا۔ آدم علیہ السلام اور حوا جنت میں۔ حضرت حوا شیطان کے فریب میں آگئیں۔ جنت کا لباس دونوں سے اتروا لیا گیا۔ جنت سے نکل جاؤ۔ اس واقعہ سے جو نتائج برآمد ہوئے۔ آدم علیہ السلام کی جنت۔ حضرت آدم علیہ السلام کی مناجات۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خوش بختی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت (یعنی آدم علیہ السلام کی اولاد و نسل)۔ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جناب موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات۔ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی کا آنا۔ حضرت آدم علیہ السلام پر وحی ہونے والی

چیزیں۔حضرت آدم ؑ کی کتاب۔حضرت آدم ؑ کی وصیت۔حضرت آدم ؑ کا جانشین۔حضرت آدم ؑ کی وفات۔حضرت آدم ؑ کی قبر

﴿دوسرا حصہ﴾

85 تا 109

انسان کے بارے میں۔انسان کی بعض خصوصیات۔لفظ انسان قرآن میں۔لفظ بشر قرآن میں۔انسان مخلوقات کا سر سبز پھول ہے۔انسان کے امتیازات۔انسان کی فضیلتیں۔تمام چیزیں انسان کی وجہ سے وجود میں آئی ہیں۔انسان کی علمی قوت و قدرت۔انسان کا تقویٰ و پرہیزگاری۔

انسان میدان آزمائش میں۔انسان کی حقیقت۔انسان کی غرض خلقت۔روایات کی روشنی میں خلقت انسان کا فلسفہ۔وجود انسان کا مبدأ۔

﴿تیسرا حصہ﴾

110 تا 210

انسان کی عمر کا دورانیہ

انسانوں کے ابتدائی ذرات و21 اہ

انسانوں کے ذرات کا پہلا مرحلہ۔پہلا مرحلہ مٹی کے بیان میں۔مٹی سے حاصل شدہ غذا کے بیان میں۔دوسرا مرحلہ نطفہ (منی)۔تیسرا مرحلہ خون کے بیان میں۔چوتھا مرحلہ نطفہ کے بیان میں۔لفظ نطفہ اور منی کا مفہوم۔نطفہ کا عورت کے رحم میں پیوست ہونا۔جنین کی زندگی پر بچہ دانی کے اثرات۔وراثت کا بیان۔وراثت کے عوامل۔پانچواں مرحلہ عَلَقَه کے بیان میں۔چھٹا مرحلہ مضغہ کے بیان میں۔ساتواں مرحلہ استخوان بندی (ہڈیوں کا ڈھانچہ) کے بیان میں۔آٹھواں مرحلہ ہڈیوں پر گوشت کے چڑھنے کے بیان میں۔جنین کی پُر اسرار دُنیا۔جنین کا قد و قامت اور نظام اعضاء۔بدن میں رُوح کا پھونکا جانا۔نواں مرحلہ نطفہ کا عالم جنین۔جنین کی خوراک۔تخلیق خدا کا شاہکار۔دسواں مرحلہ: ولادت۔پیدائش کے وقت بچے کا رونا۔گیارہواں مرحلہ: دودھ کی بڑھائی۔پیدائش سے پہلے غذا تیار۔ماں کا مقام۔دودھ کا پیدا ہونا۔دودھ کا ہم سوا غذائی۔بارہواں مرحلہ: بچے کا دودھ چھڑانا۔تیرہواں مرحلہ: بچپن کی عمر۔چودھواں مرحلہ: نوجوانی

کے عالم میں ۔نوجوانی کے عالم میں خودشناسی ۔پندرھواں مرحلہ: جوانی کا عالم ۔خوش بختی کی طلب میں ۔مادہ پرستوں کے تین گروہ ہیں ۔معنویت پرستوں کے تین گروہ ۔حقیقی و داخلی خوش بختی ۔چالیس سالہ لوگوں کے بارے میں روایات ۔سولہواں مرحلہ: کہولت یعنی بڑھاپے کا آغاز ۔اُن کی معذرت کا قبول نہ ہوگی ۔سترھواں مرحلہ: بڑھاپا ۔بیس سال کی عمر والے ۔تیس سال کی عمر والے ۔چالیس سال کی عمر والے پچاس سال کی عمر والے ۔ساٹھ سال کی عمر والے ۔ستر سال کی عمر والے ۔اسی سال کی عمر والے نوے سال کی عمر والے ۔سو سال کی عمر والے ۔الٰہی بوڑھے سے ہارون کا سوال ۔بوڑھے مرد اور حضرت عیسیٰ ؑ کا واقعہ ۔بڑھاپے میں بھول جانا ۔لمبی عمر کے عوامل و اسباب ۔انسان کی عمر کے کم ہونے کے عوامل و اسباب ۔موت دوسری ولادت ۔انسان کی خدا کی طرف توجہ ۔

****

عرض ناشر

تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے کہ اگر وہ اپنے بندوں کو حمد و شکر کی معرفت سے محروم رکھتا ان پیہم عطیوں پر جو اس نے دیئے ہیں اور ان پے در پے نعمتوں پر جو اس نے فراوانی سے بخشی ہیں تو وہ اس کی نعمتوں میں تصرف تو کرتے مگر اس کی حمد نہ کرتے۔

تمام تعریف اللہ کے لئے ہے کہ اس نے اپنی ذات کو ہمیں پہچنوایا اور حمد و شکر کا طریقہ سمجھایا اور اپنی پروردگاری پر علم و اطلاع کے دروازے ہمارے لئے کھول دیئے اور توحید میں اخلاص کی طرف رہنمائی کی اور اپنے معاملہ میں شرک و کجروی سے ہمیں بچایا۔ تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے خلقت و آفرینش کی تمام خوبیاں ہمارے لئے منتخب کیں اور پاک و پاکیزہ رزق کا سلسلہ ہمارے لئے جاری کیا اور ہمیں غلبہ و تسلط دے کر تمام مخلوقات میں برتری عطا کی۔ چنانچہ تمام کائنات اس کی قدرت سے ہمارے زیر فرمان اور اس کی قوت و سربلندی کی بدولت ہماری اطاعت پر آمادہ ہے۔

تمام تعریف اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے اپنے پیغمبر ؐ کی بعثت سے ہم پر وہ احسان فرمایا جو نہ گذشتہ امتوں پر کیا اور نہ پہلے لوگوں پر اپنی اس قدرت کی کارفرمائی سے جو کسی شے سے عاجز نہیں ہوتی اگرچہ وہ کتنی ہی بڑی ہو۔ اور کوئی چیز اس کے قبضے سے نکلنے نہیں پاتی اگرچہ وہ کتنی ہی لطیف و نازک ہو۔ اس نے اپنی مخلوقات میں ہمیں آخری امت قرار دیا اور انکار کرنے والوں پر گواہ بنایا اور اپنے لطف و کرم سے کم تعداد والوں کے مقابلہ میں ہمیں کثرت دی۔

اے اللہ! تو رحمت نازل فرما محمدؐ و آل محمدؑ پر جو تیری وحی کے امانت دار، تمام مخلوقات میں تیرے برگزیدہ، تیرے بندوں میں پسندیدہ، رحمت کے پیشوا، خیر و سعادت کے پیشرو اور برکت کا سرچشمہ تھے۔ جس طرح انہوں نے تیری شریعت کی خاطر اپنے کو مضبوطی سے جمایا اور تیری راہ میں اپنے جسم کو ہر طرح کے آزار کا نشانہ بنایا اور تیری طرف دعوت دینے کے سلسلہ میں اپنے عزیزوں سے دشمنی کا مظاہرہ کیا اور تیری رضامندی کے لئے اپنے قوم قبیلے سے جنگ کی اور تیرے دین کو زندہ کرنے کے لئے سب رشتے ناطے قطع کر لئے۔ نزدیک کے رشتہ داروں کو انکار کی وجہ سے دور کر دیا اور دور والوں کو اقرار کی وجہ سے قریب کیا۔ اور تیری وجہ سے

دوستداروں سے دوستی اور دشمنی والوں سے دشمنی رکھی اور تیرا پیغام پہنچانے کے لیے تکلیفیں اٹھائیں اور دین کی طرف دعوت دینے کے سلسلہ میں زحمتیں برداشت کیں اور اپنے محل سکونت و مقام رہائش اور جائے ولادت و وطن سے پردیس کی سرزمین اور دور دراز مقام کی طرف محض اس مقصد سے ہجرت کی کہ تیرے دین کو مضبوط کریں اور تجھ سے کفر اختیار کرنے والوں پر غلبہ پائیں۔ یہاں تک کہ تیرا دین غالب اور تیرا کلمہ بلند ہو کر رہا۔

ساری داستانیں اس کی داستان کے گرد گھومتی ہیں۔ جس کا بھید کوئی نہیں پا سکتا۔ بالکل اسی طرح جس طرح اس کائنات کی ہر چیز دوسری چیز کے گرد گھوم رہی ہے اور اس گردش کا مرکز عرش الٰہی ہے گویا ساری کائنات اس کے عرش کے گرد گھوم رہی ہے لیکن سوائے چند برگزیدہ ہستیوں کے کون ہے جو اس عرش تک رسائی حاصل کر سکے۔ وہ ازل میں نور کا ایک شعلہ تھا۔ ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ اس نے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لیے چہاردہ معصومین کے انوار کو اپنے نور سے خلق کیا۔

جیسا کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ﴿اَوَّلُ خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ فَاَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ﴾ سب سے پہلے خداوند تبارک و تعالیٰ نے میرا نور خلق فرمایا، میں اور علی ایک نور سے ہیں۔

زیارت جامعہ میں آیا ہے کہ خداوند تبارک و تعالیٰ نے اپنے نور سے چہاردہ معصومین علیہم السلام کے انوار خلق فرمائے تو یہ انوار ہزاروں سال تک اس خدائے لم یزل کے نور کا طواف کرتے رہے۔ چہاردہ معصومین کی معرفت زیارت جامعہ میں اس طرح ملتی ہے آپ سب کی ارواح، آپ کے نور اور آپ کی اصل ایک ہے۔ جو خوش آیند اور پاکیزہ ہے آپ میں سے بعض کی اولاد ہیں۔ خدا نے آپ کو بشکل نور خلق فرمایا۔ پھر آپ سب کو اپنے عرش کے گرد رکھا حتی کہ ہم پر احسان فرمایا اور آپ کو بھیجا۔ پس آپ کو ان گھروں میں رکھا جن کو خدا نے بلند کیا اور ان میں اس کا نام لیا جاتا ہے۔ اس نے قرار دی آپ پر ہماری صلوات اس سے ہمیں آپ کی ولایت میں خصوصیت دی اسے ہماری پاکیزہ پیدائش ہمارے نفسوں کی ستائی، ہمارے باطن کی درستی کا ذریعہ اور گناہوں کا کفارہ بنایا پس ہم اس کے حضور آپ کی فضیلت کو ماننے والے اور آپ کی تصدیق کرنے والے قرار پا گئے ہیں۔

سلام ہو آپ پر اے خاندان نبوت، اے پیغام الٰہی آنے کی جگہ، آپ ملائکہ کے آنے جانے کے مقام، وحی نازل ہونے کی جگہ، نزول رحمت کے مرکز، علوم کے خزینہ دار، حد درجہ کے بردبار اور بزرگواری کے

حامل ہیں آپ قوموں کے پیشوا نعمتوں کے بانٹنے والے سرمایہ نیکوکاران پارساؤں کے ستون، بندوں کیلئے مدبر کار، آبادیوں کے سردار، ایمان و اسلام کے دروازے اور خدا کے امانتدار ہیں اور آپ نبیوں کی نسل اور اولاد رسولوں کے پسندیدہ اور جہانوں کے رب کے دروازے اور خدا کے امانتدار ہیں۔ آپ لوگوں کی پناہ گاہ نبیوں کے وارث اور بلند ترین نمونہ عمل اور بہترین دعوت دینے والے ہیں، آپ خدا کی معرفت کے ذریعوں پر جو خدا کی برکت کے مقام اور خدا کی حکمت کے مراکز ہیں خدا کے رازوں کے نگہبان خدا کی کتاب کے حامل خدا کے آخری نبی کے جانشین اور خدا کے رسولؐ کی اولاد ہیں۔

آپ امام ہیں ہدایت والے، سنورے ہوئے گناہ سے بچائے ہوئے بزرگیوں والے اس سے نزدیک تر پرہیزگار، صدق والے، چنے ہوئے، خدا کے اطاعت گزار اس کے حکم پر کمربستہ اس کے ارادے پر عمل کرنے والے اور اس کی مہربانی سے کامیاب ہیں کہ اس نے اپنے علم کے لئے آپ کو چنا اپنے غیب کے لئے آپ کو پسند کیا اپنے راز کے لئے آپ کو منتخب کیا اپنی قدرت سے آپ کو اپنا بنایا اور اپنی ہدایت سے عزت دی اور اپنی دلیل کے لئے خاص کیا اس نے آپ کو اپنے نور کے لئے چنا روح القدس سے آپ کو قوت دی اپنی زمین میں آپ کو اپنا نائب قرار دیا اپنی مخلوق پر اپنی حجتیں بنایا اپنے دین کے ناصر اور اپنے راز کے نگہدار اور اپنے علم کے خزینہ دار بنایا اپنی حکمت ان کے سپرد کی آپ کو اپنی وحی کا ترجمان اور اپنی توحید کا مبلغ بنایا اس نے آپ کو اپنی مخلوق پر گواہ قرار دیا اپنے بندوں کے لئے نشان منزل، اپنے شہروں کی روشنی اور اپنے راستے کا رہبر قرار دیا اس کے عہد کو پختہ کیا اس کی فرمانبرداری کے عقیدے کو محکم بنایا آپ نے پوشیدہ و ظاہر اس کا ساتھ دیا اور اس کے سیدھے راستے کی طرف لوگوں کو دانشمندی اور بہترین گفتگو کے ذریعے بلایا آپ نے اس کی رضا کے لئے اپنی جانیں قربان کیں اور اس کی راہ میں آپ کو جو دکھ پہنچا ان کو صبر سے جھیلا آپ نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دیتے رہے آپ نے نیک کاموں کا حکم دیا، برے کاموں سے منع فرمایا اور خدا کی راہ میں جہاد کا حق ادا کیا۔ چنانچہ آپ نے اس کا پیغام عام کیا اس کے عائد کردہ فرائض بتائے اور اس کی مقررہ حدیں جاری کیں آپ نے اس کے احکام بیان کئے اس کے طریقے رائج کئے اور اس میں آپ کی رضا کے طالب ہوئے آپ نے اس کے ہر فیصلے کو تسلیم کیا اور آپ نے اس کے گذشتہ پیغمبروں کی تصدیق کی پس آپ نے ہٹنے والا

دین سے نکل گیا آپ کا ہمراہی دیندار رہا اور آپ کے حق کو کمتر سمجھنے والا ہلاک ہوا۔ حق آپ کے ساتھ ہے آپ میں ہے آپ کی طرف ہے آپ حق والے ہیں اور مرکز حق ہیں نبوت کا ترکہ آپ کے پاس ہے لوگوں کی واپسی آپ کی طرف اور ان کا حساب آپ کو لینا ہے آپ حق و باطل کا فیصلہ کرنے والے ہیں خدا کی آیتیں اور اس کے ارادے آپ کے دلوں میں ہیں اس کا نور اور حکم و دلیل آپ کے پاس ہے اور اس کا حکم آپ کی طرف آیا ہے آپ کا دوست خدا کا دوست اور جو آپ کا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے جس نے آپ سے محبت کی اس نے خدا سے محبت کی اور جس نے آپ سے نفرت کی اس نے خدا سے نفرت کی اور جو آپ سے وابستہ ہوا وہ خدا سے وابستہ ہوا کیونکہ آپ سیدھا راستہ، دنیا میں لوگوں پر شاہد و گواہ اور آخرت میں شفاعت کرنے والے ہیں۔

آپ پر میرے ماں باپ اور میری جان قربان، کس طرح میں آپ کی خوبصورت تعریف و توصیف کروں اور آپ کی بہترین آزمائش کا تصور کروں کہ خدا نے آپ کے ذریعے ہمیں خواری سے بچایا، ہمارے رنج و غم کو دور فرمایا اور ہمیں تباہی سے نکالا اور جہنم کی آگ سے آزاد کیا میرے ماں باپ اور میری جان آپ پر قربان، آپ کی دوستی کے وسیلے خدا نے ہمیں دینی تعلیمات عطا فرمائیں اور ہماری دنیا کے بگڑے کام سنوار دیے آپ کی ولایت کی بدولت کلمہ مکمل ہوا نعمتیں بڑھ گئیں اور آپ کی دوریاں مٹ گئیں۔ آپ کی دوستی کے باعث اطاعت واجبہ قبول ہوتی ہے آپ سے محبت رکھنا واجب ہے۔ خدائے عزوجل کے ہاں آپ کے لیے بلند درجات پسندیدہ مقام اور اونچا مرتبہ ہے نیز اس کے حضور آپ کی بڑی عزت، بہت اونچی شان ہے اور آپ کی شفاعت قبول شدہ ہے۔ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے اس پر جو تو نے نازل فرمایا اور ہم نے رسول کی پیروی کی پس ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کہ ان دونوں پر اور ان کے خاندان کے پاکبازوں پر خدا کی رحمت ہو۔ ان پر رونے والوں کو رونا چاہیے۔ چنانچہ ان پر اور ان جیسوں پر دھاڑیں مار مار کر رونا چاہیے ان کے لیے آنسو بہائے جائیں۔ رونے والے چیخ چیخ کر روئیں نالہ و فریاد بلند کریں اور اونچی آوازوں میں رو کر کہیں کہاں ہیں حسن؟ کہاں گئے حسین؟ فرزندان حسین ایک نیکوکار کے بعد دوسرا نیکوکار ایک سچے کے بعد دوسرا سچا کہاں گئے جو ایک کے بعد ایک راہ حق کے رہبر تھے کہاں گئے جو اپنے وقت میں خدا کے برگزیدہ تھے کدھر گئے وہ چمکتے سورج کیا ہوئے وہ دمکتے چاند کہاں گئے؟ وہ جھلملاتے ستارے کدھر گئے؟ وہ

دین کے نشان اور علم کے ستون کہاں ہیں؟ خدا کا آخری نمائندہ جو نیکوں کے اس خاندان سے باہر نہیں کہاں ہے؟ وہ جو ظالموں کی جڑیں کاٹنے کے لیے آمادہ ہے کہاں ہے وہ جو انتظار میں ہے کہ ٹیڑھے کو سیدھا اور نادرست کو درست کرنے کا وقت آئے کہاں ہے وہ امید گاہ جو ظلم و ستم مٹانے والا ہے کہاں ہے؟ وہ فرائض و سنن کو زندہ کرنے والا امام کہاں ہے؟ وہ ملت و شریعت کو راست کرنے والا کہاں ہے؟ وہ جس کے ذریعے قرآن اور اس کے احکام کے زندہ ہونے کی توقع ہے کہاں ہے؟ وہ دین اور اہل دین کے طریقے روشن کرنے والا کہاں ہے؟ اے کاش میں جانتا کہ اس دوری نے آپ کو کہاں جا ٹھہرایا اور کس زمین اور کس خاک نے آپ کو اٹھا رکھا ہے آپ رضوی میں ہیں یا کسی اور پہاڑ پر ہیں یا وادی طویٰ میں۔ یہ مجھ پر گراں ہے کہ مخلوق کو دیکھوں اور آپ کو نہ دیکھ پاؤں نہ آپ کی آہٹ سنوں اور نہ سرگوشی مجھے رنج ہے کہ آپ تنہا سختی میں پڑے ہیں میں آپ کے ساتھ نہیں ہوں اور میری آہ و زاری آپ تک نہیں پہنچ پائی۔ میری جان آپ پر قربان کہ آپ غائب ہیں مگر ہم سے دور نہیں میں آپ پر قربان آپ وطن سے دور ہیں لیکن ہم سے دور نہیں میں آپ پر قربان آپ ہر محب کی آرزو، ہر مومن و مومنہ کی تمنا ہیں جس کے لیے وہ نالہ کرتے ہیں۔ میں قربان آپ وہ عزت دار ہیں جن کا کوئی ثانی نہیں میں قربان آپ وہ بلند مرتبہ ہیں جن کے برابر کوئی نہیں، میں قربان آپ وہ قدیمی نعمت ہیں جس کی مثل نہیں میں قربان آپ جو شرف رکھتے ہیں وہ کسی اور کو مل نہیں سکا کب تک ہم آپ کے لیے بے چین رہیں گے اے میرے آقا اور کب تک اور کس طرح آپ سے خطاب کروں اور سرگوشی کروں۔ یہ مجھ پر گراں ہے کہ بجز آپ کے کسی سے جواب پاؤں یا باتیں سنوں مجھ پر گراں ہے کہ میں آپ کے لیے روؤں اور لوگ آپ کو چھوڑے رہیں۔ مجھ پر گراں ہے کہ لوگوں کی طرف سے آپ پر گزرے جو گزرے تو کیا کوئی ساتھی ہے جس کے ساتھ مل کر آپ کے لیے گریہ و زاری کروں کیا کوئی بے تاب ہے کہ جب وہ تنہا ہو تو اس کے ہمراہ نالہ کروں آیا کوئی آنکھ ہے جس کے ساتھ مل کر میری آنکھ غم سے آنسو بہائے اے احمد مجتبیٰ کے فرزند آپ کے پاس آنے کا کوئی راستہ ہے کیا ہمارا آج کا دن آپ کے کل سے مل جائے گا کہ ہم خوش ہوں کب وہ وقت آئے گا کہ ہم آپ کے چشمے سے سیراب ہوں گے کب ہم آپ کے چشمہ شیریں سے پیاس بجھائیں گے۔ اب تو پیاس طولانی ہو گئی کب ہماری صبح و شام آپ کے ساتھ گزرے گی کہ ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں کب آپ ہمیں اور ہم آپ کو دیکھیں گے جب کہ آپ کی فتح کا پرچم لہراتا ہوگا ہم آپ کے چوگرد جمع ہوں گے اور آپ بھی

لوگوں کے امام ہوں گے جب زمین آپ کے ذریعے عدل و انصاف سے پر ہو گی آپ اپنے دشمنوں کو تنگی و ذلت سے ہمکنار کریں گے آپ سرکشوں اور حق کے منکروں کو نابود کریں گے مغروروں کا زور توڑیں گے اور ظلم کرنے والوں کی جڑیں کاٹ دیں گے اس وقت ہم کہیں گے حمد ہے خدا کے لیے جو جہانوں کا پروردگار ہے اے معبود تو ہے دکھوں اور مصیبتوں کو دور کرنے والا میں تیرے حضور شکایت لایا ہوں کہ تو مداوا کرتا ہے اور تو ہی دنیا و آخرت کا پروردگار ہے پس میری فریاد رس اے فریادیوں کی فریاد سننے والے اپنے اس حقیر اور دکھی بندے کو اس کے آقا کا دیدار کرا دے اے زبردست قوت والے ان کے واسطے سے اس کے رنج و غم کو دور فرما اور اس کی پیاس بجھا دے اے وہ ذات جو عرش پر حاوی ہے کہ جس کی طرف واپسی اور آخری ٹھکانا ہے اور اے معبود ہم ہیں تیرے حقیر بندے جو تیرے ولی امر کے مشتاق ہیں جن کا ذکر تو نے اور تیرے نبیؐ نے کیا تو نے انہیں ہماری جائے پناہ بنایا ہمارا سہارا قرار دیا ان کو ہماری زندگی کا ذریعہ اور پناہ گاہ بنایا اور ان کو ہم میں سے مومنوں کا امام قرار دیا پس ان کو ہمارا درود و سلام پہنچا اور اے پروردگار ان کے ذریعے ہماری عزت میں اضافہ فرما ان کی قرارگاہ کو ہماری قرارگاہ و ٹھکانہ بنا دے ہم پر ان کی امامت کے ذریعے ہمارے لیے اپنی نعمت پوری فرما یہاں تک کہ وہ تیری جنت میں ان شہیدوں کے پاس لے جائیں گے جو مقرب خاص ہیں۔ اے معبود رحمت نازل فرما محمدؐ و آل محمدؐ پر اور رحمت فرما امام مہدیؑ کے نانا محمدؐ پر جو تیرے رسول اور عظیم سردار ہیں اور رحمت کر ان علیہ السلام کے والد پر جو چھوٹے سردار ہیں۔ رحمت فرما ان کی دادی صدیقہ کبریٰ فاطمہ بنت محمدؐ پر۔ رحمت فرما ان سب پر جن کو تو نے ان کے نیکوکار بزرگوں میں سے چنا اور رحمت فرما ان علیہ السلام پر۔ بہترین کامل پوری ہمیشہ ہمیشہ بہت ہی بہت زیادہ جو رحمت کی ہو تو نے ان برگزیدوں میں سے کسی پر اور مخلوق میں سے اپنے پسندیدہ پر اور درود بھیج ان علیہ السلام پر وہ درود جس کا شمار نہ ہو جس کی مدت ختم نہ ہو اور جو کبھی قطع نہ ہو اے معبود ان کے ذریعے حق کو قائم فرما ان کے ہاتھوں باطل کو مٹا دے ان کے وجود سے اپنے دوستوں کی عزت افزائی فرما ان کے ذریعے اپنے دشمنوں کو ذلت سے ہمکنار کر دے اور اے معبود ہمیں اور ان کو اکٹھے کر دے ایسا اکٹھا کہ جو ہم کو ان کے پہلے بزرگوں تک لے جائے اور ہمیں ان میں قرار دے جنہوں نے ان کا دامن پکڑا ہے ہمیں ان کے زیر سایہ رکھ ان کے حقوق ادا کرنے میں ہماری مدد فرما ان کی فرمانبرداری میں کوشاں بنا دے ان کی نافرمانی سے بچائے رکھ ان کی خوشنودی سے ہم پر احسان کر اور عطا فرما ہمیں ان کی محبت ان کی رحمت ان کی دعا اور ان کی برکت جس کے ذریعے ہم تیری وسیع رحمت اور تیرے ہاں کامیابی حاصل کریں ان کے ذریعے ہماری نماز

قبول فرما۔ ان کے ذریعے ہماری سختیاں فراخ فرما۔ ہماری پریشانیاں دور فرما اور ان کے وسیلے ہماری حاجات پوری فرما اور توجہ کر ہماری طرف بواسطہ اپنی کریم ذات کے اور قبول فرما اپنی بارگاہ میں ہماری حاضری ہماری طرف نظر کر مہربانی کی نظر جس سے تیری درگاہ میں ہماری عزت بڑھ جائے پھر ہمیشہ اپنے کرم کے ذریعہ ہم سے نہ ہٹا ہمیں القائم کے نانا کے حوض سے سیراب فرما خدا کی رحمت ان پر اور ان کی آل پر۔ ان کے جام سے ان کے ہاتھ سے سیر و سیراب کر جس میں مزہ آئے اور پھر پیاس نہ لگے اے سب سے زیادہ رحم والے۔

یہی ذوات مقدسہ (ع) جو وارثان علم لدنی ہیں۔ ان کی زبان مبارک سے جاری ہونے والے سرچشمہ ہائے علوم سے اکتساب فیض کر کے طالبان رشد و ہدایت مراتب کمال انسانیت کو طے کر کے اس مقام بلند و بالا تک رسائی حاصل کرتے ہیں جہاں خود خالق دو جہاں یہ فرماتا ہے کہ "إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ" یعنی "حقیقی اللہ سے حقیقی معنوں میں ڈرنے والے علما ہی ہیں"

انہی علماء میں سے مشہور عالم و محقق نعمت اللہ صالحی حاجی آبادی کی مشہور و معروف تصنیف "انسان از خاک تا خاک" (انسان خاک سے خاک تک) ہے۔ اس کا فارسی زبان میں شائع ہونے والا ترجمہ جب راقم "عثمان ڈار مرحوم" کی نظر سے گذرا تو دل میں یہ خواہش ابھری کہ فارسی زبان پر عبور نہ رکھنے والے ان مومنین و مومنات کے استفادہ کے لئے اردو میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو جائے جن کی مادری زبان اردو ہے۔ لیکن بوجہ بیماری اس کام کو جاری و ساری رکھنے میں لاحق ہو گئی اور اسی وجہ سے کتاب کی اشاعت میں دیر ہوئی اور اسی بیماری کی وجہ سے آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ لیکن آپ کی قلبی خواہش تھی کہ اس کتاب کو جلد از جلد مکمل کر پائے۔ ہماری دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ عثمان ڈار مرحوم، سید امجد علی کاظمی کے مرحومین اور جملہ مومنین و مومنات کے درجات بلند فرمائے اور محمد و آل محمد کی شفاعت نصیب فرمائے۔

بارالہا! محمد و آل محمد علیہم السلام کے صدقے میں ہماری اس ناچیز دینی خدمت کو قبول فرما اور اسے ہمارے لئے زاد راہ آخرت قرار دے۔

والسلام

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائی حقیقت

دین مقدس اسلام کے پانچ بنیادی اصول ہیں: پہلا اصول توحید اور معرفت خدا ہے۔ انسان کے تمام فہم وادراک اور علم وآگاہی کی جڑ اور اسلامی بحثوں کی بنیاد خداوند متعال کی معرفت وشناخت ہے کیونکہ انسانی زندگی کی ابتداء سرشت وفطرت کی عمر سے ہوتی ہے (یعنی انسان جن دنوں میں ماں کے رحم میں تھا پھر اس کے بعد اس دنیا میں اس نے آنکھیں کھولیں) اور وہ روز قیامت تک جاری رہے گی تا اپنے وجدانی (؟) اور مرتبہ کمال کو حاصل کرے گی۔

چنانچہ ذات خدا اور توحید پروردگار کی معرفت کرانے کیلئے انبیاء علیہم السلام آئے ہیں اور انہوں نے اپنے تمام تر دستورات کی ٹھوس بنیاد لوگوں کو معرفت خدا کی طرف دعوت دینے کو قرار دیا اور حد امکان تک انہوں نے لوگوں کو معرفت خدا کروائی ہے۔ ان کے بعد مکتب تشیع کے علماء اور دانشوروں نے قرآنی آیات اور روایات کی مدد سے آل محمدؐ کے طریقہ کار کو اپناتے ہوئے معرفت خدا کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں اور معرفت خدا کی بحث وتحقیق کو بطور کامل اور انتہائی شائستگی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اصولی طور پر ہر انسان کا کمال اور اس کی حقیقی اہمیت خدا کی معرفت وشناخت کے ساتھ وابستہ ہے۔ انسان جتنا اپنے پروردگار کی معرفت وشناخت میں آگے بڑھتا جاتی ہی اس کی اہمیت اور قدر وقیمت بڑھ جاتی ہے۔ جتنی معرفت خدا کی بنیاد محکم ومضبوط ہوتی جائے گی اتنا ہی اس کے کمال وکمال میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ جتنی بھی انسان کی معرفت کامل تر ہوتی جائے گی تو اتنا ہی دوسروں کی نسبت سے اس کے کمال اور اہمیت میں برتری آتی جائے گی۔

معرفت خدا کے کئی مختلف ذریعے ہیں مگر جس طرح صاحبان عرفان کا نظریہ ہے وہ کہتے ہیں عالم ہستی کے تمام تر زندہ موجودات کی تعداد کے مطابق راستے ہیں جن کے ذریعے سے خدا اور معرفت

خدا تک پہنچا جا سکتا ہے (یعنی ہر زندہ موجود خدا اور معرفت خدا کا کامل ذریعہ ہے) لیکن انسان کو معرفت پروردگار کا بہترین راستہ جو اپنانا چاہئے اور وہ راستہ وہی ہے جو قرآن کریم پیغمبر اکرمؐ اور ان کی گرامی قدر آلؑ کی روایات کے ذریعہ سے بیان ہوا ہے کیونکہ یہ وہ راستہ ہے جس کے ذریعہ سے انسان بہت جلد مقصد تک پہنچ سکتا ہے اور بہتر شناخت کو حاصل کر سکتا ہے۔

نبی اکرمؐ کی مشہور حدیث کے مطابق کہ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ﴾ (بحارالانوار، ج:۲، ص:۳۲، حدیث:۲۲ اور ج:۶۱، ص:۹۹)

"جس نے اپنی ذات کو پہچان لیا اُس نے خدا کو پہچان لیا"۔

اور حضرت امیر المومنینؑ کی معروف حدیث کے مطابق کہ فرماتے ہیں:

﴿أَفْضَلُ الْمَعْرِفَةِ مَعْرِفَةُ الْإِنْسَانِ نَفْسَهُ﴾ (غرر الحکم)

"معرفت کا بہترین راستہ انسان کا اپنی ذات کو پہچاننا ہے"۔

اگرچہ انسان ظاہری طور پر بہت چھوٹا محسوس ہوتا ہے لیکن حقیقت میں تمام اسرار و رموز اس کی فطرت میں رکھ دیئے گئے ہیں۔ حضرت امیر المومنین علیؑ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

"(اے انسان!) کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جرثومہ ہے جبکہ تیرے بدن کے اندر ایک بہت بڑی دنیا کو چھپا دیا گیا ہے"۔ (دیوان حضرت علیؑ، شعر: ۱۰۰)

لہٰذا ایک انسان کو اپنی ذات سے شروع کرنا چاہئے اور پہلے اپنی ہستی کی معرفت حاصل کرے تاکہ معرفت خدا والی مشکل اس کیلئے آسان ہو جائے کیونکہ معرفت و شناخت کا بہترین اور اعلیٰ ترین راستہ خود شناسی ہے۔ انسان کو اپنی اصل خلقت اور گزرے ہوئے عہد پر غور و فکر کرنا چاہئے اور سمجھنا چاہئے کہ وہ دنیا کے حالات کو دیکھ چکا ہے اور کیسے کیسے راستوں کو طے کر چکا ہے اور زمانے کے کیسے کیسے واقعات اور مصیبتوں کو جھیل چکا ہے اور کن حیرت انگیز چیزوں کو دیکھ چکا ہے، کہاں سے آیا ہے اور کہاں جانے والا ہے، کن مراحل سے گزر رہا ہے اور کن منزلوں سے گزرا ہے اور اس راہ میں کن خطروں کا

سامنا ہے اور وہ کونسی طاقت فرسا ہے سکونیاں ہیں جو اس کی زندگی کو برباد کر سکتی ہیں اور وہ کونسے لوگ ہیں جن کی مدد سے کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس کے دنیا میں آنے کا مقصد کیا تھا اور چلے جانے کا راز کیا ہے۔ اس کو کیوں جانا چاہئے۔ اس کی زندگی کا سرانجام کیا ہوگا۔ اس کی منزل اور رہائش گاہ کہاں پر ہے؟ اور سفر کا ساتھی اور مددگار کون ہے؟

انسان کو پتا خطرناک ترین دشمن پہچاننا چاہئے کہ وہ کون ہے۔ اس کی انسان کے ساتھ دشمنی کی وجہ کیا ہے؟ کیا صرف اس کا دشمن تھا یا اس کے آباؤ اجداد کا بھی دشمن تھا اور اس کا مقابلہ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ انسان کو چاہئے کہ وہ اس بات کو سمجھے کہ کس طرح خدا کے ساتھ مستقیم رابطہ برقرار کر سکتا ہے۔ اس کا دائمی فریضہ کیا ہے۔ اس کا پہلا اور آخری پروگرام بندگی و عبادت کا کس میں ہے؟

چنانچہ اس موضوع کے بارے میں ان اور دوسرے سوالات کے جوابات کیلئے چند کتابوں کے تحریر کرنے کا مضبوط ارادہ کیا ہے اور انسان کے مبدأ سے لے کر معاد تک کا سفر اس کے تحولات اور تبدیلیاں جو کہ بیس (۲۰) مراحل اور آٹھ عالم ہیں کے بارے میں مطالب و مفاہیم کو تحریر کروں جن کو پانچ حصوں اور پانچ جلدوں میں مکمل کروں۔

پہلا حصہ: انسان کی زندگی کا عہد اوّل جو کہ مٹی سے شروع ہوتا ہے اور مٹی ہی کی طرف پلٹ جاتا ہے۔ میں نے انسان کے اس پہلے دور کی کتاب کا نام "انسان از خاک تا خاک" رکھا ہے۔

دوسرا حصہ: مرنے سے لے کر دوبارہ صور کے پھونکے جانے تک کے دور کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس کو میں نے الگ کتاب کی صورت میں لکھا ہے۔ جس کا نام میں نے "انسان از مرگ تا برزخ" رکھا ہے۔

تیسرا حصہ: انسان کے دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں ہے جس کی ابتدا صور کے پھونکے جانے سے ہوتی ہے اور اس کی انتہا عدل الٰہی کی عدالت کا تشکیل پانا اور اس عدالت میں افراد سے متعلق مقدمہ ہوتا ہے۔ اس جلد کا نام "انسان از محشر تا دادگاہ" رکھا ہے۔

چوتھا حصہ: قیامت کے دن لوگوں کا عدالت میں حاضر ہونا اور بے شمار گواہوں کی گواہی بھگتنا

ہے۔ اس جلد کا نام "انسان و شاہدان صادق" رکھا ہے۔

پانچواں حصہ: آخری حصہ انسان کی زندگی کا ہے جس میں انسان کے آئندہ کے تحولات کو بیان کیا ہے۔ جس میں میزان، صراط، جنت و جہنم کے حالات بیان کئے ہیں اور انسان کا سفر اس مقام پر آ کر ختم ہو جاتا ہے۔ اس جلد کا نام "انسان و بہشت و جہنم" رکھا ہے۔

خلاصۂ کلام

پہلا حصہ ایسے مراحل اور منازل کے بارے میں ہے جن کو انسان دنیا کے آغاز سے لے کر دنیا کے خاتمہ تک طے کرے گا اور ان آیات و روایات جن میں انسان کا مٹی سے آغاز کرنا اور مٹی ہی کی طرف بازگشت کرنے کو بیان کیا گیا ہے، نقل کروں گا اور سب لوگوں کے سامنے پیش کروں گا تاکہ خودشناسی کا وسیلہ بن جائیں اور نتیجتاً خدا کی معرفت و شناخت کا سبب انسان کیلئے قرار پائیں۔ نیز اس ٹیڑھے میڑھے اور خطروں سے بھرے ہوئے راستے کو طے کرنے کیلئے زاد راہ بن جائیں کہ جس راستے کو خواہ نخواہ انسانوں نے طے کرنا ہی کرنا ہے اور منزل مقصود تک پہنچنا ہے۔ اگرچہ جن مطالب و مفاہیم کو بیان کرنا ہے مختلف کتابوں میں بغیر ترتیب بکھرے ہوئے ہیں اور خلاصہ کے طور پر موجود ہیں مگر بندہ حقیر نے کوشش کی ہے کہ ان مفاہیم و مطالب کو ترتیب وار کھول کر سادہ زبان میں اس طرح بیان کروں تاکہ ہر ایک انسان کے فہم و ادراک میں آ سکیں اور تمام انسانی طبقے ان سے آسانی کے ساتھ استفادہ کر سکیں۔

قرآن کریم انسان از خاک تا خاک کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ﴾ (سورۂ طٰہٰ: ۵۵)

"ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور پھر مٹی کی طرف پلٹاؤں گا اور تیسرے مرحلہ پر مٹی ہی سے اٹھاؤں گا"۔

ایک دوسری آیت میں فرماتا ہے:

﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ (سورۂ البقرۃ: ۱۵۵)

"ہم خدا کی طرف سے ہیں اور اس ہی کی طرف پلٹ جانے والے ہیں"۔

اس دن کی امید میں کہ جس دن ہم خدا شناسی کے صراط مستقیم کو ہاتھوں میں لے لیں گے اور اس کے وسیلے سے قیامت کے پیچ و خم اور پل صراط سے گزریں گے اور محمدؐ و آل محمدؐ کے ساتھ اپنی آخری منزل میں جس کو جنت کہتے ہیں داخل ہو جائیں گے۔

نعمت اللہ صالحی حاجی آبادی
۲۳/۹/۱۳۷۸ ہجری شمسی
بمطابق سوم جمادی الثانی ۱۴۲۰ ہجری قمری

☆☆☆☆☆

حضرت آدم علیہ السلام کی حیات کا دور

لفظ آدم ۲۵ مرتبہ قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔ ۱۷ مرتبہ آدم کی صورت میں اور ۸ مرتبہ بنی آدم کی صورت میں۔ یہ کلمہ اسم ہے۔ اس انسان کیلئے جس کی مٹی جنت میں تیار کی اور اپنے روح میں سے کچھ حصہ اس (آدم) میں پھونکا ہے اور فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ اس کو سجدہ کریں اور اس کو زمین میں اپنا خلیفہ (جانشین) قرار دیا اور اس کا نام آدم رکھنے کی وجہ اس لحاظ سے تھی کہ وہ ادیم زمین یعنی ظاہر زمین سے پیدا ہو کر وجود میں آیا ہے۔ (علل الشرائع و بحار الانوار ج ۱۱ ص: ۱۴۰)

آدم کس طرح وجود میں آیا ہے اس کے متعلق تین نظریے موجود ہیں۔ دو نظریے صحیح ہیں اور تیسرا از خود باطل اور قابل اعتبار نہیں ہے اور وہ تین نظریے یہ ہیں:-

(۱) پہلا نظریہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کا وجود میں آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے سانپ بننے کی طرح ہے کہ پہلے عصا نے وجود پایا پھر عصا سانپ اور اژدھا کی صورت میں بدل گیا۔ قرآن کریم حضرت کے وجود میں آنے کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾ (سورۂ آل عمران: ۵۹)

"خداوند متعال کے نزدیک عیسیٰ کی خلقت (خارق العادۃ اور بغیر باپ کے وجود میں آنے کی صورت میں) آدم کی خلقت کی مانند ہے کہ خدا نے اس کو (آدم) مٹی سے بنایا ہے اور اس سے کہا اے بشر! اپنے کمال کو پا لو۔ اسی وقت اسی طرح ہو گیا کہ جس کا خدا نے امر کیا تھا"۔

ہاں! خدا نے پہلے جسد آدم علیہ السلام کو مٹی سے خلق کیا پھر اسی کو اپنے ارادہ کے ساتھ انسان میں بدل دیا اور آدم آدم ہو گیا۔

(۲) دوسرا نظریہ نطفۂ بشر اور اس کا سلول اوّل (یعنی پہلا خوشگوار پانی) بدبودار اور سیاہ، میلا، لیس دار جمع شدہ کیچڑ میں پیدا ہوا اور چونکہ گذشتہ زمانے میں زمین کی حرارت آج کی نسبت سے بہت زیادہ تھی اور وہ کیچڑ سیاہ و بدبودار، مثل ماں کے رحم کی طرح مضبوط حرارت رکھتی تھی لہٰذا اس نطفہ نے بڑھنا شروع کیا اور تدریجی طور پر جنین کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ یہ نظریہ عقل کے نزدیک بعید الوقوع نہیں ہے، کیونکہ قیامت کے دن زمین کی حرارت بدل جائے گی اور اس کے اندر خداوند متعال کے ارادہ کے ساتھ ماں کے رحم کی طرف خشک شدہ اور مردہ نطفوں کو غذائی تقویت دینے کی طاقت آ جائے گی اور ان کی پرورش کرے گی (مگر فی الحال اس طرح کی قابلیت نہیں رکھتی)۔ جس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارادہ خدا کے ساتھ اپنی ماں کے رحم میں پرورش پائی ہے۔ (قاموس قرآن، ج:۱، ص:۴۳)

گرانقدر دانشور جناب آقائی محمد امین سلد وزی نے یہ احتمال دیا ہے کہ خداوند متعال نے نطفۂ انسان کو ہوا میں پیدا کیا اور اس کو سمندر کی لیس دار مٹی جمع شدہ جھاگ میں ڈال دیا اور اس نے پرورش پانی شروع کر دی۔ جس طرح کہ آج کل ہوائی حشرات کے نطفے ہوا میں ہوتے ہیں جب پنیر اور گوشت کے اوپر بارش کے ذریعے گریں تو کیڑے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ (قاموس قرآن، ج:۱، ص:۴۳)۔ اس کے بارے میں امام صادق علیہ السلام سے حدیث نقل ہوئی ہے، آنحضرت فرماتے ہیں کہ: "نطفہ آسمان سے زمین کی طرف آتا ہے اور گھاسوں، درختوں کے پھلوں اور سبزیوں پر گرتا ہے۔ انسان اور جانور ان کو کھاتے ہیں لہٰذا نطفہ ان کے جسموں میں گردش کرنے لگ جاتا ہے۔ (تفسیر برہان، ج:۴، ص:۱۹ ذیل آیت ۳۶ سورۂ یٰسین)۔ شاید امام صادق علیہ السلام کا مقصد یہی ہو کہ نباتات اور پھول ہوا اور حشرات کے ذریعے نطفوں کو پراکندہ کرتے ہیں۔

(۳) تیسرا نظریہ یہ عالم اور زندہ موجودات ارادۂ خدا کے ساتھ تدریجی طور پر زمانے کے گزرنے کے ساتھ پہلے انسان کی شکل میں تبدیل ہوا ہے۔ جس طرح کہ ڈارون کا نظریہ ہے وہ کہتا ہے: "پہلا انسان بندر کی نسل سے ہوا ہے" یہ نظریہ فی الحال بالکل رد شدہ اور قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ خداوند متعال نے موجودات کی تمام اقسام کو الگ الگ مستقل طریقہ کے ساتھ خلق کیا ہے۔

آدم علیہ السلام کے واقعہ کو بیان کرنے کی وجہ

اس مقام پر اس بات کی یاددہانی کرانا ضروری ہے کہ میں نے حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کا انتخاب کیوں کیا ہے اور قرآن کے دیگر واقعات سے اس واقعہ کو چنا ہے۔ آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کے واقعہ کی تاریخ کو کیوں دہراوں؟ یہ بھی ممکن تھا کہ دوسری اہم بحثوں کی یاد آوری کراتا (واقعہ آدم علیہ السلام کو میں نے منتخب کیوں کیا؟)۔ حضرت آدم علیہ السلام زمین کے اوپر زندگی گزارنے والے تمام انسانوں کی اصل و اساس اور ابوالبشر (بشر کے باپ) ہیں اور ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنی اصل نسب اور حسب کی حقیقت کو سمجھے اور اپنی اصل اور باپ کو پہچانے۔

اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام تمام موجودات کے سر سبز پھول ہیں۔ اگر اپنی عقل کی اطاعت کرے تو تمام موجودات سے بلکہ فرشتوں سے بھی بالاتر اور اہم تر ہو جائے گا اور قول قرآن کے مطابق وہ زمین پر خدا کے خلیفہ ہیں اس لحاظ سے تمام چیزیں آدم علیہ السلام اور اولاد آدم علیہ السلام کے لئے خلق ہوئی ہیں اور مہیا کی گئی ہیں لہٰذا اُن پر احسان کیا ہے اور اس آیت مبارکہ کو ان کی شان و فضیلت میں نازل کیا ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ﴾ (سورہ اسراء:۷۰)

"بیشک ہم نے اولاد آدم علیہ السلام کو کرامت بخشی اور ان کو خشکی اور سمندری سواریوں پر سوار کیا (یعنی ہم نے پوری دنیا کو اُن کیلئے مسخر کر دیا) طیب و طاہر ملذیذ اور پاکیزہ غذاؤں سے اُن کو روزی دی ہے اور اپنی اکثر مخلوقات پر برتری اور فضیلت بخشی ہے"۔

خداوند کریم نے اس فخر و افتخار کے تاج کو انسان کے سر پر سجایا ہے اور اسی وجہ سے انسان نے بلندی کو پایا ہے اور اس مقام تک پرواز کر کے پہنچا ہے جس کی نشاندہی قرآن ان لفظوں کے ساتھ کر رہا ہے:

﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ﴾ (سورہ نجم:۸)

"اور دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کمتر (قریب ہوا ہے)"۔

بنی آدمی را خود اندر زمین	بسی منزلت داد جان آفرین
به مرکب بگشتند ایشان سوار	به خشکی و دریا شدند رهسپار
به ایشان بدادیم روزی پاک	از آن چه برویید از بطن خاک
که نسبت به مخلوق های دیگر اندر	فضیلت بدادیم ما بر بشر

(ہم نے اولادِ آدم علیہ السلام کو زمین پر کئی ایسی فضیلتوں سے نوازا ہے کہ ہر ایک پر جان قربان ہو سکتی ہے اور خشکی و تری کی سواریوں پر سوار ہو کر گھومنے پھرنے پر اختیار دیا ہے اور ان کو پاکیزہ روزی دی ہے، مٹی سے پیدا ہونے والی ہر چیز سے اور باقی تمام مخلوق کی نسبت سے ہم نے انسان و بشر کو فضیلت بخشی ہے)۔

تیسری وجہ واقعہ آدم علیہ السلام کے انتخاب کی: چونکہ واقعہ اور تاریخ حیات آدم علیہ السلام کو بیان کرنے میں علم آموز نکات اور سبق آموز عبرتیں موجود ہیں اور قول قرآن کے مطابق کہ فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ (سورۂ یوسف: ۱۱۱)

"یقیناً انسانوں کے واقعات میں (انبیاء، رُسُل، اثر دکھانے والوں، طاقتوروں، ایمانداروں اور بے ایمانوں، کمزوروں اور ناکاموں اور انسانوں کی دیگر اقسام و انواع) سوچ بچار اور غور و فکر کرنے والوں کیلئے عبرت و نصیحت کے بڑے سبق موجود ہیں"۔

انسان ایسا آئینہ ہے کہ جس میں اپنی زندگی کی تمام حیثیتوں کو دیکھ سکتا ہے۔ مثلاً شکست و کامیابی کے عوامل، کامیابی و ناکامی کے اسباب، خوش بختی اور بدبختی، سربلندی اور ذلت وغیرہ وغیرہ اور نیز ایسا آئینہ ہے کہ جس میں گزری ہوئی قوموں اور بڑے بادشاہوں کے تمام تر تجربوں کے نچوڑ کو دیکھ سکتا ہے اور اس کا دیکھنا انسان کی کم عمری کو تمام بشریت کی عمر کے اندازے کے مطابق طویل کر دیتا ہے۔ لیکن صرف صاحبانِ عقل اور غور و فکر رکھنے والے افراد عبرتوں کے ان نقوش کو اس آئینہ کے شیشہ میں مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

چوتھی وجہ واقعہ آدم علیہ السلام کے انتخاب کی: انسان اپنے تمام اعمال و کردار میں صاحب اختیار

ہے اور اپنے ارادہ و نظریہ کے مطابق عمل کرتا ہے اور جب سیدھا اور ٹیڑھا راستہ کو دیکھتا ہے تو ایک کو منتخب کرتا ہے اور قیامت کے دن صرف انسان سے سوال و جواب کیا جائے گا اور حساب و کتاب لیا جائے گا۔ خلاصہ کے طور پر انسان فرشتہ اور حیوان سے ترکیب شدہ معجون ہے۔ ہم نے چار وجوہات کو بیان کیا ہے جبکہ کئی دیگر وجوہات بھی موجود ہیں۔ ہم آدم ؑ اور اس کی زوجہ حوا اور اُن کی اولاد اور اُن کی زندگی کے اوقات اور اُن کی عمروں کے عروج و زوال کو بیان کریں گے تاکہ تمام لوگوں کیلئے اتمام حجت ہو جائے اور عبرت حاصل کرنے والے عبرت حاصل کریں اور جان لیں کہ صراط مستقیم سے انحراف کرنے والوں کا کوئی عذر قبول نہ کیا جائے گا۔

حضرت آدم ؑ کی عمر کا دورانیہ

اس کتاب میں عمر انسان یا انسان مٹی سے مٹی تک کے دورانیہ کے بارے میں بحث کی جائے گی اور عمر انسان کے دورانیہ کو دو پہلوؤں سے زیر بحث لایا جائے گا: (۱) ایک پہلو دورانیہ عمر حضرت آدم ؑ کا ہوگا کہ جس کو پہلی خلقت کہا گیا ہے۔ (۲) اور دوسرا پہلو حضرت آدم ؑ کے بعد کی عمر کا دورانیہ ہوگا کہ جس کو دوسری خلقت یا اولاد آدم ؑ کہا گیا ہے اور ہر ایک کی عمر کا دورانیہ مٹی سے شروع ہوتا ہے اور مٹی ہی کی طرف پلٹ کر ختم ہوتا ہے۔ حضرت آدم ؑ کی عمر کا دورانیہ اگرچہ مٹی سے شروع ہوتا ہے اور مٹی ہی کی طرف پلٹتا ہے لیکن موجودہ حاضر انسان (اولاد آدم ؑ) کی عمر کے دورانیہ سے بہت فرق رکھتا ہے اور ہر ایک کا کمال و تکامل فرق رکھتا ہے۔ دونوں کا تکامل الگ الگ ہے اور ہر ایک اپنے مناسب مقام پر بیان ہوگا۔

ہم ابتدائی طور پر یاد دہانی کراتے ہیں کہ انسان وجود میں آنے سے پہلے کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ چنانچہ خداوند متعال اس بارے میں فرماتا ہے:

﴿هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا﴾ (سورہ الدھر: ۱)

"کیا اس طرح نہیں ہے کہ ایک طویل زمانہ انسان پر گزرا کہ جس میں انسان قابل ذکر چیز نہ تھا (مخلوقات کے درمیان اس کا اثر و خبر بالکل نہ تھی)"۔

ہاں انسان کے وجود کا ہر ایک ذرہ گوش و کنار میں بکھرا ہوا تھا۔ مٹی میں، سمندر کے پانی کے قطروں میں اور اس ہوا کے درمیان جو زمین کے اندر موجود تھی انسان کا اصلی مواد ان تمام گوش و کنار میں بکھری ہوئی چیزوں کے اندر چھپا ہوا تھا۔ اور اس طرح ان چیزوں میں ملا ہوا تھا کہ بالکل قابل ذکر نہ تھا اور اس مرحلہ کے بعد پہلے انسان کی خلقت کی نوبت آتی ہے (آدم ابوالبشر) اور وہ پیدا کیا جاتا ہے فرشتوں اور ملائکہ الٰہی میں اس کا ذکر سلام و درود کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

مگر طی نشدلو روزگاری دراز — که چیز نبُد لائق ذکر باز
زیک قطره آبی که ناچیز بود — به انسان بدادیم جان و وجود
بدادیم براو دو چشم و دو گوش — مشاعر بدادیم و عقلی و هوش

کیا اس طولانی زمانے میں جو دور یا ان تمام باعث گیا — کہ کوئی چیز نہیں تھی جو ذکر ہونے کی لیاقت رکھتی
ایک پانی کے قطرے سے جو بے قدر و قیمت تھا — انسان کو ہم نے زندگی اور وجود عطا کیا
ہم نے اس کو (انسان) دو آنکھیں اور دو کان دیئے — شعور و عقل اور سوچ عطا کی ہے

حضرت آدم علیہ السلام کی پہلی خلقت مٹی سے

حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کے دوران اور مناسب موقع ذکر سے بحث کو شروع کرتے ہیں کہ کس طرح خلق ہوئے ہیں اور کس وسیلہ کے ساتھ وجود میں آئے ہیں اور آنحضرت کی خلقت کا اوّل کہاں سے شروع ہوا ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی پہلی خلقت کو کبھی مٹی سے اور کبھی پانی سے بیان کرتا ہے۔ اور مٹی سے خلقت کے بارے میں اس طرح فرماتا ہے:

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ﴾ (سورۂ آل عمران:۵۹)

"بیشک عیسیٰ علیہ السلام کی خلقت خدا کے نزدیک مانند خلقت حضرت آدم علیہ السلام کے (ابوالبشر) مٹی سے ہے"۔

اللہ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے خلق کیا ہے پس آدم علیہ السلام سے کہا: اے بشر! اپنے کمال تک پہنچ تو وہ اسی وقت امر خدا کے مطابق ہو گیا جبکہ جن و نسناس کے گروہ کو اللہ نے خلق کیا تھا جو کہ تقریباً

سات ہزار سال سے موجود تھے اور اس گروہ نے دنیا میں فتنہ وفساد، خون ریزی اور خدا کی نافرمانی کا بازار گرم کیا ہوا تھا چنانچہ اپنے بُرے اعمال و کردار کی وجہ سے نابود و برباد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت میں گزرا تو حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے خلق کیا۔ جناب آدم علیہ السلام کا مادی و ظاہری جسم مٹی سے خلق ہوا کہ مٹی میں نہ نور و روشنی، نہ حُسن و زیبائی، نہ حس و حرکت اور نہ ہی طراوت و شادابی۔ بے قیمت و بے وجود اس کے وہی مٹی خمیر مایہ انسانی قرار پائی جو کہ تمام الٰہی صفات کا مجموعہ تھیں اور اُسے اشرف المخلوقات کا مقام دیا گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ مٹی کہاں اور شان و شوکت والا انسان کہاں۔ بے اہمیت مٹی کہاں اور باعظمت و استعداد اور شائستگی کا مالک انسان کہاں اور پھر پست و بے اہمیت مٹی پورے عالم ہستی کی مخلوقات اور موجودات سے افضل ترین ہو، ایسی مٹی جو کہ بے اہمیتی میں ضرب المثل ہے سے انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔

سید ابن طاؤس نے نقل کیا ہے کہ:

"میں نے صحف ادریس علیہ السلام میں دیکھا ہے حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت کے بارے میں اس طرح لکھا ہے کہ خداوند متعال نے زمین کو وحی کی کہ میں ایک مخلوق کو تجھ سے خلق کرنا چاہتا ہوں جس میں سے کچھ میری اطاعت کریں گے اور کچھ میری نافرمانی کریں گے۔ زمین کے جسم پر لرزہ طاری ہوا اور خداوند متعال سے درخواست کی کہ مجھ سے مٹی کو نہ لیا جائے اور جو نافرمانی کرنے والے پیدا ہوں گے ان کو خلق نہ کرے تا کہ وہ جہنم میں نہ جائیں (یعنی نافرمانوں کی صورت میں مٹی بھی جہنم میں جائے گی)۔ لیکن خداوند متعال نے جبرئیل علیہ السلام کو زمین پر بھیجا تا کہ آدم علیہ السلام کی مٹی کو زمین سے اٹھا لائے۔ جبرئیل علیہ السلام مٹی لینے کیلئے زمین پر آیا، زمین نے کہا: اے جبرئیل علیہ السلام! خدا کی بارگاہ میں پناہ چاہتی ہوں اور تجھے اس کی عزت و جلالت کی قسم دیتی ہوں اتنی دیر صبر کرو کہ میں اس کی بارگاہ میں آہ و زاری کروں اور کہوں کہ مجھ سے مٹی کو نہ اٹھوائے۔ جبرئیل علیہ السلام نے مہلت دی اور زمین نے خدا کی بارگاہ میں آہ و زاری کی کہ اس سے مٹی کو نہ اٹھوائے۔ خداوند کریم نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ پلٹ آؤ! اس کے بعد اسرافیل علیہ السلام کو مٹی اٹھانے کیلئے بھیجا، پھر زمین نے خدا کی بارگاہ سے پناہ مانگی اور کہا کہ

اس سے مٹی کو نہ اٹھوائے۔ اسرافیل علیہ السلام بھی واپس پلٹ گیا اور خدا کی بارگاہ میں عرض کی: خداوندا! زمین نے مٹی اُٹھانے سے تیری بارگاہ سے پناہ مانگی اور میں واپس پلٹ آیا ہوں۔ پھر میکائیل علیہ السلام کو بھیجا گیا، اس مرتبہ بھی پھر زمین نے خدا کی بارگاہ سے پناہ طلب کی اور مٹی اُٹھانے سے انکار کر دیا۔ میکائیل پلٹ گیا اور زمین کی تڑپ کو خدا کی بارگاہ میں پیش کیا۔ چوتھے مرحلہ پر عزرائیل علیہ السلام کو حکم کیا کہ زمین پر جاؤ اور مٹی کو اٹھا لاؤ۔ پھر بھی زمین کے جسم میں لرزہ طاری ہوا اور مٹی اُٹھانے سے خدا کی بارگاہ میں پناہ کو طلب کیا۔ عزرائیل علیہ السلام نے جواب میں کہا: میں بھی حکم خدا کی مخالفت سے اس کی بارگاہ میں پناہ طلب کرتا ہوں کیونکہ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ تجھ سے مٹی کو اٹھا لے جاؤں لہٰذا اس کے دیئے ہوئے دستور و امر کے مطابق میں عمل کروں گا خواہ تو اس سے خوش رہے یا اس سے ناراض ہو جائے۔ پس عزرائیل علیہ السلام نے زمین سے مٹی کو اُٹھایا اور بارگاہ خدا میں پلٹ آیا۔ خداوند متعال نے اس کو خطاب کیا: اے ملک الموت! جس طرح تو نے زمین سے مٹی کو اُٹھایا ہے اگرچہ زمین اس کے اُٹھانے پر خوش نہیں تھی میں نے بھی آدم علیہ السلام اور اولاد آدم علیہ السلام کے قبض روح کو قیامت تک کیلئے تیرے سپرد کر دیا ہے"۔ (حیات القلوب، ج ۱، ص ۲۹۔ سعد السعود۔ بحار الانوار، ج ۱۱، حالات حضرت آدم علیہ السلام)

جناب امیر المومنین علی علیہ السلام سے نقل ہوا ہے:

"جب خداوند متعال نے آسمان و زمین، چاند و سورج اور ستاروں کو خلق کیا تو اللہ نے جناب آدم علیہ السلام کے ابتدائی مواد کو زمین کے مختلف حصوں سے اکٹھا کیا اور اس مواد کے ذریعے آدم علیہ السلام کو خلق کیا۔ وہ مٹی جس سے جناب آدم علیہ السلام کو بنایا گیا ہے وہ سخت و نرم، جنگلی و کڑوی، ہموار و ناہموار، صاف اور پتھریلی تھی اور پھر اس کے مختلف رنگ تھے۔ وہ مٹی سرخ، سفید، سیاہ اور زمینی رنگ غرضیکہ اس مٹی میں مختلف رنگوں کو اکٹھا کیا گیا اور اس مٹی سے جناب آدم علیہ السلام کو خلق کیا گیا۔ اس مٹی پر پانی ڈالا تاکہ وہ مخلوق ہو جائے (تاکہ ساری مٹی تر ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ مل جائے) اور مٹی کے کچھ حصے کو اٹھا کر دوسرے حصے پر مارا تاکہ اس کے اندر جاذبیت پیدا ہو جائے"۔ (بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۱۱۳)۔

حیات القلوب، ج:۱، ص:۴۹۔ نہج البلاغہ: خطبہ اول)

پانی سے خلقت

آیت اور گزشتہ دو روایتوں نے جناب آدم علیہ السلام (ابوالبشر) کی پہلی خلقت کو مٹی سے قرار دیا ہے لیکن بعض دوسری روایات میں آیا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پہلی خلقت پانی سے ہوئی ہے اس بارے میں قرآن فرماتا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا﴾ (سورہ فرقان:۵۴)

"وہی خدا ہے جس نے بشر کو پانی سے خلق کیا اس کیلئے نسب اور دامادی کو قرار دیا اور تیرا خدا ہر چیز پر قادر ہے"۔

اس آیت نے انسان کی خلقت کو پانی سے بیان کیا ہے۔ جس سے پہلے جس وجود کو خدا نے خلق کیا وہ پانی تھا اور انسان کو بھی اسی پانی سے بنایا۔

ایک دوسری آیت میں فرماتا ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ﴾ (سورۂ انبیاء:۳۰)

"ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندہ کیا ہے (ہر چیز کی زندگی پانی سے وابستہ ہے) آخر پھر بھی کیوں خدا پر ایمان نہیں لاتے"۔

امام محمد باقر علیہ السلام اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"خداوند متعال نے پہلے مرحلے میں ایک چیز کو خلق کیا اس کے بعد تمام موجودات کو اس چیز سے پیدا کیا اور وہ چیز پانی ہے اس وجہ سے ہر چیز کو پانی سے نسبت دیتا ہے اور پانی کو کسی چیز سے نسبت نہیں دیتا"۔ (وافی، ج:۲۶، ص:۴۱۸)

چنانچہ انسان بھی زندہ موجودات میں سے ایک ہے اور پانی سے بنایا گیا ہے اور اس کی زندگی پانی سے وابستگی رکھتی ہے اور پانی جو اس دنیا کے تمام موجودات میں سے ایک عام سا وجود ہے جس کا

ذائقہ حیات وزندگی کا ذائقہ ہے۔

ایک شخص نے امام صادق ؑ سے پوچھا: "یا ابن رسول اللہ! پانی کا ذائقہ کیا ہے؟" تو فرمایا: سوال علم کے اضافہ اور یاد کرنے کیلئے کیا کرو نہ کہ اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنے کیلئے۔ اس کے بعد فرمایا: پانی کا ذائقہ حیات وزندگی کا ذائقہ ہے کیونکہ خداوند متعال فرماتا ہے: ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے خلق کیا ہے"۔ (تفسیر نمونہ، ج:۱۳، ص:۳۹۶)۔ گذشتہ دو آیات کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ ہر انسان کے وجود کا اصلی مادہ پانی ہے اور آج یہ بات ثابت ہو چکی ہے وجود انسان کا زیادہ حصہ پانی سے تشکیل پاتا ہے اور ستر (۷۰) فیصد انسان کا بدن پانی ہے۔ اسی دلیل کی وجہ سے اگر انسان کو پانی نہ ملے تو انسان قائم نہیں رہ سکتا، جبکہ انسان کو اگر کئی کئی دن خوراک یعنی غذا نہ ملے بلکہ اگر ہفتہ ہفتہ بھی غذا نہ ملے تو انسان گزارا کر سکتا ہے (لیکن اگر ایک ہی دن میں چند گھنٹے پانی نہ ملے تو قریب المرگ ہو جاتا ہے)۔ وہ آیات جو یہ کہتی ہیں کہ انسان کی پہلی خلقت مٹی سے ہے اور وہ آیات جو یہ کہتی ہیں کہ پانی سے ہے دونوں صحیح ہیں، کیونکہ انسان مٹی اور پانی سے ملا ہوا معجون ہے اور پہلا انسان جو کہ حضرت آدم ؑ (ابو البشر) ہے اور اس کی اولاد جو کہ پانی، مٹی سے مل کر بنی ہے دوسرے مرحلہ میں ان کا بیان ہوگا۔

گیلی مٹی کا دوسرا مرحلہ

جب ملک الموت نے زمین کے مختلف حصوں سے مٹی کو اٹھایا اور بارگاہ خدا میں حاضر ہوا تو اس مٹی کو ایک مدت تک رکھا گیا، یہاں تک کہ خداوند متعال نے حکم دیا کہ: اس مٹی کو میٹھے اور کڑوے صاف اور نمکین اور گندے پانی سے مخلوط کیا جائے اور مٹی کو گیلی مٹی بنایا جائے (گیلی مٹی یعنی کیچڑ کی طرح بنایا جائے، گوندھا جائے) فرشتوں نے خدا کے حکم پر عمل کیا۔ میٹھے پانی کو انسان کے گلے میں اور نمکین پانی کو انسان کی آنکھوں میں، کڑوے پانی کو انسان کے کانوں میں اور گندے پانی کو انسان کے ناک میں قرار دیا اور مٹی کو اس سے خمیر کیا اور چالیس سال تک اس مٹی کے ایک حصے کو دوسرے سے مخلوط کر کے گوندھا جاتا رہا یہاں تک کہ اس کے اندر چسپیدگی پیدا ہو گئی (یعنی قوت جاذبہ چپکنے کی قوت پیدا ہو گئی) اور شکل وصورت بنانے کے قابل ہو گئی اور بقول حافظ شیرازی۔

(میں نے بلند نگاہی سے دیکھا کہ ملائکہ رحمت دست عطا کا دروازہ کھٹکھٹا رہے تھے اور آدم علیہ السلام کی مٹی کو گوندھ رہے تھے اور اس کا شکل وقیافہ بنا رہے تھے۔)

قرآن اس کے متعلق فرماتا ہے:

﴿وَ بَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ﴾ (سورۂ سجدہ: ۷)

"(خداوند متعال نے) انسان کی خلقت کی ابتدا طین (گیلی مٹی گوندھی ہوئی) سے قرار دی" ۔(تاکہ اپنی عظمت وقدرت کو دکھائے کہ اس نے اس طرح کی بر جستہ مخلوق کو کس طرح کی کم اہمیت اور عام سی چیز سے خلق کیا ہے اور انسان کو خبر دار بھی کیا تو کہاں سے آیا اور کہاں جانے والا ہے اور انسان کی زبان کا وظیفہ یہ ہے کہ کہاں آیا ہوں اور میرے آنے کا مقصد کیا تھا)۔

(خداوند کریم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور بہترین طریقہ تخلیق سے خلق کیا اور آدمی کو پہلے ہی دن مٹی، گیلی مٹی اور پانی سے بنایا ہے۔)

ایک دوسری آیت میں آیا ہے:

﴿وَ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِينٍ﴾ (سورۂ ص، آیت: ۷۱)

"اے حبیب! اس وقت کو یاد کرو کہ جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں بشر کو گیلی مٹی سے خلق کرنے والا ہوں"۔

اس آیت مبارکہ نے صراحت سے فرمایا کہ انسان کو بغیر کسی واسطے کے گیلی مٹی سے خلق کیا ہے اور اس کی پہلی خلقت اسی گیلی مٹی سے ہوئی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"اگر دنیا کے لوگ اپنی اصل ونسل کی شرافت پر اظہار مقام بزرگی کرتے ہیں اور فخر ومباہات کرتے ہیں تو سمجھ لیں کہ ان کی اصل آب وگل ہے"۔(دیوان علی علیہ السلام، شعر: ۳۰)

تیسرا مرحلہ: لجن یعنی کالا کیچڑ

جب ملائکہ نے پانی اور مٹی کو آپس میں ملا لیا اور گوندھا شدہ مٹی کی شکل میں لے آئے تو اس کو

اسی حالت پر چھوڑ دیا، یہاں تک کہ اس کا قیافہ بدل گیا اور لجن مُّتعفّن (بدبودار مٹی کی صورت اختیار کرنا) اور سیاہ رنگ کی مٹی کی شکل میں بدل گئی (قیافہ شکل وصورت گِل تیرہ رنگ سیاہ رنگ کی مٹی ہے)

تو پھر دوبارہ چالیس (۴۰) سال تک اسی طرح پڑی رہی۔ خداوند کریم اس کے متعلق فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ﴾ (سورۂ حجر: ۲۶)

"بیشک ہم نے انسان کو خشک شدہ مٹی سے جس کو بدبودار مٹی (سیاہ رنگ) سے بنایا گیا تھا خلق کیا ہے"۔

اور پھر دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ﴾ (سورۂ حجر: ۲۸)

"اے حبیبؐ اس وقت کو یاد کرو جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں بشر کو خشک شدہ مٹی سے جس کو بدبودار مٹی سے لیا گیا ہے خلق کرنے والا ہوں"۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے پیدا ہونے سے پہلے خداوند کریم نے ملائکہ سے خطاب کیا اور فرمایا:

"اے فرشتو! جان لو اور آگاہ رہو کہ میں آئندہ خشک شدہ اور بدبودار مٹی سے بشر کو پیدا کرنے والا ہوں"۔

چنانچہ جب جسم آدم ؑ کو خلق کرنے کے بعد اس میں رُوح کو ڈالا تو پھر تمام فرشتوں سے خطاب کیا اور کہا آدم ؑ کو سجدہ کرو۔ تمام ملائکہ نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ جب خداوند متعال نے اس سے سوال کیا کہ سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو شیطان نے اسی بدبودار، سیاہ رنگ، نجاست دار مٹی کو سجیا قرار دیا اور کہا کیا بدبودار مٹی سے خلق ہونے والے کو میں سجدہ کروں، میں سجدہ نہیں کروں گا۔

﴿قَالَ لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ﴾ (سورۂ حجر: ۳۳)

شیطان یہ فکر رکھتا تھا کہ وہ آگ سے بنایا گیا ہے اور آدم ؑ بدبودار سیاہ رنگ کی مٹی سے

بتایا گیا ہے۔ ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ نورانی آتش جاندار کہاں اور بدبودار سیاہ رنگ نجاست دار مٹی کہاں۔ تو کیا میرے جیسا شریف وجود پست ترین وجود کے سامنے جھکے اور اس کو سجدہ کرے؟ یہ کیا قانون ہے؟ یہ کیا عدالت ہے؟" کتاب شیطان در کمینگاه[1] میں بہت مطالب موجود ہیں رجوع کیا جائے۔

---

1. اس کتاب کا ترجمہ جاری ہے۔ (مترجم)

به یاد آر وقتی که پروردگار   به جمع ملائیک بگفت آشکار
که از کهنه گِل آفرینم بشر   گِلی کان دگرگون بگشتند اگر
چون آن را بیارا راستم معتدل   ز روحم بخواهم دمیدم به گِل
بر او سجده آرید اینک شما   که رو راست روحی زیکتا خدا
چو فرمان یزدان بیامد فرود   ملایک نمودند جمله سجود
وی کرد ابلیس زین کار امتنا   بر آدم نیاورد سجده به جا
خداوند گفتا به شیطان چنین   نکردی چرا سجده با ساجدین
پس آن گاه شیطان ز کبر و غرور   چنین داد پاسخ به رب غفور
که هرگز به نوع و بشر آدمی   نبینی که سجده نمایم دمی
که او خلق شد از گِل و خاک سست   مرا کرده ای لیک از آتش درست

(اے حبیبؐ!) اس وقت کو یاد کرو کہ تمہارے رب نے   جب فرشتوں کے گروہ سے صراحت کے ساتھ فرمایا
کہ پانی سے گندھی ہوئی پرانی مٹی سے بشر بنانے والا ہوں   اور مٹی بکھری ہوئی مختلف مقامات کی ہے
پس جب میں اس کو ٹھیک طریقے سے تیار کر لوں   اور اس مٹی میں اپنی روح ڈال دوں
اس وقت تم اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا   کیونکہ اس کے اندر خدائے یکتا کی پاکیزہ روح ہے
تو جب خدا کا فرمان فرشتوں نے سنا   تو سارے فرشتے سجدہ میں گر گئے

لیکن شیطان نے سجدے سے انکار کیا — اور آدم کے سامنے سجدے کے لئے نہیں جھکا
خداوند متعال نے شیطان کو اس طرح خطاب کیا — کہ ساجدین کے ساتھ تو نے سجدہ کیوں نہ کیا؟
پس اس وقت شیطان نے تکبر و غرور سے — اس طرح جواب دیا رب غفور کو
کہ میں کبھی بشر خاکی کو — نہ دیکھا کر ایک لحظہ بھی میں اس کو سجدہ کروں
کیونکہ وہ کمزور مٹی سے خلق ہوا ہے — اور مجھے تو نے آگ سے بنایا ہے

پس جب مٹی لجن (بدبودار، چکنی) کی صورت میں بدل گئی تو اس کو گوندھا گیا اور اس کے اندر چسپیدگی پیدا ہو گئی اور اس کے سارے اجزا ایک دوسرے سے وصل ہو گئے۔ قرآن فرماتا ہے:

﴿إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّن طِينٍ لَّازِبٍ﴾ (سورۂ صافات:۱۱)

"بیشک ہم نے انسانوں کو چسپیدگی رکھنے والی مٹی سے خلق کیا"۔

یہ وہ مرحلہ تھا آدم (ع) کی مٹی کا ڈھانچہ تیار ہوا۔ انسان کی شکل وصورت اور قیافہ تیار ہوا اور ہاتھ پاؤں، اعضاء و جوارح بنائے گئے۔

چوتھا مرحلہ خشک شدہ مٹی

جب حضرت آدم (ع) کی مٹی کو گوندھا اور اس کی صورت بندی کر لی اور اس کا مٹی والا بدن تیار ہو گیا تو اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جس طرح کمہار مٹی کے برتنوں کو بنانے کے بعد خشک ہونے کیلئے چھوڑ دیتا ہیں۔

قرآن فرماتا ہے:

﴿خَلَقَ الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ (سورۂ الرحمٰن:۱۴)

"(خداوند متعال نے) انسان کو خشک شدہ مٹی مانند سفال (خشک شدہ مٹی جس کو آگ میں پکایا گیا ہو) سے پیدا کیا ہے"۔

کلمہ صلصال جو کہ چند آیات میں آیا ہے جس کا معنی جسموں اور خشک شدہ مٹی سے آواز کی نشت و آمد کو کہا گیا ہے شاید لجن و گل بدبودار یعنی بدبودار مٹی کے معنی میں ہو۔ پس وہ مجموعہ آیات کا جو

خلقت انسان کو بیان کر رہی ہیں استفادہ ہوتا ہے کہ انسان ابتدائی طور پر مٹی سے تھا، پھر مٹی پانی سے ملائی گئی اور تر شدہ مٹی کی صورت میں ہو گئی اور اس کے بعد بدبودار مٹی جس کو لجن کہا جاتا ہے کی شکل میں آ گئی اور اس کے اندر چسپیدگی کی قوت پیدا ہو گئی اور آخری مرحلہ خشک مٹی کا تھا اور چالیس (۴۰) سال تک اسی حال پر رہی۔ یہ مراحل ۴۰ سال میں مکمل ہوئے۔ اس مرحلہ میں کہ ابھی خشک مٹی تھی خداوند کریم نے فرشتوں سے خطاب کیا اور کہا: "میں چاہتا ہوں کہ مٹی سے بشر خلق کروں، جب میں اسے بنالوں اور اس میں اپنی روح کو پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا اور اس کی تعظیم و احترام کرنا"۔ جب حضرت آدم ؑ کی مٹی گوندھی جا چکی تو اس سے ایک جسم بنایا گیا اور اس کے اعضاء و جوارح بنائے گئے تو خشک شدہ مٹی کی صورت میں اس راستے پر رکھ دیا کہ جہاں سے ملائکہ آسمان کی طرف آتے جاتے تھے۔

امیر المومنین علی ؑ سے نقل ہوا ہے:

"خداوند کریم نے حضرت آدم ؑ کو پیدا کیا اور چالیس سال تک اس کا مٹی کا ڈھانچہ اسی حال میں پڑا رہا اور فرشتے اس کے ارد گرد سے گزرتے تھے اور اس کا احترام و تعظیم کرتے تھے اور جب ابلیس اس طرف سے گزرتا تھا تو کہتا تھا کہ یہ بہت بڑے کام کیلئے خلق کیا گیا ہے اور اپنے آپ سے کہتا تھا کہ اگر خدا نے مجھے حکم کیا کہ میں اس کو سجدہ کروں تو میں اس کی مخالفت کروں گا اور اس کو سجدہ نہیں کروں گا"۔ (حیات القلوب، ج: ۱، ص: ۳۶)

شیطان ملعون جناب آدم ؑ کے منہ سے داخل ہوتا اور پیچھے سے باہر آ جاتا اور سارے جسم آدم ؑ میں جاتا تھا اور پورے بدن میں گردش کرتا تھا۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ ایک صنوبری شکل کی کوئی چیز اس کے سینہ کے وسط میں لگی ہوئی ہے۔ شیطان نے اس میں داخل ہونے کی کوشش کی مگر اس میں داخل نہ ہو سکا اور کوئی راستہ پیدا نہ کر سکا۔ وہ وہی آدم ؑ کا دل تھا کہ جس میں داخل ہونے کا شیطان راستہ پیدا نہ کر سکا کیونکہ وہ خداوند متعال کے ساتھ مخصوص ہے، وہ اس کا گھر ہے اور عرش رحمان ہے جس کو خدا کی محبت و نور سے پر ہونا چاہئے وہ شیطان کا مقام اور اس کے اترنے کی

جگہ نہیں ہو سکتا (کتاب "شیطان در کمینگاہ" میں اس کے متعلق کافی بحث لکھی گئی ہے اور اس بحث کا عنوان فردوسگاہ شیطان تھا۔ لہٰذا اس کتاب کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہ کتاب بھی اسی مصنف کی ہے)۔

---

1. اسی قسم کا مضمون علل الشرائع (شیخ صدوقؒ) میں بھی ہے۔ (مترجم)

حضرت عبدالعظیم حسنی نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت اقدس میں خط لکھا کہ انسان کا پاخانہ کیوں بدبودار ہے؟ امام محمد تقی علیہ السلام نے جواب میں لکھا: "خداوند کریم نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلق کیا اور اس کی تمام چیزیں خوشبودار تھیں اور چالیس (۴۰) سال تک بغیر روح کے اس راستے پر پڑا رہا جس راستے سے فرشتے آسمان پر آتے جاتے تھے۔ جب فرشتے وہاں سے گزرتے تھے تو کہتے کہ کسی بڑے کام کیلئے بنایا گیا ہے اور اس کی تعظیم و احترام کرتے اور جب اس کی طرف سے شیطان گزرتا تھا تو مسخرہ و مذاق کرتا تھا اور وہ اس کے منہ سے داخل ہو جاتا اور دوسری طرف سے خارج ہوتا اس وجہ سے جو کچھ پیٹ میں جاتا ہے خبیث و بدبودار ہو جاتا ہے"۔ (حیات القلوب ج:۱، ص:۴۳)

حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ کے پہلے خطبے میں عمر آدم علیہ السلام کے دورانیہ کا ذکر کرتے ہوئے بہت زیادہ مطالب کو بیان کیا ہے جو کہ انتہائی توجہ طلب ہیں۔ آنحضرت جناب آدم علیہ السلام کی عمر کے دورانیہ کو طور سربستہ ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

"خداوند متعال نے زمین کی مختلف قسموں سے یعنی سخت و نرم، شیریں و شورہ زدہ اور کاشتکاری کیلئے تیار زمین سے اور جو زمین کاشت کیلئے تیار نہیں تھی سب سے ایک مقدار مٹی اٹھوائی اور اس کو پانی کے ذریعے تر کر دیا، یہاں تک کہ خالص اور پاکیزہ مٹی تیار ہو گئی۔ پھر اس کے تمام ٹکڑوں کو باہم جوڑ دیا تو ایک جہیدگی رکھنے والے وجود کی صورت اختیار کر گئی"۔

اس کے بعد اس کے اندر پستی و بلندی، فراز و نشیب، اعضاء و جوارح، بیگانگت و یگانگت پیدا

کردی اور اس مٹی کو خشک کیا تا کہ بکھر نہ جائے۔ مضبوط، صاف، نرم اور خشک کرنے کے لئے ایک مدت معلوم اور معین انجام تک رکھا اور وہ وقت معلوم روح و حیات دینے تک کا تھا۔ جب اللہ نے اپنی روح سے اس مٹی کے ڈھانچے کے اندر پھونکا تو انسان کی صورت میں آ گیا جبکہ اس کو عقل عطا کی کہ اس کے ساتھ غور و فکر کرے اور ہوش و حواس دیئے کہ ان کے ساتھ ارادہ کرے اور اس کے وسیلے سے دوسرے موجودات میں تصرّف کرے اور اعضاء و جوارح دیئے تا کہ ان کے ساتھ کام کاج کرے اور ہاتھ پاؤں دیئے تا کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پر آئے جائے اور حرکت کرے اور علم و معرفت عطا کیا تا کہ حق و باطل کے درمیان فرق کرے، مزاجوں کے درمیان، رنگوں اور جنسوں کے درمیان فرق و تمیز کر سکے۔

خداوند کریم نے اس خشک شدہ مٹی سے ایک معجون کو خلق کیا جو کہ مختلف رنگوں کے ساتھ جس کی ہر چیز کو اس کے اجزاء میں سے حکمت و دانائی کے مطابق ایک رنگ دیا گیا جیسے ہڈیوں کا سفید ہونا، خون کا سرخ ہونا، بالوں کا سیاہ ہونا اور ایک چیز دوسری چیز کے مشابہ بنائی مثلاً ہڈیاں اور دانت ہیں اور مختلف متضاد احوال انسان کے اندر جمع کر دیئے مثلاً غم کی حالت، خوشحالی کی حالت، سکون و بے سکونی کی حالت، نیند اور بیداری کی حالت، پُرشکمی کی حالت، بھوک و پیاس کی حالت اور پھر مختلف طبیعتیں ایک دوسرے سے مخالف مثلاً حرارت و گرمی (صفراء)، برودت و سردی (بلغمی)، رطوبت و تری (خونی)، خشکی وغیرہ (سوداوی)۔ پس جب ایسی خصوصیات کے ساتھ انسان کو پیدا کر چکا اپنی امانت کو فرشتوں سے طلب کیا اور عہد و پیمان کو پورا کرنے کا حکم دیا اور وہ عہد و پیمان آدمؑ کو سجدہ کرنے کے بارے میں تھا اور اس کی عزت و تعظیم کے بارے میں تھا۔ جس طرح کہ فرمایا: آدمؑ کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا، تکبر و غرور کیا، شقاوت و بدبختی نے اس پر غلبہ کیا اور اپنی خلقت پر جو کہ آگ سے تھی فخر و ناز کیا اور آدمؑ کی خلقت جو آب و گل سے تھی اس کی توہین کی اور کہا میں آتش سے بنایا گیا ہوں اور اس کو مٹی سے بنایا گیا لہٰذا میں اس کے سامنے سجدہ نہیں کروں گا۔

پانچواں مرحلہ روح کا پھونکنا

یہ مرحلہ جناب آدمؑ کی عمر کا مشکل ترین اور شور و شرابے سے بھرا ہوا مرحلہ تھا کیونکہ اب اس

کو فرشتوں کا معلم ہونا ہے اور شیطان سے مقابلہ کرنا ہے۔ اب تک کسی قسم کی ذمہ داری نہ تھی اب ذمہ دار بنا دیا گیا ہے۔ ابھی تک فرشتوں کا معلم نہیں بنایا گیا تھا اور اب فرشتوں کا معلم بنایا گیا ہے۔ ابھی تک کوئی دشمن شیطان کی طرح کا نہ تھا لیکن اب شیطان جیسا دشمن رکھتا ہے۔ ابھی تک اشرف المخلوقات نہ تھا اور اب اشرف المخلوقات ہے۔ ابھی تک کسی قسم کی آزمائش میں مبتلا نہ تھا اب امتحان و آزمائش میں مبتلا ہے۔ ابھی تک دستورات خدا پر عمل کرنے کا پابند نہ تھا لیکن اب دستورات الٰہی پر عمل کرنے کا پابند ہے۔ ابھی تک اس کے جسم میں روح خدا کو پھونکا نہ گیا تھا لیکن اب اس کے بدن میں روح خدا موجود ہے۔

چنانچہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت کو ۱۲۰ سال گزر گئے تو خداوند کریم نے ارادہ فرمایا کہ اب اس (آدم علیہ السلام) کے جسم میں اپنی روح کو پھونک دے اور اس بے قدر و قیمت مٹی کو قیمتی اور مفید بنا دے۔ اس مادی اور خاکی جسم کو معنوی اور خدائی بنا دے۔ لہٰذا اپنی روح سے بدن آدم علیہ السلام میں کچھ روح کو پھونکا۔ جب روح آدم علیہ السلام میں جاری ہو گئی تو سب سے پہلے اس کے ناک میں پہنچی تو چھینک لی اور کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تو خداوند متعال نے آدم علیہ السلام کو خطاب کیا: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ اللہ تیرے اوپر رحم کرے اور فرمایا: اے آدم علیہ السلام! تجھے اس لئے خلق کیا ہے کہ تو میری توحید پرستی اور عبادت کرے اور میرے اوپر ایمان رکھے اور ایک لحہ بھی میری ذات کا انکار کرنے والا اور میرا شریک ٹھہرانے والا نہ بنا اور آدم علیہ السلام پر رحمت خدا نے سبقت حاصل کی۔ خداوند متعال نے پہلے اس کی آنکھوں کو خلق کیا اور ان میں روح کو پھونکا تاکہ وہ ان آنکھوں کے ذریعے اپنے جسم کا مشاہدہ کرے کہ کس طرح اس کے جسم کو خلق کیا گیا ہے اور کس طرح حرکت کر رہا ہے۔ پھر اس کے بعد جسم کے دیگر حصوں میں روح کو جاری کیا گیا۔ جب روح آدم علیہ السلام کی پنڈلیوں تک پہنچی تو جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن نہ اٹھ سکا اور گر گیا۔ خداوند کریم نے فرمایا:

وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا۔ (بنی اسرائیل: ۱۰۰)

"آدمی خلقت و فطرت میں بے صبری اور جلدی کرنے والا خلق ہوا ہے"۔

جب آدم علیہ السلام کی تخلیق مکمل ہو گئی اور اس کے اندر روح کو پھونک دیا گیا تو اس نے فوراً آنکھ

کے گچھے کو ہاتھ میں لیا اور تناول کیا تو یہ وہی چیز ہے جس کو آدم علیہ السلام نے کھایا ہے تو جب رُوح ڈال دی گئی اور خداوند متعال کے نزدیک آدم علیہ السلام کھڑے ہوئے تو اللہ نے آدم علیہ السلام سے خطاب کیا کہ:
"مجھے میری عزت و جلال کی قسم! اگر وہ بندوں کو اپنے بندوں میں سے آخری زمانے میں خلق نہ کرتا ہوتا تو تجھے کبھی بھی خلق نہ کرتا" حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: "خداوندا! اُن کے اسماء مبارکہ کو میرے سامنے بیان کرتا کہ اُن کو پہچان لوں" تو خطاب ہوا: "عرش پر نگاہ کرو!" جب حضرت آدم علیہ السلام نے عرش پر نگاہ کی تو دو سطریں نُور کی لکھی ہوئی دیکھیں:

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ نَبِيُّ الرَّحْمَةِ وَ عَلِيٌّ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ﴾

"سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں ہے، محمدؐ پیغمبر رحمت اور علیؑ جنت کی چابی ہیں"۔

اور دوسری سطر میں لکھا تھا:

"مجھے میری ذات مقدس کی قسم جو بھی ان سے محبت و دوستی کرے گا میری رحمت کا مستحق قرار پائے گا اور جو اُن سے دشمنی اور عداوت کرے گا میرے عذاب و عتاب کی سزا پائے گا"۔

(بحار الانوار، ج:۱۱، ص:۱۱۴)

اس ترتیب کے ساتھ دو متضاد وجودوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملایا ہے (بدبودار سیاہ رنگ کی مٹی اور رُوحِ خدا)۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ایک عجیب وجود (مخلوق) انسان کی شکل میں خلق ہوا جس کی بلندی و پستی کی کمان بے انتہا ہے، جس کی کوئی حد نہیں ہے اور غیر معمولی استعداد رکھنے والا انسان جس کے اندر خلافت الٰہیہ جیسے شائستہ مقام کو حاصل کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ چنانچہ وجود و ہستی کے میدان میں اُس نے قدم رکھا۔ یہ انسان خلق ہوا جو دو مختلف چیزوں کا حامل قرار پایا، ایک چیز عظمت کی اعلیٰ بلندی پر اور دوسری ظاہری طور پر اہمیت کے لحاظ سے ادنیٰ و پستی کی منزلت پر ہے۔ دو پہلو اس میں پائے جاتے ہیں: ایک پہلو انسان کا مادّی ہے جو کہ بدبودار سیاہ رنگ مٹی سے تشکیل پایا ہے اور دوسرا پہلو انسان کا معنوی ہے جو کہ رُوحِ خدا کے ساتھ تشکیل پایا ہے۔ اسی دلیل کے ساتھ اس انسان کی قوسِ صعودی (بلندی والی کمان) اس قدر بلند و بالا ہے کہ اس مقام تک پہنچ سکتا ہے کہ سوائے خدا کے کسی کو نہ

دیکھیے اور اس کی قوس نزولی (پستی والی کمان) اس قدر پست ترین ہے کہ چوپاؤں سے بھی پست تر ہے۔ (اعراف:۱۷۸)۔ انسان کی عظمت و بلندی اس کے مادی ہونے کی پہلو کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ اس کا مادی پہلو بدبودار سیاہ مٹی کی طرف پلٹتا ہے بلکہ یہ رُوحِ الٰہی جو کہ غیر معمولی استعداد و قوت کی حامل ہے انسان کے اندر چھپائی ہوئی ہے جس کی وجہ سے انسان انوارِ الٰہی کی تجلی کا مرکز بن سکتا ہے۔ پس فرشتوں کا سجدہ آدم ؑ کے سامنے اسی رُوحِ خدا کے سامنے تھا جو کہ مٹی کے پیکر میں تھا اسی وجہ سے خلافتِ الٰہیہ کے شائستہ مقام کو حاصل کیا ہے۔ اس مذکورہ ترتیب کے مطابق انسان کی خلقت اختتام کو پہنچی اور جو کچھ خدا نے اس کے جسم و رُوح کو دینا تھا وہ اس نے عطا کر دیا اور اب وہ مقام ہے کہ فرشتے اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں۔

چوتھا مرحلہ آدم ؑ کو سجدہ کرنے کا

خداوند متعال نے آدم ؑ کی خلقت اور فرشتوں کے سجدے کے بارے میں آدم ؑ کی خلقت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اعلان کیا تھا۔ آدم ؑ کی تخلیق سے سالہا سال پہلے خداوند کریم نے فرشتوں سے خطاب کیا اور فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ﴾ (سورۂ الحجر:۲۸ تا ۳۰)

"اے حبیب! اس وقت کو یاد کرو جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں خشک شدہ مٹی سے جس کو بدبودار سیاہ رنگ کی مٹی سے لیا گیا ہے بشر کو خلق کرنے والا ہوں اور جب میں اس کو سنوار لوں اور اپنی رُوح سے کچھ اس میں ڈال لوں (ایسی رُوح جو پاک و باعظمت اور شریف رُوح ہے) تو سب اس کو سجدے کیلئے جھک جاؤ"۔

یہ حکم فرشتوں کو خدا نے آدم ؑ کی تخلیق اور انسان کو بنانے سے پہلے دیا تھا جبکہ آدم ؑ کی مٹی کو گوندھا گیا اور اس کی شکل و صورت کو بنایا گیا اور اس کے اندر رُوح کو ڈال دیا گیا پھر خداوند کریم

نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرو۔

قرآن نے اس کے متعلق فرمایا:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا الْمَلَائِكَةُ﴾ (سورۃ البقرۃ ۳۴)

"اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو پس تمام فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا"۔

جب خدا کی طرف سے اُسْجُدُوا لِآدَمَ والا خطاب ہو گیا تو سب فرشتوں نے اور جو بھی اس میدان میں موجود تھا بغیر کسی چون و چرا کے اس تازہ وجود میں آنے والے وجود کے سامنے جھک گئے اور اس کو سجدہ کیا (ایسا وجود جو کہ موجودات میں سے خوش و زیبا بھول اور اشرف المخلوقات ہے) جس طرح کہ اس مطلب کو عارف ہمدانی عالم ربانی ملا احمد نراقی نے اشعار کے پیکر میں ڈھال دیا ہے اور کہتے ہیں۔

چوں که آدمؑ را خداوند مجید — در زمین بهر خلافت آفرید

و کم فرمان آمد از رب ودود — تا ملائک جمله آرندش سجود

از پس فرمان ملائک اجمعین — سر نهادند از اطاعت بر زمین

کی خدا محکوم فرمان توایم — آن چه گوئی آن کنیم آن توایم

سجدهٔ آدمؑ چه باشد آن کنیم — گر بگوئی سجده بر شیطان کنیم

زامر حق گر سجده آدی بهر کس — شرک نکند بلکه توحید است و بس

جب خدا وند مجید نے آدم کو — زمین پر خلافت و جانشینی کے لئے خلق کیا

رب ودود کی طرف سے حکم صادر ہوا — کہ سارے فرشتے اس کو سجدہ کریں

حکم خدا کے بعد تمام فرشتوں نے — اطاعت حکم خدا میں زمین پر سر رکھ دیا

کہ تیرے حکم کے محکوم ہیں — جو کچھ کہیگا اسی وقت اس کی پیروی ہوگی

آدم کے سجدہ کا تو نے ہم کو حکم دیا ہے — اگر تیری چاہت ہو تو شیطان کو بھی سجدہ کریں

کیونکہ اگر کسی کو امر خدا سے سجدہ کرو گے تو شرک نہیں ہے بلکہ صرف خالص توحید پرستی ہے

چنانچہ فرشتوں نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا۔اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن بحث و تمحیص اس بات میں ہے کہ یہ سجدہ آدمؑ کے سامنے کیا گیا یا خدا کو کیا گیا۔اس کے متعلق چار نظریے موجود ہیں:۔

(۱) یہ سجدہ خدا کیلئے کیا گیا اور حضرت آدمؑ صرف قبلہ تھے۔جس طرح کہ لوگ کعبہ کی طرف رخ کرتے ہیں اور سجدہ خدا کو کیا جاتا ہے تو جس طرح کعبہ کی طرف رخ کرنا کعبہ کو سجدہ کرنا نہیں ہے اسی طرح آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنا آدمؑ کو سجدہ کرنا نہیں ہے۔

(۲) آدمؑ کو سجدہ کرنے کا مطلب آدمؑ کی اطاعت،پیروی اور احترام و تعظیم کرنا ہے نہ کہ سجدہ عبادتی کہ حقیقت میں اس کو سجدہ کیا ہو۔

(۳) سجدہ کی حقیقت آدمؑ کی تکریم و تعظیم تھی لیکن عبادت کی حقیقت خدا کیلئے انجام پائی ہے کیونکہ سجدہ خدا کے حکم سے کیا گیا ہے اور جو بھی خدا کے حکم کی وجہ سے سجدہ کرے اس نے خدا کو سجدہ کیا ہے اور فرشتوں کا سجدہ خدا کے حکم کے ساتھ خدا کیلئے تھا۔(بحار الانوار ج:۱۱ص:۱۳۸)

اور زبان حال اُن کی یہ تھی۔

بندۂ ایم و پیشۂ ما بندگی است — بندگان را با سبب ہا کار نیست

می نخواہد کار بندہ علتی — جز فرمودہ است مولی خدمتی

بندہ آن باشد کہ بند خویش نیست — جز رضائی خواجہ اش در پیش نیست

ہم بندے ہیں اور ہمارا پیشہ بندگی ہے — اور بندے اسباب کی تلاش نہیں کرتے

کیونکہ بندہ کا کام سبب نہیں چاہتا — سوائے اس حکم خدمت کے جو مولی چاہتا ہے

بندہ وہ ہوتا ہے کہ جو اپنی خواہش کی پیروی نہیں کرتا — بلکہ اپنے مولی کی مرضی کے علاوہ اس کے سامنے کچھ نہیں ہوتا

(۴) شاید سجدہ اس سبب سے ہوا ہے کہ حضرت آدمؑ کی مقدس پشت میں پانچ مقدس و پاک

نور موجود تھے۔ جس طرح کہ امام حسن عسکری ؑ کی تفسیر میں آیا ہے: جب خداوند متعال نے آدم ؑ کو خلق کیا اور اشیاء کے نام اس کو تعلیم دیئے تو محمدؐ و آلِ محمدؐ یعنی محمدؐ، علیؑ، فاطمہ سلام اللہ علیہا، حسن ؑ و حسین ؑ کے انوار طاہرہ کو اُن کی پشت مقدس میں ودیعت کر دیا جبکہ اُن انوار مقدسہ کی وجہ سے پورے آسمان اور جنت روشن ہو رہے تھے۔

خداوند کریم نے آدم ؑ کی تکریم و تعظیم کیلئے فرشتوں کو حکم سجدہ دیا کیونکہ آدم ؑ کی پشت میں انوار طاہرہ موجود تھے لہٰذا تمام فرشتوں نے آدم ؑ کو سجدہ کیا مگر ابلیس نے تکبر و غرور کیا اور سجدہ سے انکار کر دیا۔

اسی طرح امام علی ابن الحسین ؑ سے نقل ہوا ہے آنحضرت نے فرمایا:

"آگاہ ہو کہ مجھے میرے پدر بزرگوار نے اور اُن کو اُن کے پدر بزرگوار نے جبکہ رسولِ خدا ہیں نے فرمایا ہے جب خداوند کریم نے ہمارے انوار کو بالائے عرش سے حضرت آدم ؑ کی پشت مقدس میں منتقل کیا ایک نور عظیم اُن کی پشت سے ظاہر ہوا، آدم ؑ نور کو دیکھ رہے تھے لیکن انوار کو نہیں دیکھ رہے تھے تو کہا پروردگار یہ انوار کیا ہیں؟ تو خدا نے فرمایا: "یہ انوار وہ ہیں کہ جن کو اپنے عرش کے بہترین مقام سے اُتار کر تیری پشت میں منتقل کیا ہے اس کی وجہ سے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ تجھے سجدہ کریں کیونکہ تیری پشت ان انوار کی قرارگاہ بنی ہے۔" آدم ؑ نے عرض کی: "اے کاش اگر میرے سامنے ان انوار مبارکہ کو ظاہر کر دیا ہوتا" تو اس وقت فرمایا: "اے آدم ؑ بالائے عرش پر نگاہ کرو!" جب آدم ؑ نے نگاہ کو بلند کیا تو ہمارے انوار نے اس کی پشت سے نکل کر بالائے عرش پر اپنے آپ کو ظاہر کیا اور بالائے عرش سے ان انوار کا عکس ظاہر ہوا، جس طرح کہ آئینہ میں تصویر بالکل صاف و شفاف دکھائی دیتی ہے تو آدم ؑ نے کہا: "پروردگار یہ انوار کیا ہیں" تو فرمایا: "اے آدم ؑ! یہ انوار میری تمام مخلوقات سے بہترین و برترین مخلوق ہیں، ایک ان میں سے محمدؐ ہے جس کو میں نے اپنے اسم محمود سے مشتق کیا ہے اور دوسرا علی ؑ ہے جس کو میں نے اپنے اسم اعلیٰ سے مشتق کیا ہے اور تیسرا نور فاطمہ سلام اللہ علیہا ہے جس کو میں نے فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے مشتق کیا ہے اور وہ

دوسرے حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام ہیں جن کو اپنے ناموں محسن واحسان سے مشتق کیا ہے۔ یہ وہ ہستیاں جن کو تمام مخلوقات سے میں نے برگزیدہ کیا ہے اور افضل ترین تمام عالم ہستی پر قرار دیا ہے۔ تمام لوگوں کی پیروی واطاعت کو ان کے ذریعہ سے قبول کروں گا اور ان کی وجہ سے لوگوں کو بخشوں گا، انہی کے سبب عذاب وعقاب دوں گا اور انہی کی وجہ سے اجر وثواب عطا کروں گا۔ پس ان کی ذوات مکرمہ کے ساتھ میری بارگاہ میں توسل حاصل کرو، اگر کوئی مصیبت تیرے اوپر آجائے تو ان ہستیوں کو میری بارگاہ میں واسطہ قرار دو کیونکہ جس نے بھی میری بارگاہ میں ان کا واسطہ دیا تو اس کو کبھی بھی ناامید نہیں کروں گا (یعنی ان کے واسطے کے ساتھ کسی کی دُعا کو رد نہیں کروں گا) یہی وجہ تھی کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے ترک اولیٰ ہوا تو خداوند کریم کی بارگاہ میں ان ہستیوں کا واسطہ دیا تو حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ (انتخاب از حیات القلوب ج:۱،ص:۱۲۸،' نہج البلاغہ خوئی ج:۲،ص:۱۷۰)

شیطان اور آدم علیہ السلام پر سجدہ

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے فرشتے اور شیطان جو کہ ان کا نظارہ شاہد و ناظر تھا اس کے بعد حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، فرشتوں نے بغیر چون وچرا کے سجدہ کیا صرف ایک ابلیس تھا جس نے سجدہ نہیں کیا اس پر تکبر وغرور نے غلبہ کیا۔ شقاوت وبدبختی اس پر چھا گئی، سجدہ کرنے سے اس نے انکار کر دیا اپنے آپ کو اس مخلوق خاکی پر افضل جاننے لگا اور کہا میں اس سے افضل ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے اور اس کو مٹی سے خلق کیا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ اس بشر کو جس کو تو نے خشک شدہ بدبودار مٹی سے خلق کیا ہے ہرگز اس کو سجدہ نہیں کروں گا۔ کیا کوئی شریف مخلوق میری طرح کی اس مخلوق کے سامنے جو اس سے پست تر ہو جھکے گی اور اس کی تکریم و تعظیم کرے گی؟ یہ کیا قانون ہے کیا نورانی آگ سیاہ رنگ بدبودار مٹی کے سامنے اپنے آپ کو چھوٹا کرے اور اپنی برتری کے اعتبار کو ختم کر دے۔ اس لحاظ سے خداوند کریم نے شیطان کو مہلت دی اور شیطان پر غضب وغصہ نہیں کیا تاکہ اس مہلت میں اس کا نیا امتحان اور آزمائش مکمل ہو سکے۔ (یہ نیا امتحان وآزمائش دو پہلو رکھتا ہے: ایک خود شیطان کی آزمائش اور دوسرا پہلو لوگوں کی آزمائش شیطان کے ذریعے سے)۔ مرحوم نراقی شیطان کے مکالمہ کو

اشعار کی صورت میں بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

زاں میاں شیطان که خاکش بر دہن　　گفت نائید سجدہ آدم ز من

من از آن خاکی نسب بالا ترم　　تو ز خاک پست و من از آتشم

من ہمہ نور و ضیاء آن تیرہ رو　　پس چرا من سجدہ آرم نزد او

من ز نارم نار نورانی بُوَد　　او ز خاک و خاک ظلمانی بُوَد

کی برائے ظلمت آرد سجدہ نور　　واثبور و واثبور و اثبور

خاک بر فرق وی و بر نور تو　　ای تغریر تو و چشم کور تو

گر نبردی دیہ آن کور کور　　دیدی از آدمؑ ہمہ اشراق نور

گر نبردی کور دیدی جان تو　　جان ظلمت سوز نور افشان تو

دیدۂ شیطان ہمی بے نُور بود　　لا جرم از دیدن جان کور بود

کور بود و جان آدم را ندید　　پس زامر اُسجُدوا گردن کشید

سر ز امر حق چه پیچید آن لعین　　گردنش را طوق لعنت شد قرین

[illegible] ص: ۳۸۴۴۷

جب شیطان سامنے آیا کہ اس کے منہ پر مٹی　　کہا اس نے میں آدم کو سجدہ نہ کروں گا

کیونکہ میں مٹی سے نسبت رکھنے والے سے بالاتر ہوں　　وہ پست مٹی ہے اور میں آگ سے ہوں

اور میں مکمل نور اور روشنی اور وہ سیاہ مٹی　　پس میں اس کو سجدہ کیوں کروں؟

میں آگ سے ہوں اور آگ نورانی ہوتی ہے　　وہ مٹی سے ہے اور مٹی تاریک ہوتی ہے

کب نور تاریکی کو سجدہ کرتا ہے

مٹی اس کے چہرے اور اس کے نور پر　　اُف اس پر اور اس کی اندھی آنکھ پر

اگر تیری حقیقت اندھی اندھی نہ ہوتی　　تو آدم کو نوری نور تو دیکھتا

اور اگر تو اندھا نہ ہوتا تو اس کی حقیقت کو دیکھتا　　تو اس کی تاریک مٹی کی حقیقت نور فشاں ہے

شیطان کی آنکھیں ہزار درجہ بے نور ہوں　　لا محالہ روح کو دیکھنے سے اندھی ہوں

اندھی تھیں کہ آدم کی روح کو نہ دیکھا اور امر اُسْجُدُوْ سے انکار کر دیا

امر حق سے اس لعین نے کس طرح سرپیچی کی ہے کہ ہمیشہ کے لئے اس کی گردن میں لعنت کا طوق

پڑ گیا ہے

شیطان کو جو مغالطہ ہوا وہ یہ تھا کہ میں آگ سے ہوں اور آدم علیہ السلام مٹی سے خلق ہوا ہے جبکہ آدم علیہ السلام کی شخصیت صرف مٹی کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اس کی عظمت اس روحِ الٰہی کی وجہ سے تھی جو اس میں خداوند کریم نے ڈالی تھی ورنہ مٹی کہاں اور یہ تمام تجرد و تجلیات اور استعداد و کمال کہاں۔ اور پھر صرف یہ نہیں کہ مٹی آگ سے کمتر نہیں ہے بلکہ مرتبے کے اعتبار سے آگ سے مٹی برتر ہے کیونکہ پوری زندگی اور زندگی کے اسباب مٹی ہی سے نکلتے ہیں، چنانچہ جو، گندم، چاول اور تمام تر پھل و پھول اور دیگر تمام زندہ موجودات مٹی سے استفادہ حاصل کرتے ہیں اور پھر تمام تر قیمتی گران بہا معدنیات مٹی کے سینے میں چھپے ہوئے ہیں جبکہ آگ زندگی کی تمام تر اہمیت کے ساتھ کبھی بھی مٹی کے بلند مقام تک نہیں پہنچ سکتی کیونکہ مٹی سے اگنے والی چیزوں سے استفادہ کرنے کا آگ صرف ہتھیار ہے اور وہ بھی خطرناک ہتھیار ہے ویران اور نیست و نابود کرنے والا ہتھیار ہے اور پھر آگ پکڑنے والا تمام مواد مٹی کی برکتوں سے حاصل ہوتا ہے مثلاً لکڑی، کوئلہ، تیل، ڈیزل، پیٹرول وغیرہ۔

شیطان نے اپنے غلط استدلال کی وجہ سے اپنے فسق و فجور کو ظاہر کیا۔ جس فسق و فجور کو لاکھوں سال تک چھپا رکھا ہوا تھا اور اپنے آپ کو فرشتوں کا جز بنایا ہوا تھا اور آخر کار کافروں سے ہو گیا۔ شیطان نے اپنے اس متکبرانہ اور مغرورانہ عمل سے بدبختی کے راستے کو اختیار کیا ہے اور جنت اور اس کی تمام نعمتوں سے محروم ہو گیا اور آسمانوں سے دھتکارا گیا اور صف ملائکہ اور تمام جنوں اور انسانوں کا ملعون قرار پایا اور حضرت علی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق ہزاروں سال کی اپنی عبادت کو ایک گھنٹے کے اندر تکبر و غرور کی وجہ سے آگ لگا دی اور تباہ و برباد کر دی۔ (نہج البلاغہ فیض دخوئی خطبہ قاصعہ ۱۸۳) اور اس ناپاک اور گندی مخلوق کو ملاءِ اعلیٰ اور عالم بالا ملائکہ کی صفوں سے نکال دیا گیا کیونکہ اس مقام پر پاک مقرب اور مطیع رہتے ہیں نہ کہ آلودہ، سرکش اور نہ ہی جن کے دل ناپاک ہیں ان کے رہنے کی جگہ ہے۔

(معلومات کتاب "شیطان اور کیدگاہ" میں ابلیس سے متعلق تفصیل دیکھیں!)

آدم علیہ السلام خلیفۃ اللہ

جب خداوند متعال نے آدم علیہ السلام کو خلق کرنے کا ارادہ کیا تو فرشتوں کو اس ارادے سے آگاہ کیا۔

قرآن اس کے متعلق فرماتا ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ (سورۃ البقرۃ ۳۰)

"اے حبیب! اس وقت کو یاد کرو جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا بے شک میں زمین پر جانشین اور حاکم قرار دینے والا ہوں"۔

ہاں! خدا یہ چاہتا تھا کہ زمین پر سرپرست اور خلیفہ بنائے اور زمین کی ہدایت و رہبری کی ذمہ داری اس کے سپرد کرے اور وہ بھی ایسا انسان جو ابھی خلق نہیں ہوا ہے اور بعد میں پیدا کیا جائے گا (آدم علیہ السلام اور اولاد آدم علیہ السلام) خدا کا ارادہ یہ ہے کہ ایک زمانہ زمین کو اس انسان کے سپرد کرے اور اس کو اختیار دے تا کہ اس زمین کو کوشش کے ساتھ آباد کرے اور اس کی نعمتوں سے بہرہ مند ہو اور زمین کی ساری صلاحیتوں کو اپنے ہاتھوں میں لے اس کے علاوہ تمام خزانوں اور معدنیات کو حاصل کرے اور ان سے بھرپور فائدہ اٹھائے۔ اگر چہ انسان کمزور خلق ہوا ہے لیکن شعور و احساسات رکھتا ہے اور ان دونوں قوتوں کے ذریعے سے کائنات میں تصرف کر سکتا ہے اور اس کو اپنے کنٹرول میں لے سکتا ہے اور اب ہم سب دیکھ رہے ہیں کہ اسی انسان نے عجیب و غریب ایجادات اور رموز خلقت کو ظاہر کیا ہے اور آئندہ بھی اس مقام تک پہنچ جائے گا کہ جسے سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

انسان استعداد اور آرزو اور علم و عمل کے لحاظ سے لامحدود قوت و طاقت کا مالک ہے۔ خدا نے بھی تمام طاقتیں اس کے سپرد کر دی ہیں تا کہ اس طاقت و قوت کے ذریعے رموز خلقت کو ظاہر کر سکے پس اسی سبب سے انسان کو اپنی زمین پر خلیفہ و جانشین قرار دیا ہے اور انسان نے بھی عجیب قسم کے رموز خلقت کو آشکار کیا ہے۔ خداوند کریم نے وہ صفات جو خود رکھتا ہے انسان کو بھی عطا کی ہیں اور ان تمام صفات میں انسان کو اپنا خلیفہ و نائب بنایا ہے مثلاً خدا خالق ہے اور اس نے دنیا کو خلق کیا ہے اور انسان

بھی خالق ہے جو شہروں کو کارخانوں اور بڑی بڑی عمارتوں کو عقل اور قدرت کے ساتھ بناتا ہے اور ان کو تخلیق کر کے وجود عطا کرتا ہے۔ خدا رازق ہے اور تمام مخلوقات کو روزی دیتا ہے۔ انسان بھی رازق ہے اپنی بیوی بچوں اور والدین کیلئے رزق کو فراہم کرتا ہے۔ خدا عالم، قادر، سمیع، بصیر اور مہربان ہے تو انسان بھی ان صفات کو رکھتا ہے اور خدا نے یہ صفات کچھ حد پر انسان کو عطا کی ہیں۔ خداوند کریم قرآن مجید کی بعض آیات میں تمام انسانوں کو اپنا نائب و خلیفہ قرار دیا ہے اور فرماتا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ﴾ (سورہ انعام:۱۶۵)

"اور اللہ وہ ہے جس نے تمام انسانوں کو زمین پر اپنا نائب، خلیفہ قرار دیا ہے اور بعض کو بعض دوسروں پر برتری اور فضیلت بخشی ہے"۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ نے مقام انسان کی اہمیت کو اور عالم ہستی میں اس کی حیثیت کو بیان کیا ہے تاکہ انسان اپنی قدر و قیمت کو سمجھے کہ تمام عالم ہستی کے سارے مخلوقات پر اس کو فضیلت دی گئی ہے اور اس بات کو جان لے کہ زمین پر خدا کا نمائندہ بنایا گیا ہے اور کائنات کے تمام تر منابع اور مراکز منفعت کو اس کے اختیار میں دیا گیا ہے اور اس کی ساری مخلوقات اور عالم ہستی پر اس کی طرف سے اس کا حکم و فرمان جاری ہوتا ہے۔ اور یہ بات دلیل ہے کہ خداوند متعال نے انسان پر بے انتہا لطف و کرم کیا ہے، زندگی کے سارے وسائل اس کے ہاتھ میں دے دیے ہیں، عقل و شعور، فکر و ہوش اور دیگر جسمانی طاقتیں انسان کو عطا کر دی ہیں اور زمین کو مختلف نعمتوں سے بھر دیا ہے اور ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے طریقے انسان کو تعلیم کر دیے ہیں۔

بہر حال خلیفہ نمائندہ کے معنی میں ہے اور فرشتے زمین پر خدا کی نمائندگی نہیں کر سکتے، فرشتے ہوں یا دیگر مخلوقات خدا کی نمائندگی کی خلعت کو اپنے جسم پر نہیں سجا سکتے، یہ صرف آدم علیہ السلام ہے جو زمین پر خدا کی خلعت نمائندگی کو اپنے بدن پر سجا سکتا ہے۔ چنانچہ بعض دیگر آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافت و جانشینی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ (ص:۲۶)

"اے داؤد علیہ السلام ہم نے تجھے زمین پر خلیفہ قرار دیا ہے پس لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکم اور فیصلے کرو۔"

اس آیت شریفہ میں ایک انسان کو خطاب کیا گیا ہے۔ خدا نے معین شخص کو اپنا خلیفہ قرار دیا ہے اور یہ مطلب دوسری آیات کے ساتھ منافات نہیں رکھتا جو کہ تمام انسانوں کو خلیفہ قرار دے رہی ہیں کیونکہ سارے انسان خدا کی خلافت کی لیاقت و استعداد رکھتے ہیں اور زمین پر خدا کی نمائندگی کر سکتے ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ سے ایک حدیث وارد ہوئی ہے آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ سارے انسان زمین پر خدا کی نمائندگی کر سکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ اگر وہ خصوصی شرائط کو رکھتے ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "جو انسان بھی نیکی کا حکم اور برائی سے روکے وہ زمین پر خدا کا خلیفہ اور کتاب و رسول کا خلیفہ ہے"۔ (میزان الحکمۃ ج:۳ ص:۸۰)

قرآن میں خدا کے چار خلیفے

خداوند کریم نے قرآن مجید میں اس آیت کے علاوہ جو فرمایا ہے کہ تم سب لوگ خدا کے زمین پر جانشین ہو۔ چار دیگر انسانوں کو صراحت و اشارے کے ساتھ خداوند متعال نے اپنا خلیفہ و جانشین قرار دیا ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے اپنے بزرگوں سے اور انہوں نے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ: "میں پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ مدینہ کے ایک راستہ پر چل رہا تھا اچانک ایک شخص بلند قد و قامت اور بڑی ریش مبارک کے ساتھ رسول خداؐ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور آنحضرتؐ پر سلام کیا اور مرحبا کہا۔ پھر اس نے میری طرف رخ کیا اور کہا: سلام ہو تجھ پر اے چوتھے خلیفہ رحمۃ اللہ و برکاتہ! پھر اپنے چہرے کو رسول اللہؐ کی طرف کیا اور کہا: یا رسول اللہ! کیا اس طرح نہیں ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہاں اسی طرح ہے" تو وہ شخص یہ کہہ کر سلام کرتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون شخص تھا جس نے مجھے اس طرح کہا ہے اور آپ نے بھی اس کی تصدیق کر دی ہے؟ تو آنحضرتؐ نے فرمایا: "یا علی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تم اسی طرح ہو کہ جس طرح اس شخص نے کہا

ہے خداوند متعال نے قرآن میں چار خلیفوں کا تذکرہ کیا ہے"۔

(۱) آدم علیہ السلام جس کے متعلق فرمایا ہے: "میں چاہتا ہوں کہ زمین پر اپنا خلیفہ و جانشین قرار دوں"۔ (البقرۃ:۳۰) اور وہ آدم علیہ السلام ابوالبشر خدا کے زمین پر پہلے خلیفہ ہیں۔

(۲) داؤد علیہ السلام جس کے متعلق فرمایا ہے: "اے داؤد علیہ السلام ہم نے تجھے زمین پر اپنا خلیفہ و جانشین بنایا ہے پس لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکم کرو"۔ (سورہ ص:۲۶) داؤد علیہ السلام دوسرا خدا کا خلیفہ ہے۔

(۳) ہارون علیہ السلام خدا نے قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کے قول کو نقل کیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھائی ہارون علیہ السلام کو کہا تھا: "اے ہارون علیہ السلام میری قوم میں میرے خلیفہ و جانشین بن کر رہو اور ان کی اصلاح کرو اور فساد و بربادی کرنے والوں سے نہ ہو جانا" ہارون تیسرا خدا کا خلیفہ ہے۔

(۴) اور چوتھا خلیفہ اے علی علیہ السلام تم ہو! خدا فرماتا ہے: ﴿وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ﴾ (سورہ توبہ:۳) اے علی علیہ السلام خدا اور اس کے رسول کی طرف سے مبلغ خلیفہ، وصی، وزیر، میرے دین کو پہنچانے والا اور بمنزلہ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے تم ہو۔ پس تم خدا کے چوتھے خلیفہ ہو، جس طرح کہ اس بوڑھے شخص نے سلام کیا اور کہا: اے چوتھے خلیفہ تم پر سلام ہو۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا: "اے علی علیہ السلام اس کو پہچانا تھا" میں نے عرض کیا: "اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں" تو آنحضرتؐ نے فرمایا "وہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے"۔ (نور الثقلین، ج:۱، ص:۴۸)

رُوئے زمین پر انسان کی خلافت

اس جگہ پر ایک دلچسپ بحث ہے جس پر توجہ دینی ضروری ہے قرآن مجید نے تکرار کے ساتھ انسان کو زمین پر بحیثیت اپنا خلیفہ و جانشین متعارف کروایا ہے تو جہاں یہ تعبیر انسان کے مقام عالی کو روشن کر رہی ہے اس حقیقت کو بھی بیان کر رہی ہے کہ انسان کے تمام مالوں اور رزقوں، طاقتوں اور نعمتوں کا اصلی مالک خداوند متعال ہے لیکن صرف ایک انسان ہے جس کو ان تمام چیزوں میں اس کی طرف سے

تصرف کرنے کی اجازت اور اذن ہے اور یہ ظاہری بات ہے کہ ہر نمائندہ تصرفات میں آزاد نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے تمام تر تصرفات اصلی مالک کے اذن و اجازت کے تابع ہوتے ہیں۔ اس بات سے روشن ہو جاتا ہے کہ مثلاً مسئلہ مالکیت میں اسلام کمیونزم کے نظریات سے بھی دور ہے اور کیپٹل ازم یعنی سرمایہ داری کے نظریات سے بھی دور ہے۔

پہلے نظریہ رکھنے والے معاشرہ کی مالکیت کے قائل ہیں اور دوسرا نظریہ رکھنے والے انفرادی مالکیت کے قائل ہیں لیکن اسلام کہتا ہے کہ مالکیت نہ معاشرتی ہے نہ انفرادی ہے بلکہ حقیقت میں مالکیت خدا کی ہے اور انسان اس کے نمائندہ اور وکیل ہیں۔ اسی اسلامی دلیل کی بنیاد پر اسلام لوگوں کی درآمدات پر بھی نظارت رکھتا ہے کہ لوگ کس راستے سے مال و ثروت کو حاصل کر رہے ہیں مثلاً رشوت، جوا، چوری، حیلہ گری سے یا حلال کے راستے سے کسب و تجارت کر کے حاصل کر رہے ہیں اور اسی طرح اسلام مال و دولت کے تصرف پر بھی نظارت رکھتا ہے کہ آمدنیوں کو کس راہ پر خرچ کر رہے ہیں، کیا حرام پر مثلاً جوئے پر، عیاشی و شطرنج پر یا فتنہ و فساد اور بے شرمی و بے حیائی کے مراکز پر یا شراب خانوں پر خرچ کر رہے ہیں یا حلال پر مثلاً راہ خدا میں انفاق کرنا، پل بنانا، حمام و مدرسہ بنانا، قرآن و اسلام کی ترویج کے عمومی مراکز بنانا، یتیموں اور بے سہارا لوگوں کی سرپرستی کرنے پر خرچ کرنا وغیرہ۔ اسلام آمدنیوں اور ان کے مصرف کیلئے مخصوص شرائط رکھتا ہے۔ اسلام اقتصاد کو دوسرے مکاتب فکر کے مقابلے میں مخصوص و مشخص مکتب فکر قرار دیتا ہے۔

فرشتوں کا اعتراض

جب خداوند متعال نے فرشتوں کے سامنے یہ اعلان کیا کہ میں ارادہ رکھتا ہوں کہ زمین پر اپنا خلیفہ و جانشین قرار دوں تو فرشتوں کا اعتراض بلند ہوا:

﴿قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾ (سورہ البقرہ ۳۰)

"تو فرشتوں نے کہا: (اے پروردگار!) کیا ایسوں کو اپنا نمائندہ اور جانشین زمین پر بنانا چاہتا

ہے جو زمین پر فساد پھیلائیں گے اور خون ریزی کریں گے (اگر مراد تیری حمد و تسبیح ہے) تو ہم تیری حمد و تسبیح بجا لانے والے اور طہارت و تقدیس بیان کرنے والے موجود ہیں“۔

اس بات میں شک نہیں ہے کہ فرشتے جانتے تھے کہ انسان شر و فساد، خون ریزی، خیانت، جنایت اور سرکشی کرنے والا ہے اور اپنے جیسے دوسرے انسانوں کیلئے مشکلات پیدا کرنے والا اور ان کے ساتھ جھگڑا اور جنگ و جدال کرنے والا ہے لیکن بحث اس میں ہے کہ فرشتوں کو کہاں سے پتہ چلا کہ آدم علیہ السلام مفسد اور خون ریز ہے؟ چند اقوال ذکر ہوئے ہیں، ہم ان اقوال کو ذکر کرتے ہیں تا کہ مطلوب نتیجہ حاصل ہو سکے۔

(۱) پہلا قول: بعض بزرگ علماء کا کہنا ہے کہ خداوند کریم نے آنے والے انسان کے بارے میں فرشتوں کے سامنے اجمالی طور پر وضاحت کی تھی لہٰذا فرشتوں نے اس لحاظ سے اطلاع حاصل کی تھی۔

(۲) دوسرا قول: بعض دوسرے علماء عقیدہ رکھتے ہیں کہ فرشتوں نے اس مطلب کو درک کیا ہوا تھا کیونکہ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ انسان مٹی و مادہ سے خلق ہو رہا ہے اور مادہ اپنے اندر محدودیت رکھتا ہے لہٰذا انسان ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑا کریں گے اور ایک دوسرے کیلئے مشکلات کا سبب بنیں گے اور جنگ و جدال، خون ریزی کریں گے۔

(۳) تیسرا قول: بعض دوسرے علماء کا ایک گروہ یہ نظریہ رکھتا ہے کہ فرشتوں کی پیشین گوئی کا سبب یہ تھا کہ آدم علیہ السلام روئے زمین پر خدا کی پہلی مخلوق نہ تھی بلکہ آدم علیہ السلام سے پہلے بھی دوسری مخلوقات زمین پر موجود تھیں جو فساد اور خون ریزی کرتی تھیں اور برے اعمال انجام دیتی تھی، یہ بات سبب بن گئی کہ فرشتوں نے نسل آدم علیہ السلام کے بارے میں بدگمانی کی ہے اور ان کے بارے میں فساد و خون ریزی کی پیشین گوئی کی ہے۔ اور آدم علیہ السلام روئے زمین کی پہلی مخلوق نہیں اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ روایات بتلاتی ہیں کہ آدم علیہ السلام سے پہلے دو گروہ جن و نسناس کے ناموں کے ساتھ زمین کے اوپر زندگی گزار رہے تھے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جب خدا نے آدم علیہ السلام کو خلق کرنے کا ارادہ کیا تو آسمانی طبقوں اور پردوں کو درمیان سے ہٹا دیا اور فرشتوں سے کہا: زمین کی طرف نگاہ کرو اور میری مخلوقات میں سے جنوں اور نسناس کو ملاحظہ کرو۔" جب فرشتوں نے دیکھا تو جنوں اور نسناس کا ایک گروہ زمین پر معصیت، فساد و خون ریزی میں مشغول تھا تو یہ حالت اُن پر بہت گراں گزری۔ بے سکونی پیدا ہوئی اور غصہ کیا اور اہل زمین پر افسوس کیا اور عرض کیا: پروردگار! تو بزرگ، غالب، عظیم الشان، صاحب قدرت و اختیار، جبار، متکبر اور یہ مخلوق ضعیف و کمزور، متوکل و خوار تیرے اختیار میں ہے اور اپنی طرف سے کوئی ارادہ و اختیار نہیں رکھتی اور ان کی زندگی تیرے رزق و روزی سے وابستہ ہے پھر بھی اس نے تجھے نہیں پہچانا اور تیری معصیت کر رہی ہے اور بڑے بڑے گناہوں کی مرتکب ہو رہی ہے لیکن تو نہ اس پر غضبناک ہوا اور نہ ہی تو انتقام لے رہا ہے جب کہ ان کی معصیت اور گناہ کرنا ہمیں بہت بھاری اور سنگین نظر آ رہا ہے اور ہم اپنے غضب و غصہ کو ٹھنڈا نہیں کر پا رہے۔ تو اس موقع پر خداوند کریم نے اُن کے جواب میں فرمایا: "میں چاہتا ہوں کہ زمین پر میں اپنا خلیفہ و جانشین بناؤں تاکہ مخلوق پر میری طرف سے حجت بن جائے" تو فرشتوں نے تعجب کے ساتھ کہا: "کیا زمین پر ایسے کو خلیفہ قرار دے گا جو زمین پر فساد پھیلائے اور خون ریزی کرے اور ایک دوسرے کا خون بہائیں، پروردگار اگر چاہتا ہے کہ زمین پر جانشین مقرر کرے تو ہم کو اپنا جانشین بنا دے"۔ کیونکہ ہم نہ فساد کرنے والے ہیں نہ خون ریزی و جنایت کاری اور نہ خیانت کاری کرنے والے ہیں اور نہ دوسروں کے لئے مشکلات کو پیدا کرنے والے ہیں بلکہ دائمی طور پر تیری عبادت اور حمد کرنے کے ساتھ تیری تسبیح و تقدیس کریں گے اور تیری اطاعت و عبادت میں مشغول رہیں گے۔ (نور الثقلین ج:۱ص:۵۱ حدیث:۸۰ علل الشرائع)

ہاں! فرشتے اس بات کو نہیں جانتے تھے کہ اُن کی بندگی و عبادت جس کیلئے وہ پیدا کئے گئے ہیں، انسان کی بندگی و عبادت سے بہت زیادہ فرق رکھتی ہے کیونکہ یہ انسان نفسانی خواہشات، شہوتوں، اُمیدوں، آرزوؤں کے ساتھ سر سے پاؤں تک پھنسا ہوا ہے اور وسوسوں نے اس کا گھیراؤ کیا ہوا ہے۔

چنانچہ اگر انسان ان تمام خواہشات کو پس پشت ڈال دے اور شہوتوں و آرزوؤں کے دامن کو توڑ دے اور شیطان کے دھوکہ میں نہ آئے اور اپنے خدا کے سامنے جھک جائے اور اس کی بارگاہ اقدس میں خاضع و خاشع ہو کر اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دے تو اُس کا مقام فرشتوں سے بھی برتر و بالاتر ہو جائے گا اور قَابَ قَوْسَیْنِ کی منزل تک پہنچ جائے گا اور عرش و فرش کو اپنے پاؤں کے نیچے کر لے گا اور وحیِ خدا کا فرشتہ (جبرئیلؑ) یہ کہے گا کہ: "اب آپ خود آگے بڑھیں میں آگے نہیں بڑھ سکتا اگر بر انگشت کے برابر بھی آگے بڑھوں گا تو جل کر خاکستر ہو جاؤں گا" لیکن انسان اس منزل پر پہنچ سکتا ہے جس سے سوائے خدا کے کسی کو نہ دیکھے۔ فرشتے اس بات کو نہیں جانتے تھے کہ آدم علیہ السلام کی نسل میں بڑے بڑے انبیاء نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور محمد بن عبد اللہ جیسے آنے والے ہیں سراپا تقویٰ و اخلاص پیشوا اور صالح بندے عالم ہستی میں قدم رکھنے والے ہیں اور ایسے علم و دانش کے دانشور اور متفکر نسل آدم علیہ السلام میں آنے والے ہیں کہ جن کا ایک گھنٹہ غور و فکر کرنا فرشتوں کی سالوں کی عبادت اور دوسرے افراد کی ستر (۷۰) سال کی عبادت کے برابر ہوگا۔

بہر صورت فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے متعلق غلط اطلاع کی وجہ سے آدم علیہ السلام کی خلقت و پیدائش پر حرف اعتراض بلند کیا اور خدا کی خلافت و جانشینی کی خواہش ظاہر کی اور اپنی مشکل کو خدا کی بارگاہ میں پیش کیا اور اس کا سبب دریافت کیا۔ خداوند کریم نے فقط ایک سربستہ جملہ ان کے جواب میں کہا اور فرمایا: "اے فرشتو! میں (بشر کی خلقت کے رموز و اسرار) جانتا ہوں تم نہیں جانتے ہو"۔ (سورۂ البقرہ: ۳۰)۔ فی الحال سکون و اطمینان سے رہو اس کی وجہ تمہیں بعد میں معلوم ہو جائے گی۔ یہ مطلب قابل غور و فکر ہے خدا نے فرشتوں کے جواب میں نہیں فرمایا کہ تم شک و شبہ میں ہو انسان فساد اور خون ریزی نہیں کرے گا بلکہ ان کے جواب میں فرمایا: "صبر کرو یہاں تک کہ مطلب تمہارے اُوپر آہستہ آہستہ واضح ہو جائے" شاید اشارہ اس بات کی طرف ہو کہ میں جانتا ہوں کہ تمہارے درمیان ایک ایسا بھی ہے جو حقیقت میں کافر ہے اور تم اس کو نہیں جانتے ہو اور وہ شیطان ہے۔

بہر صورت خداوند متعال کا فرمانا کہ میں زمین پر خلیفہ و جانشین مقرر کرنے والا ہوں دو پہلو

رکھتا ہے: (۱) ایک پہلو تو یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ انسان کو گزر جانے والوں کا خلیفہ و جانشین قرار دوں۔ اور (۲) دوسرا پہلو یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ انسان کو اپنا نمائندہ بناؤں اور میں جو کچھ زمین پر انجام دینا چاہتا ہوں وہ میری خلافت و وکالت میں اُس کے ہاتھوں انجام پائے۔

فرشتے توبہ کرتے ہیں

جب ملائکہ نے تخلیق آدم علیہ السلام پر اعتراض کیا اور اپنے آپ کو آدم علیہ السلام سے بہتر سمجھا اور کہا: "خداوندا ہم کو اپنا خلیفہ قرار دے کیونکہ ہم بھی تیری عبادت کرتے ہیں اور خون ریزی نہیں کریں گے" خدا نے اُن کو جواب دیا اور فرمایا: "میں جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتے ہو" تو فرشتوں نے محسوس کیا کہ ہم خدا کے غضب و غصہ کا سبب بنے ہیں اور وہ نور جو ملائکہ کے لئے ظاہر ہوتا تھا وہ ظاہر ہونا بند ہو گیا، اس کے بعد انہوں نے اس نور کا مشاہدہ نہ کیا تو فرشتوں نے سمجھا کہ اُن کا اعتراض غلط تھا۔ سات ہزار سال عرش کے نیچے پناہ میں رہ کر خداوند کریم سے طلب مغفرت کرتے رہے اور خدا سے چاہتے رہے کہ اُن کی خطا سے درگزر کرے اور عرش کے اردگرد طواف کرنے میں مشغول ہو گئے، یہاں تک کہ خداوند متعال نے اُن کی توبہ کو قبول کیا اور پھر نورِ خداوندی پردہ کے اُن کے اوپر ظاہر ہونے لگا۔

جب فرشتوں کی توبہ قبول ہو گئی تو خدا نے ان کی طواف عرش کی صورت میں عبادت کو بہت زیادہ پسند کیا اور چاہنے لگا کہ اس کی عبادت طواف کی صورت میں کی جائے۔ حکم دیا تو فرشتوں نے چوتھے آسمان پر عرش کے برابر میں عزاح کے نام کے ساتھ ایک بیت کو تیار کیا اور پہلے آسمان پر عزاح کے برابر میں بیت المعمور کے نام کا بیت تیار کیا جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہو کر اس کا طواف کرتے ہیں اور روز قیامت تک اسی طرح طواف کرتے رہیں گے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیج دیا گیا تو خداوند متعال نے حکم دیا کہ زمین پر بیت المعمور کی سیدھ میں خانہ کعبہ بنائے تا کہ خطا کار، گنہگار لوگ اس کا طواف کریں اور خدا سے طلب مغفرت کریں تا کہ خدا اُن کی توبہ کو قبول کر کے اُن کو بخش دے۔ (نور الثقلین، ج:۱، ص:۴۹، حدیث:۷۲/ حیات القلوب، ج:۱، ص:۳۴)

آدم علیہ السلام فرشتوں کے معلّم

جب خداوند کریم نے آدم علیہ السلام کو خلق کر دیا اور اس میں اپنی روح کو پھونک چکا تو تمام علم اس کو یاد کروا دیے۔

قرآن اس کے متعلق فرماتا ہے:

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (سورۃ البقرۃ:۳۱)

"(خداوند کریم نے) علم اسماء مکمل طور پر آدم علیہ السلام کو سکھایا (تخلیق کے رموز و اسرار اور موجودات کی نام گزاری) پھر اُن کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو ان موجودات کے نام بتاؤ"۔

اب اس بات کا وقت ہے کہ خدا آدم علیہ السلام کا زیادہ سے زیادہ تعارف بھی کروائے اور خلقت آدم علیہ السلام پر فرشتوں کے اعتراض کا جواب بھی دے لہٰذا آدم علیہ السلام کو علم دیا اور تخلیق کے رموز و اسرار کی تعلیم دی تا کہ ان کے معنوی و مادی رموز سے آگاہ ہو جائے اور تمام موجودات کائنات کو پہچان جائے اور تمام کے ناموں کو سمجھ جائے حتیٰ کہ ان کی خصوصیات کو بھی پہچان لے اور پھر چیزوں کی نام گزاری کی طاقت بھی آدم علیہ السلام کو عطا کی گئی تا کہ چیزوں کی نام گزاری کر سکے اور ضرورت کے وقت ان کے ناموں کے ساتھ ان کو پکار سکے اور دوسروں کو ان کی تعلیم دے سکے۔ اور یہ خلقت آدم علیہ السلام کی نعمت کے بعد بہت بڑی نعمت تھی کہ اب آدم علیہ السلام اپنے شیریں بیان کے ساتھ فرشتوں کو علوم کی تعلیم دے۔

لہٰذا فرشتوں سے پہلے درخواست کی گئی کہ اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو ان موجودات اور چیزوں کے نام بتاؤ جن کا تم مشاہدہ کر رہے ہو۔ ان کے اسرار و رموز اور ان کی وجہ کو بتلائیں تو فرشتے اس آزمائش کے مقابلے میں تسلیم محض کی منزل پر تھے لہٰذا انہوں نے جواب دیا: "اے ہمارے پروردگار! تو پاک و پاکیزہ ذات ہے ہم نہیں جانتے مگر وہ کچھ جتنا تو نے ہم کو تعلیم دیا ہے یہ وہ منزل ہے کہ آدم علیہ السلام فرشتوں کے معلّم قرار پائیں اور اُن کے سامنے موجودات کے اسماء کی تشریح کریں اور

اُن کے اسرار و رموز کو بیان کریں اور ملائکہ کو اُن سے آگاہ کرے لہٰذا آدم علیہ السلام سے خطاب کیا اور فرمایا:

﴿یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِۙ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۳۳)

"اے آدم علیہ السلام! ان کو موجودات کے بارے میں آگاہ کرو (ان کے نام و رموز) جب آدم علیہ السلام نے ان کو آگاہ کیا خدا نے فرمایا: اے فرشتو! کیا میں نے تمہیں کہا میں آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہوں اور جس کو تم آشکار کرتے ہو اور جس کو تم چھپاتے ہو میں اس سے آگاہ ہوں"۔

جب حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو چیزوں کے ناموں کی تعلیم دی اور ان کے سامنے بیان کر چکے تو فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے وسیع معلومات اور وفور علم کے سامنے جھک گئے تو انہوں نے سمجھ لیا کہ آدم علیہ السلام اس علم و دانش کے ساتھ زمین کی سرپرستی اور خلافت کی لیاقت و صلاحیت رکھتا ہے۔ پس اس حقیقت کے روشن اور علم آدم علیہ السلام کے ثابت ہونے اور آدم علیہ السلام سے فرشتوں کی تعلیم کے بعد خدا نے فرشتوں سے خطاب کیا اور فرمایا: "کیا میں نے تمہیں کہا تھا کہ آسمانوں اور زمین کے اسرار و رموز میرے اختیار میں ہیں یہ میں نے آدم علیہ السلام کو خلق کیا، زمین کی سرپرستی اور حکومت کی استعداد اس کو عطا کی ہے اور زمین کی آبادی اور اصلاح اس کے ہاتھوں میں سپرد کر دی ہے اور میں جانتا ہوں کہ آدم علیہ السلام زمین کی خلافت و حکومت کی استعداد اور ملکہ رکھتا ہے۔

چنانچہ جب آدم علیہ السلام فرشتوں کو اسماء کی تعلیم دے چکے اور انہوں نے یاد کر لیے اور پہچان لیے تو خداوند کریم نے فرشتوں سے عہد و پیمان لیا کہ آدم علیہ السلام (اور اس کی اولاد) پر ایمان لے آؤ اور ان کو اپنے اوپر بلند و بالا اور افضل تسلیم کرو۔

اشعار

کیست آدمؑ؟ دیدۂ بینا بُوَد　　جامع مجموعۂ اسما بُوَد

جامع مجموع اسماء آدمؑ است　　لاجرم او روح جملہ عالم است

مخزن اسرارِ سبحانی است او　　مطلعِ انوارِ ربانی است او

کونِ جامع نزد ما انسان بُوَد　　ور نباشد این چنین حیوان بُوَد

جامع انسانِ کامل را بخوان　　معنی مجموع قرآن را بدان

ہرچہ باشد از حدوث و از قدیم　　جمع دارد در وجود و در عدم

اسم اعظم کارساز ذات او است　　عقل کل یک نقطہ از آیات اوست

اسم اعظم می نماید صورتش　　این معما می گشاید صورتش

صورتش آئینۂ گیتی نما است　　معنی او پردہ دار کبریا است

ظلِّ ثانی نام او عالم بُوَد　　جان عالم حضرت آدمؑ بُوَد

کون ہے آدم؟ جو صاحب بصیرت تھا　　تمام اسما کا مجموعہ تھا

تمام مجموعہ اسما کا جامع آدم ہے　　اور لامحالہ تمام عالم کی روح ہے

آدم تمام اسرار سبحانی کا مخزن تھا　　اور آدم تمام انوار ربانی کے طلوع کا مرکز ہے

تمام اسما کا جامع ہونا ہمارے نزدیک انسان ہے　　اور اگر اس طرح نہ ہوتا حیوان ہوتا

جامع اسما کو انسان کامل کہو　　اور کامل قرآن کے معنی کو سمجھو

جو کچھ بھی حادث و قدیم سے ہوگا　　تو وہ وجود و عدم میں جمع ہوگا

اسم اعظم اور کارساز اس کی ذات ہے　　عقل کل اس کی آیات سے ایک آیت ہے

اسم اس کی صورت سے ظاہر ہوتا ہے　　یہ معمہ اس کی صورت سے ہی حل ہوتا ہے

اس کی صورت جہان کو دکھاتی ہے　　اس کا معنی کبریائی حجاب ہے

اس کا نام عالم ہستی میں ظل ثانی کہلائے　　اور عالم ہستی کی روح آدم کہلائے

آدم ؑ کی فرشتوں کو تعلیم دی ہوئی چیزیں

اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ چیزیں جو خدا نے آدم ؑ کو تعلیم دی تھیں اور آدم ؑ نے بعد میں فرشتوں کو تعلیم دی تھیں وہ کیا تھیں؟ مفسرین کے درمیان مختلف اقوال اور نظریات پائے جاتے ہیں:۔

(۱) بعض نے کہا ہے کہ اسماء سے مراد خدا تمام چیزوں کے نام اور حضرت محمد ؐ، علی ؑ، فاطمہ سلام اللہ علیہا، حسن ؑ، حسین ؑ اور باقی ائمہ مہدی (عج) علیہم السلام کے نام اور بزرگ و برگزیدہ شخصیات کے نام اور شیعوں کے نام اور ان کے دشمنوں اور گنہگاروں کے نام تھے۔ ان کے اشباح کو (تصویریں) جب کہ عالم ارواح میں نوری صورت میں تھے فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرشتوں نے جواب میں اپنی بے خبری کا اقرار کیا۔

(۲) دوسرا گروہ کہتا ہے کہ آدم ؑ کو خداوند کریم نے ان تمام چیزوں کی تعلیم دے دی کہ جن چیزوں کی احتیاج روز قیامت تک اولاد آدم ؑ کو ہوگی اور آدم ؑ نے ملائکہ کو تعلیم دی۔

(۳) بعض دوسرے کہتے ہیں تمام زبانیں جو کہ آج دنیا میں رائج ہیں حضرت آدم ؑ کو تعلیم دی گئیں اور آدم ؑ کی اولاد نے اپنی اپنی زبان کو آدم ؑ سے یاد کیا ہے اور جب ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تو ہر ایک نے اس زبان کو اختیار کیا جسے وہ پسند کرتا تھا اس زبان سے گفتگو کرنے لگا اور زمانے کے گزرنے سے باقی زبانوں کو بھلا دیا۔

(۴) ایک دوسرا گروہ کہتا ہے: تعلیم اسماء سے چیزوں کی حقیقتیں اُن کی خصوصیات اور کیفیات صنعت گری معدنیات کا نکالنا، زمین کی آبادکاری، کھانوں کا پکانا، دواؤں کا تیار کرنا اور پھر دین و دنیا کی تمام تعمیر و ترقی و زندگی کی ضروریات کا فراہم کرنا مراد ہے۔

(۵) ایک اور گروہ کہتا ہے: کیونکہ ملائکہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہم میں سے ہر ایک خدا کی تسبیح و تہلیل کرنے والا ہے اور کوئی ایسا نہیں ہے جو فساد پھیلانے والا اور نافرمانی کرنے والا ہو اور اپنے خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرے اور یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ آدم ؑ اور اس کی اولاد فساد پھیلانے والے

ہیں، پس خدا نے اولادِ آدم ؑ میں سے مؤمنین، عابدین کے اور بزرگ شخصیات کے نام آدم ؑ کو تعلیم دیئے تھے۔ پھر انبیاء علیہم السلام اور اوصیاء کے انوارِ مقدسہ کو ملائکہ کے سامنے پیش کیا اور ان کے ناموں کو پوچھا تو فرشتوں نے جواب میں اپنی بے خبری کا اقرار کیا تو اس وقت خدا نے آدم ؑ کو فرشتوں کا معلم بنا دیا تا کہ دنیا کی چیزوں کے ناموں کی فرشتوں کو تعلیم دے۔ جب حضرت آدم ؑ نے فرشتوں کو تعلیم دی تو انہوں نے سمجھ لیا کہ اولادِ آدم ؑ میں سے ایک ایسا گروہ موجود ہے جو فرشتوں سے بڑھ کر زمین کی خلافت و حکومت کا حق رکھتا ہے۔ اس طریقے سے خدا نے فرشتوں پر دو طرح کی حجت تمام کر دی:

(۱) ایک تو یہ ہے کہ فرشتے سمجھ رہے تھے کہ سارے انسان مفسد اور خون بہانے والے ہیں۔ جب حضرت آدم ؑ نے اُن کے سامنے پیغمبروں علیہم السلام کے نام اُن کے صفات و خصوصیات کو بیان کر دیا تو ملائکہ پر ثابت ہو گیا کہ آدم ؑ کی اولاد میں سے ایک ایسا گروہ بھی پیدا ہو گا جو مفسد اور خون ریز نہیں ہو گا اور خدا کی خلافت و جانشینی کا اُن سے زیادہ حق رکھتا ہو گا۔

(۲) اور دوسری یہ ہے کہ کیونکہ فرشتے یہ فکر کرتے ہیں کہ ہم خدا کے مطیع اور فرمانبردار ہیں اور خدا کی خلافت کے زیادہ حق دار ہیں اور کہتے تھے کہ ہم سب خدا کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں تو جب آدم ؑ کی تخلیق ہو گئی اور فرشتوں کو آدم ؑ کے سجدے کا حکم دیا تو اُن کو معلوم ہو گیا کہ جس طرح ہم فکر کر رہے ہیں اس طرح نہیں ہے بلکہ اُن کے درمیان ایک ایسا بھی ہو گا جو ظاہری طور پر سجدے کرنے والا ہو گا مگر باطنی طور پر کافر اور نافرمانِ خدا ہو گا۔ جس طرح کہ شیطان ہے جس کے متعلق فرشتے آگاہ نہیں تھے لیکن خدا جان رہا تھا اور اس پر یہ بات روشن ہو گئی کہ وہ زمین پر خدا کی خلافت و جانشینی کی لیاقت و صلاحیت نہیں رکھتا۔ (حیات القلوب، ج:۱، ص:۳۲/ بحار الانوار، ج:۱۱، ص:۱۱۷)

جنابِ حوا کی خلقت

جب ہم نے آدم ؑ کی پیدائش و خلقت کو بیان کیا ہے تو پھر ضروری ہے کہ زوجۂ آدم ؑ جنابِ حوا کی خلقت کو بھی بیان کریں جو کہ تمام آدمیوں کی جدّہ محترمہ ہیں کہ کیا اُن کی خلقت آدم

(ع) سے پہلے ہوئی یا اُن کے بعد ہوئی ہے اور کس چیز سے خلق کی گئی ہیں اور اس کی پہلی خلقت کس طرح ہوئی ہے؟ تو اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ جناب حوا کی خلقت حضرت آدم (ع) کی خلقت کے بعد ہوئی ہے لیکن اس کی خلقت کس چیز سے اور کہاں پر ہوئی ہے؟ قرآن اس کے متعلق فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾ (سورۂ نساء:۱)

"اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک انسان سے خلق کیا ہے اور اس کی زوجہ کو اس کی جنس سے خلق کیا ہے اور پھر اُن دونوں سے مردوں اور عورتوں کو (زمین کے مختلف خطوں کی طرف) منتشر کر دیا"۔

ایک دوسری آیت میں فرماتا ہے:

﴿خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ (سورۂ زمر:۶)

"خداوند متعال انسان کی پہلی خلقت کے متعلق فرماتا ہے کہ تمام انسان کو نفس واحد سے خلق کیا ہے (اور وہ نفس واحد جناب آدم (ع) ہیں) اور اس کے بعد فرماتا ہے ہم نے اس کی زوجہ کو اس سے ہی خلق کیا ہے"۔

بہرصورت قرآن کی آیات بیان کرتی ہیں کہ:

"آدم (ع) کی زوجہ آدم (ع) ہی سے خلق ہوئی ہے۔ اس موضوع کے متعلق دو قول نقل ہوئے ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ زوجۂ آدم (ع) کو خود آدم (ع) ہی سے خلق کیا گیا ہے۔ حضرت علی (ع) سے نقل ہوا ہے کہ حوا (آدمیوں کی ماں) کو حضرت آدم (ع) کے بائیں پہلو کی پسلی سے خلق کیا گیا ہے (جب کہ آدم (ع) نیند کے عالم میں تھے) اور جہاں سے حوا خلق ہوئی ہیں وہاں پر دوبارہ گوشت آگیا (اور وہ حصہ مکمل ہو گیا)"۔ (بحار الانوار، ج: ۱۱، ص: ۱۱۶)

اور حضرت امام صادق (ع) سے نقل ہوا ہے کہ:

"خداوند کریم نے حضرت آدم (ع) کو مٹی اور پانی سے خلق کیا ہے اور اولاد آدم (ع) کی

اصلیت تعمیر و تحصیل کے حوالے سے مٹی اور پانی ہے اور حوا کو (زوجۂ آدم ؑ) آدم ؑ سے خلق کیا ہے لہٰذا عورتوں کی اصلیت در حقیقت مردوں سے ہے پس ان کی حفاظت کرو اور اپنے گھروں میں ہی ان کو سنبھال کر رکھو"۔ (بحار الانوار ج: ۱۱ ص: ۱۱۶)

﴿عورتوں کو گھروں میں سنبھال کر رکھنے کا مطلب ان کو قید کرنا نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ باہر کے کام مرد کریں اور گھر کے کام عورتیں کریں۔﴾

نیز آنحضرتؐ سے نقل ہوا ہے کہ:

مَرْئَۃ (عورت) کو مَرْئَۃ کا نام دیا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مرئۃ کو مرءُ (مرد) سے بنایا گیا ہے۔ (بحار الانوار ج: ۱۱ ص: ۱۰۹) اور نیز آنحضرتؐ نے فرمایا حوا کو حوا کا نام دیا گیا ہے کیونکہ حَیٌّ سے خلق ہوئی ہے (یعنی حوا حَیٌّ سے خلق ہوئی کا مطلب حوا زندہ سے خلق ہوئی ہے)۔ جس طرح کہ خدا فرماتا ہے: ﴿وَ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا۔﴾ (بحار الانوار ج: ۱۱ ص: ۹۹)۔ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا: "عورت ٹیڑھی ہڈی (پسلی) سے خلق ہوئی ہے اگر اس کو سیدھا کرنا چاہو تو ٹوٹ جائے گی اور اگر اس کی خاطر مدارت کرو گے تو اس سے منفعت حاصل کرو گے"۔ (بحار الانوار ج: ۹۹ ص: ۳۰۶)۔

یزید بن سلام نے حضرت رسول خداؐ سے سوال کیا کہ حضرت آدم ؑ کے بارے میں مجھے بتلائیں کہ کیا آدم ؑ حوا سے خلق ہوا ہے یا حوا آدم ؑ سے خلق ہوئی ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: "حوا آدم ؑ سے خلق ہوئی ہے اور اگر آدم ؑ حوا سے خلق ہوتا تو طلاق عورتوں کے ہاتھ میں ہوتی" عرض کیا: تو کیا آدم ؑ کے بعض اعضاء سے خلق ہوئی ہے یا مکمل طور پر اعضاء و جوارح سے خلق ہوئی ہے؟ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا: "آدم ؑ کے بعض حصہ اعضاء سے خلق ہوئی ہے کیونکہ اگر مکمل آدم ؑ سے خلق ہوتی تو عورتوں کا قصاص بھی مردوں کے قصاص کی طرح ہوتا اگر عورت مرد کو قتل کر دیتی تو عورت کو قصاص کے طور پر قتل کیا جاتا لیکن اگر مرد عورت کو قتل کر دیتا ہے تو مرد کو عورت کے قصاص میں قتل نہیں کیا جاتا بلکہ عورت اپنی طرف سے خون مرد کی آدھی دیت کو ادا کر کے اس کا قصاص لے سکتی ہے"۔ عرض کیا: حوا ظاہر آدم ؑ سے خلق ہوئی ہے یا باطن آدم ؑ سے؟

آنحضرتؑ نے فرمایا: "آدمؑ کے باطن سے۔ کیونکہ اگر آدمؑ کے ظاہر سے خلق ہوتی تو عورتیں بھی مردوں کی طرح پردہ و حجاب کے بغیر ہوتیں (البتہ بدن کے ظاہر کا چھپانا ہی حجاب کہلاتا ہے)"۔ عرض کیا: آدمؑ کے دائیں پہلو سے خلق ہوئی ہے یا بائیں پہلو سے؟ آنحضرتؑ نے فرمایا: "اس کے بائیں پہلو سے، اگر دائیں پہلو سے خلق ہوتی تو عورتیں بھی مردوں کی طرح میراث لیتیں اور ان کا حصہ بھی مردوں کے حصے کے برابر ہوتا (تو چونکہ بائیں پہلو سے خلق ہوئی ہے) لہذا عورتیں ایک حصہ اور مرد دو حصے لیتے ہیں (اور عورتوں کی گواہی بھی مردوں کی گواہی کے برابر ہوتی) مگر دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے"۔ عرض کیا: آدمؑ کے کس حصہ سے خلق ہوئی ہے؟ فرمایا: "آدمؑ کے بائیں پہلو کی بچی ہوئی مٹی سے خلق ہوئی ہے"۔ عرض کیا: اے بیٹے! آپ نے صحیح فرمایا ہے۔ (حیات القلوب، ج۱، ص: ۳۷)

یہ روایت قابل اعتماد نہیں ہے کیونکہ یہ روایت نظریہ توریت کے مطابق ہے اور اہل سنت والجماعت کے علماء نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے اور شاید اس کو تقیہ پر محمول کیا گیا ہے کیونکہ معتبر روایات اس روایت کو رد کر رہی ہیں۔

عمرو بن ابی المقدام سے نقل ہوا ہے:

"وہ کہتا ہے میرے باپ نے امام محمد باقرؑ سے پوچھا: "خداوند متعال نے حوا کو کس چیز سے خلق کیا ہے؟ فرمایا: "لوگ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟" عرض کیا: "لوگ کہتے ہیں خدا نے حوا کو آدمؑ کے بائیں پہلو کی پسلی سے خلق کیا ہے۔" آنحضرتؑ نے فرمایا: "جھوٹ بولتے ہیں کیا خدا اس بات سے عاجز تھا کہ پسلی کے علاوہ سے خلق کرتا؟" عرض کیا: "یا ابن رسول اللہ! تو پھر حوا کس چیز سے خلق ہوئی ہے؟" فرمایا: "میرے باپ نے اپنے آباؤ سے خبر دی ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا: خداوند کریم نے مٹی کی ایک مٹھی لی اور اس کو پانی کے ساتھ مخلوط کیا اور آدمؑ کو اس سے خلق کیا اور کچھ مٹی کی مقدار بچ گئی حوا کو اس بچی ہوئی مٹی سے خلق کیا ہے"۔ (بحارالانوار، ج۱۱، ص:۱۱۶)

ایک دوسری حدیث حضرت زرارہ سے نقل ہوئی ہے:

"وہ کہتا ہے حضرت امام صادقؑ سے پوچھا گیا کہ خلقت حوا کس طرح ہوئی ہے لوگوں نے کہا ہے کہ ہمارے پاس کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آدمؑ کی بائیں جانب کی آخری پسلی سے حوا کو خلق کیا ہے" آنحضرت نے فرمایا: خداوند متعال اُن کے عقیدے سے منزہ اور بلند و بالا ہے۔ جو اس طرح کا عقیدہ رکھتا ہے تو کیا اس کا عقیدہ یہ ہوا خدا آدمؑ کی زوجہ کو اس کی پسلی سے ہٹ کر خلق کرنے پر قدرت نہیں رکھتا اور اس کا قائل ہو گیا ہے کہ جسد آدمؑ کے کچھ حصہ نے دوسرے حصہ سے جماع کیا ہے اور حوا اس کی پسلی سے خلق ہوئی ہے۔ کیا سبب ہوا ہے کہ وہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں؟ خدا ہمارے اور اُن کے درمیان فیصلہ کرے۔ اس کے بعد فرمایا خداوند متعال نے حوا کو آدمؑ سے الگ خلق کیا ہے"۔ (حیات القلوب ج:۱،ص:۷۲)

پس صحیح قول یہ ہے کہ خدا نے آدمؑ کی بچی ہوئی مٹی سے حوا کو خلق کیا ہے اور حوا کی خلقت آدمؑ کی خلقت کے بعد ہوئی ہے اور شاید روایات کے درمیان جمع کرنا اس طرح ممکن ہو۔ خدا نے جب آدمؑ کو خلق کر لیا تو آدمؑ کے بائیں پہلو کی مٹی بچ گئی تو اس بچی ہوئی مٹی سے حوا کو خلق کیا ہے۔ یہ قول شاید تمام اقوال میں بہتر قول ہے کیونکہ یہ مضمون روایت کا بزید بن سلام کی روایت کے آخر میں بھی موجود ہے اور عمرو بن ابی المقدار کی روایت میں بھی موجود ہے۔

جناب آدمؑ کا حضرت حوا کے ساتھ شادی کرنا

حضرت آدمؑ کی تنہائی کو دُور کرنے کیلئے خدا نے حوا کو آدمؑ کی بچی ہوئی مٹی سے خلق کیا اور دونوں نے شادی کی۔ اُن کی شادی کا طریقہ یہ قرار پایا کہ خدا نے جب آدمؑ کو خلق کر لیا تو نیند کو آدمؑ پر غالب کر دیا اور حوا کو وجود بخشا اور اس کو آدمؑ کے دونوں پاؤں کے درمیان قرار دیا تا کہ عورتیں مردوں کے تابع رہیں۔ پس حوا حرکت میں آ گئیں، جناب حوا کی حرکت سے آدمؑ بیدار ہو گئے۔ آدمؑ کے بیدار ہونے کے بعد حوا کو ندا آئی کہ آدمؑ سے دُور ہو جاؤ۔ جب حضرت آدمؑ کی نگاہ حوا پر پڑی تو انتہائی خوبصورت زیبا دکھائی دی اور چہرہ وصورت کے اعتبار سے اپنی شباہت نظر آئی لیکن چونکہ عورت ہے تو حضرت آدمؑ نے اس سے بات کی، حوا نے بھی

اس کو جواب دیا۔ آدم علیہ السلام نے اس سے کہا کون ہو؟ تو حوا نے جواب دیا: ایسی مخلوق ہوں جس کو خدا نے وجود عطا کیا ہے۔ جس طرح کہ تم دیکھ رہے ہو تو آدم علیہ السلام نے خدا سے مناجات کی اور کہا اے خدا وندا! یہ خوبصورت مخلوق کون ہے کہ جس کی طرف دیکھنے نے مجھے تنہائی سے باہر کر دیا ہے اور مجھے اس سے الفت و محبت ہو گئی ہے۔

خدا نے فرمایا: "یہ میری کنیز حوا ہے۔ کیا یہ چاہتے ہو کہ تیرے ساتھ رہے اور تیری مونس و غم خوار بن جائے اور تیرے ساتھ بات کرے اور اس کو جو حکم کرو وہ تیرے حکم کی اطاعت کرے؟" آدم علیہ السلام نے جواب میں کہا: "اے پروردگار! جب تک زندہ رہوں گا اس سبب سے تیرا شکر اور حمد کرتا رہوں گا" خطاب ہوا: "اے آدم علیہ السلام اس کو شادی کی دعوت دو اور اپنی طرف کو بلاؤ۔ یہ میری کنیز ہے اور تیری شہوت دور کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسی وقت آدم علیہ السلام کے جسم میں عورتوں کے ساتھ مقاربت کی شہوت کو ودیعت کر دیا۔

جناب حوا کا حق مہر

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا:

"پروردگار! میں تجھ سے اس کی خواستگاری کرتا ہوں لیکن اس عظیم نعمت کے بدلے میں مجھ سے کس چیز پر راضی ہو گا؟" فرمایا: میری رضامندی اس میں ہے کہ تو دینی احکامات اس کو تعلیم دے (لہٰذا اگر کوئی کسی عورت سے عقد کرے اور اس کا حق مہر احکام دینی کا اس کو یاد کرانا ہو تو کوئی حرج نہیں رکھتا عقد صحیح ہو جائے گا) تو آدم علیہ السلام نے کہا: "پروردگار! مجھے قبول ہے اگر تو راضی ہے تو میں اس کو احکام دین کی تعلیم دوں گا" خداوند متعال نے فرمایا: "میں راضی ہوں اور اس کے بدلے میں (تعلیم احکام دین) اس کو میں نے تیرے ساتھ تزویج کر دیا ہے (یعنی اس کا عقد نکاح تیرے ساتھ پڑھ دیا ہے) اس کو دعوت دے اور اپنے پاس بلا لے۔ آدم علیہ السلام نے حوا سے کہا: "میرے پاس آؤ!" حوا نے جواب دیا: "آپ میری طرف آ ئیں!" خداوند کریم نے آدم علیہ السلام سے خطاب کیا کہ: "اٹھو اور اس کے پاس جاؤ" آدم علیہ السلام اٹھے اور اس کے پاس چلے گئے اگر اس کے علاوہ کچھ ہوتا (یعنی حوا آدم علیہ السلام کے پاس

جاتیں) تو پھر خواستگاری عورتوں کی طرف سے مردوں کیلئے ہوتی اور مردوں کی عورتیں خواستگاری کرتیں۔

ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ:

"جب آدم علیہ السلام پر نیند کا غلبہ ہوا اور آدم علیہ السلام نیند کے عالم میں چلے گئے تو خداوند کریم نے خواب کے عالم میں حوا کی صورت آدم علیہ السلام کو دکھلائی۔ جب آدم علیہ السلام نیند سے بیدار ہوئے تو خدا نے خطاب کیا: "اے آدم علیہ السلام یہ کون ہے جو تیرے سامنے بیٹھا ہے؟" کہا: "وہی ہے جس کی صورت نیند میں مجھے دکھلائی ہے اور مجھے اس سے الفت و محبت ہو گئی ہے"۔ (حیات القلوب، ج ۱، ص ۲۸/ بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۲۲۲)

نتیجہ: اس واقعے سے چند نتائج سامنے آتے ہیں:۔

(۱) حضرت حوا کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ہوئی تھی۔

(۲) حضرت آدم علیہ السلام نے جناب حوا کی خدا سے خواستگاری کی تھی۔

(۳) حضرت حوا کا حق مہر احکام دین کی تعلیم دینا تھا (لہٰذا ہمارے فقہاء کرام نے فتویٰ دیا ہے اگر کوئی عقد نکاح سے پہلے عورت سے طے کرے کہ حق مہر کے عوض میں اس کو احکام دین سورۂ حمد یا کوئی دوسرا سورہ تعلیم دوں گا اور وہ اُسے قبول کرے تو عقد نکاح باطل نہیں ہوگا بلکہ عقد نکاح صحیح ہوگا اور تعلیم دین حق مہر کا بدل بن جائے گی)۔

(۴) حضرت حوا کے جائز ہونے کیلئے عقد نکاح حضرت آدم علیہ السلام اور خداوند متعال کے وسیلے سے پڑھا گیا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی بلند پروازی

(جرأت و ہمت کی بلندی) جس بات کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال دیا گیا اور آدم علیہ السلام دنیا میں حیران اور پریشان رہے ہیں یہ تھی کہ آدم علیہ السلام نے بلند پروازی کی ہے اور اپنے آپ کو تمام مخلوقات سے بلند و بالا تصور کرنے لگے۔ اس کے متعلق امام ہشتم علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام

سے روایت نقل ہوئی ہے:

"اباصلت ہروی آنحضرت ؑ کے محضر مبارک میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا ابن رسول اللہ! وہ کون سا شجرہ ممنوعہ تھا کہ خدا نے آدم ؑ کو جس کے پاس جانے سے منع کیا تھا لیکن آدم ؑ وحوا نے اس شجرہ ممنوعہ سے کچھ کھالیا۔ اس شجرہ ممنوعہ کے بارے میں لوگوں کے اندر اختلاف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں گندم شجرہ ممنوعہ تھی اور ایک گروہ کا نظریہ ہے انگور سے روکے گئے تھے اور تیسرا گروہ اس عقیدہ کا ہے کہ وہ شجرہ ممنوعہ حسد تھا اسی وجہ سے جنت سے نکالے گئے" آنحضرت ؑ نے فرمایا: "یہ سارے اقوال صحیح ہیں" عرض کیا: "یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ سارے اقوال صحیح ہوں؟" آنحضرت ؑ نے فرمایا: "اے اباصلت! جنت کا درخت سارے پھل دیتا ہے۔ جنت کے درخت دنیا کے درختوں کی طرح نہیں ہوتے کہ ایک درخت ایک ہی پھل دے۔ جنت میں انگور کا درخت، گندم، سیب، ناشپاتی، کیلا، انار وغیرہ کے تمام پھل رکھتا ہے۔ آنحضرت ؑ نے فرمایا: "اصل واقعہ اس طرح ہے جب خدا نے آدم ؑ کو خلق کیا اور اس کی قدر و منزلت کو بیان کیا تو تمام فرشتوں کو آدم ؑ کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا۔ فرشتوں نے آدم ؑ کو سجدہ کیا تو خدا نے جنت میں اس کو جگہ عطا کی (اور حوا کی شادی حضرت آدم ؑ سے کردی) اور جنت کے تمام پھل آدم ؑ کیلئے مباح قرار دیئے۔ پس آدم ؑ نے بلند پروازی کی اور اس طرح فکر وخیال کرنے لگے کیا خدا نے مجھ سے بڑھ کر کسی کو کوئی فضیلت بخشی ہے؟ خداوند متعال کے دست قدرت سے خلق ہوا ہوں اور اپنی روح میرے اندر پھونکی ہے اور فرشتوں کا مسجود قرار دیا ہوں۔ خداوند متعال اس کے قصد و ارادہ سے باخبر ہو گیا اور آدم ؑ کو خطاب کیا: "اے آدم ؑ! اپنے سر کو اوپر کی طرف بلند کرو اور پائے عرش کی طرف دیکھو" آدم ؑ نے نگاہ کو بلند کیا اور دیکھا کہ اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْطَالِبٍ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ زَوْجَتُهٗ فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ﴾

"کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے محمد اللہ کے رسول ہیں، علی ؑ امیر المومنین ہیں اور ان کی

زوجہ فاطمہ عالمین کی عورتوں کی سردار ہیں، حسن ؑ و حسین ؑ اہل جنت جوانوں کے سردار ہیں"۔

آدم ؑ نے عرض کیا:

"پروردگارا یہ کون ہیں؟ خطاب ہوا: آدم ؑ یہ ہیں تو تیری نسل سے مگر تجھ سے افضل ہیں بلکہ تمام موجودات عالم سے افضل تر ہیں، اگر ان کو خلعت وجود عطا نہ کرنا ہوتا تو تجھے خلق نہ کرتا، جنت و جہنم نہ بناتا، آسمان و زمین کو پیدا نہ کرتا۔ اے آدم ؑ ان کی طرف حسد کی نگاہ سے نہ دیکھنا ورنہ جنت سے نکالے جاؤ گے اور اپنے جوار قرب سے تجھے دور کر دوں گا لیکن آدم ؑ نے اُن پر حسرت بھری نگاہ ڈالی اور ان کے بلندی مقام و منزلت کی آرزو کی۔ یہاں تک کہ شیطان کے جال میں پھنس گئے اور اس نے آدم ؑ کو شجرہ ممنوعہ کے کھانے پر اُبھارا اور حوا نے بھی بلندی منزلت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی آرزو کی اور وہ بھی شیطان کے جال میں پھنس گئیں۔ پس خدا نے دونوں کو جنت سے نکال دیا اور زمین پر بھیج دیا"۔ (بحارالانوار ج ۱۱، ص: ۱۶۴)

شیطان جنت میں کس طرح داخل ہوا

جب شیطان نے حضرت آدم ؑ کو سجدہ نہ کیا اور اپنے خدا کے حکم کی مخالفت کی اور خدا کے مقابلے میں تکبر اور جسارت دکھائی تو اس کو جنت سے نکال دیا گیا اور پھر دوبارہ جنت میں داخل ہوا۔ اس میں کوئی بحث و تمحیص نہیں ہے، بحث اس میں ہے کہ جب شیطان کو جنت سے نکال دیا گیا تو دوبارہ کس طرح اور کس حیلہ و وسیلہ اور منصوبے سے جنت میں داخل ہوا ہے اور آدم ؑ کو دھوکہ دیا اور اس بات کا سبب بن گیا کہ آدم ؑ کو جنت سے نکال دیا گیا۔

محدثین اور بزرگ علماء کے درمیان اس کے متعلق مختلف نظریات پائے جاتے ہیں اور ہر ایک نے الگ الگ راستہ اختیار کیا ہے۔ ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ شیطان کا جنت میں داخل ہونا ممنوع تھا لیکن جنت کے دروازے کے پاس جانا منع نہ تھا، آدم ؑ اُٹھتے اور جنت کے دروازے کے پاس آتے اور شیطان بھی جنت کے دروازے کے پاس آتا اور آدم ؑ کے ساتھ مکالمہ و گفتگو کرتا۔

اور ایک دوسرا گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جب آدم ؑ و حوا جنت میں ایک دوسرے کے

ساتھ بات کرتے تو شیطان زمین پر اس بات کو سنتا اور سمجھتا تھا اور جواب دیتا تھا (میرے نزدیک یہ قول کمزور ہے)۔ (تحسین بشر ص: ۱۴۷)

تیسرا قول یہ ہے کہ شیطان جنت میں داخل ہوا اور جنت میں آدم علیہ السلام و حوا کو دھوکہ دیا اور جنت سے نکال دیا۔ ابن عباس سے نقل ہوا ہے کہ:

"جب شیطان کو جنت سے نکال دیا گیا تو اس نے مضبوط ارادہ کیا کہ جس طرح بھی ہو جس حیلہ و وسیلہ و منصوبے سے بھی ہو سکے اپنے آپ کو جنت میں داخل کرے گا اور آدم علیہ السلام سے انتقام اور بدلہ لے گا۔ شیطان نے خیال کیا کہ جو راستہ عام معمول کے مطابق جنت میں جانے کا ہے اس راستے سے جنت میں جائے مگر محافظین دروازہ جنت نے اس کو جنت میں جانے سے روک دیا اور جنت میں داخل نہیں ہونے دیا۔ حیوانات میں سے ہر ایک حیوان کے پاس گیا کہ مجھے جنت میں داخل کرو، کسی نے قبول نہیں کیا۔ پھر جنت کی دیوار کے پاس گیا اور انتہائی حیران و پریشان تھا کہ کیا کرے تو اچانک اس کی نگاہ سانپ پر پڑی (اس زمانے میں سانپ زیبا ترین اور خوبصورت ترین حیوانات جنت میں سے تھا، دوسرے حیوانوں کی طرح چار ہاتھ اور پاؤں رکھتا تھا اور دیگر حیوانوں کی طرح راستہ چلتا تھا) اس کے سامنے گیا اور کہا: مجھے جنت میں داخل کر، وعدہ کرتا ہوں کہ تجھے اسم اعظم یاد کراؤں گا (اور ایک قول کے مطابق سانپ کے ساتھ وعدہ کیا کہ اولاد آدم علیہ السلام کو تیرے بارے میں روک دوں گا اور تجھے آزار و اذیت پہنچانے سے منع کر کے رکھوں گا)۔ سانپ نے کہا: ملائکہ نگہبان جنت ہیں، وہ اجازت نہیں دیتے کہ تجھے جنت میں لے جاؤں۔ شیطان نے کہا: مجھے اپنے منہ میں رکھ لو اور منہ کو بند کر دو تا کہ محافظان جنت دیکھ نہ سکیں۔ اس طریقے سے مجھے جنت میں لے جاؤ۔ سانپ نے بھی اس عمل کو انجام دیا (اسی وجہ سے اس کے دانتوں میں زہر پیدا ہو گیا ہے کیونکہ شیطان کی جگہ ہے) جب سانپ نے اس طریقے سے شیطان کو جنت میں داخل کر دیا تو کہا اب اپنے وعدہ کو پورا کرو اور اسم اعظم مجھے یاد کراؤ۔ شیطان نے جواب میں کہا: اگر اسم اعظم کو جانتا ہوتا تو تیرا محتاج کیوں ہوتا کہ مجھے جنت میں لے جاؤ میں خود اسم اعظم کی تلاوت کرتا اور جنت میں داخل ہو جاتا (اس خیانت کی وجہ سے جو سانپ

نے انجام دی ہے خداوند متعال نے اسکو سزا دی ہے اور اس کے ہاتھوں اور پاؤں کو قطع کر دیا اور راستہ چلنا اس کے شکم کے ذریعے معین کیا)"۔

(شرح نہج البلاغہ خوئی، ج:۲، ص:۱۳)

بعض علماء قائل ہیں کہ جنت میں جانے کیلئے شیطان کی طاؤس نے راہنمائی کی ہے۔ وہ علماء کہتے ہیں کہ شیطان جنت میں داخل ہونا چاہتا تھا ملائکہ نے اس کو مارا۔ جس دروازے سے بھی جنت میں داخل ہونا چاہتا تھا رضوان بہشت اس کو منع کر دیتے تھے۔ اس حال میں دیکھتا ہے کہ طاؤس جنت سے باہر آ رہا ہے۔ اس کے سامنے گیا اور تقاضا کیا کہ اس کو جنت میں داخل کرے تو اس نے کہا: اس طرح سامنے سامنے تو بہت مشکل ہے اور چھپا کر بھی نہیں لے جا سکتا کیونکہ ایسی کوئی جگہ نہیں ہے کہ تجھے چھپا لوں لیکن تیری راہنمائی کرتا ہوں کہ ایک جانور ایسا بھی ہے جو تجھے جنت میں لے جا سکتا ہے اور وہ سانپ ہے۔ اس کو تیرے پاس بھیجتا ہوں اور اس کو تیری سفارش کروں گا اور تو بھی اس سے تقاضا کرنا کہ تجھے جنت میں داخل کرے (اس واقعہ میں اہم نقش طاؤس کا ہے)۔

(کتاب ابلیس ص:۲۸)

گر نبودی راہبر ابلیس را طاؤوس و مار   کی توانستی کہ آدم را برون کردی ز خلد

طاؤس اور سانپ ابلیس کے رہبر نہ ہوتے   کون آدم کو جنت سے نکال سکتا ہے

آدمؑ اور حوا جنت میں

جب حضرت آدمؑ اور حوا کا عقد نکاح ہو گیا اور ایک دوسرے سے انس و محبت ہو گئی تو خدا نے ان کو حکم دیا کہ جنت میں سکونت پذیر ہو جاؤ اور جہاں بھی چاہو چلے جاؤ اور چکر لگاؤ، سیر و تفریح کرو اور جس درخت سے چاہتے ہو اس کا پھل کھا لو کیونکہ یہ سب پھل تمہارے لئے مفید و حلال ہیں۔ تمام نعمتیں اور پھل تمہارے لئے حلال و مباح ہیں صرف ایک درخت کا پھل حرام ہے اس کے نزدیک نہ ہونا اور اس کا پھل نہ کھانا ورنہ ظالمین میں سے ہو جاؤ گے اور اپنے اوپر ظلم کرو گے۔

حضرت آدم علیہ السلام و حوا دونوں جنت میں داخل ہو گئے اور جنت کی تمام نعمتوں اور پھلوں سے استفادہ کرنے لگے اور ممنوعہ درخت کے نزدیک بھی نہیں جاتے تھے لیکن شیطان جو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے درگاہ خدا سے راندہ گیا تھا تو اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ جہاں تک ہو سکے گا آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد سے انتقام لوں گا اور ان کو فریب و دھوکہ دینے میں ہر طریقہ کار سے کام لوں گا اور دوسری طرف سے یہ بھی جانتا تھا کہ ممنوعہ درخت سے پھل کھانے کی وجہ سے آدم علیہ السلام و حوا جنت سے نکالے جائیں گے تو ان کو وسوسہ میں ڈالنے کی کوشش کرنے لگا اور اس مقصد تک پہنچنے کیلئے ہر حیلہ و منصوبے سے کام لیا اور مختلف اقسام کے حیلوں اور دھوکوں کو ان کے راہ کو روکنے کے لئے استعمال کیا اور اس ہدف تک پہنچنے کیلئے اس راستے کو بہترین راستہ قرار دیا کہ ذاتی عشق و محبت جو انسان کو کمال و ترقی (زندگانی جاوید) کے ساتھ ہے اس سے استفادہ کرتے ہوئے آدم علیہ السلام و حوا سے حکم خدا کی مخالفت کیلئے حیلہ و بہانہ تیار کرے گا۔

پہلے آدم علیہ السلام کی طرف توجہ کی اور کہا خدا نے آپ کو اس درخت سے منع نہیں کی ہے بلکہ منع اس لئے کیا ہے کہ اگر تم نے اس درخت سے کھا لیا تو یا تو فرشتہ بن جاؤ گے یا پھر ہمیشہ کیلئے زندگانی جاوید پاؤ گے۔ (طہٰ: ۱۲۰، اعراف: ۲۰)۔ اگر اس درخت سے تناول کرو گے تو غیب کا علم پیدا کر لو گے اور تمام چیزوں کو سمجھ جاؤ گے اور دیکھنے لگو گے اور تمام کاموں کی انجام دہی پر قدرت حاصل کر لو گے اور اگر اس درخت سے تناول نہیں کرو گے تو تمہیں جنت سے نکال دیں گے تو اس طرح ان کی نگاہ میں حکم خدا تبدیل ہو گیا اور اس طرح تصور کرنے لگے کہ اس درخت سے کھانے کی وجہ سے یا تو ہماری زندگی طولانی و جاودانی ہو جائے گی یا فرشتوں کے برابر درجہ و مقام مل جائے گا۔

صد ہزاران سال ابلیس لعین   بود ابدال امیر المؤمنین
لاکھوں سال شیطان کمینہ   امیر المؤمنین کے عہدے پر فائز رہا

پنجه زد با آدم از نازی که داشت   گشت رسوا ہم چون سرگین وقت چاشت
آدم کو فریب دیا اپنے نازنخری کی وجہ سے   تو چاشت کے وقت گوبر کی طرح رسوا و ذلیل ہو گیا

آدم ؑ یہ بات سن کر فکر کی گہرائی میں چلے گئے اور شیطان نے اپنے پیچھے وسوسہ کو آدم ؑ و حوا پر اور زیادہ محکم و مضبوط کرنے کیلئے بہت سخت قسم کی قسمیں کھائیں اور کہا کہ: "میں آپ کا خیر خواہ ہوں" (سورۂ اعراف: ۲۱) لیکن اس کے باوجود آدم ؑ اس کے سامنے نہیں جھکے اور اس کے فریب میں نہیں آئے اور آدم ؑ نے اپنا رخ اس سانپ کی طرف کیا جس کے منہ میں شیطان بیٹھ کر بات کر رہا تھا اور کہا کہ یہ تمام باتیں شیطان کی فریب اور دھوکہ ہیں یہ کس طرح خدا ہم سے خیانت کر سکتا ہے جو کس طرح اس کی عظمت و بلندی کا اقرار کر رہا ہے اور اس کے نام کی قسمیں کھا رہا ہے اور اس کی طرف خیانت کو نسبت دے رہا ہے اور کس طرح ہو سکتا ہے کہ خداوند متعال ہمارے لئے خیر و نیکی کی خواہش نہ رکھتا ہو جبکہ اس کی ذات کریم ہے۔ میں اس کام کو کس طرح کر سکتا ہوں جس کے انجام دینے سے خدا نے نہی کی ہے اور حکم دیا ہے کہ اس درخت کے نزدیک نہ جانا اور اس سے تناول نہ کرنا لہٰذا آدم ؑ شیطان کے دھوکہ میں نہ آئے اور اس کے سامنے نہ جھکے

حضرت حوا شیطان کے فریب میں آ گئیں

جب شیطان حضرت آدم ؑ کو فریب دینے میں عاجز اور مایوس ہو گیا اور سمجھ گیا آدم ؑ اپنے خدا کی مخالفت نہیں کریں گے تو حوا کے پاس آیا اور سانپ کے منہ سے بات کرنے لگا اور اس طرح بات کر رہا تھا گویا سانپ حوا سے گفتگو کر رہا ہے۔ شیطان نے کہا: اے حوا! کیا جانتی ہو جس درخت کے پھل کو خدا نے تمہارے اوپر حرام کیا تھا وہ حلال ہو گیا ہے اور اس سے کھانا اب ممنوع نہیں رہا ہے کیونکہ خدا نے سمجھ لیا ہے کہ تم نے اس کی بہت اچھی اطاعت کی ہے اور درخت کے حلال ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ ملائکہ جو اس درخت پر موکل ہوئے تھے اور حیوانات کو اس کے قریب جانے سے منع کرتے تھے اب اگر آپ اس کے نزدیک جائیں تو آپ کو نہیں روکیں گے اور اب آپ سے ان کا کوئی سروکار نہیں ہے۔ پس پھر سمجھ لو کہ درخت سے کھانا حلال ہو چکا ہے اے حوا! اس مطلب کو بھی سمجھ لو اگر تو نے آدم ؑ سے پہلے کھا لیا تو آدم ؑ پر مسلط ہو جاؤ گی اور جب اس کو امر و نہی کرو گی تو مجبوراً وہ تمہاری اطاعت کرے گا۔ حوا نے کہا: ابھی اس کا امتحان لیتی ہوں اور اس کے جھوٹ سچ کو معلوم کرتی ہوں۔ پس

درخت کی طرف جانے کیلئے چل پڑیں اور درخت کے نزدیک گئیں تو درخت پر موکل ملائکہ نے ان کو درخت سے دور رکھنا چاہا۔ خدا نے ملائکہ پر وحی کی کہ درخت کے قریب آنے سے اس کو روکو جو عقل نہیں رکھتی مگر جس کو میں نے حکم کے بجالانے اور ترک کرنے کا اختیار دیا ہے اور اس کی عقل کو کامل کیا ہے اس کو آزاد چھوڑ دو۔ اگر اس نے میری اطاعت کی تو مستحق ثواب قرار پائے گی اور اگر اس نے میری مخالفت کی تو مستحق عذاب ہوگی۔

ملائکہ نے بھی حوا کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ حوا نے خیال کیا کہ سانپ نے سچ کہا ہے اور خداوند متعال نے اس کے لئے درخت کو حلال کر دیا ہے۔ چنانچہ حوا نے اس درخت سے کھایا اور اپنے اندر کسی قسم کا تغیر و تبدیل محسوس نہ کیا۔ حضرت آدم ؑ کے پاس گئیں اور کہا کیا آپ جانتے ہیں کہ جو درخت ہمارے اوپر حرام تھا حلال ہو گیا ہے کیونکہ میں نے اس درخت سے کھایا ہے اور فرشتوں نے بھی مجھے منع نہیں کیا اور میرے اندر کوئی تبدیلی بھی نہیں آئی۔ حضرت آدم ؑ جنہوں نے ابھی زندگی میں کافی تجربہ حاصل نہیں کیا تھا اور شیطان کے جھوٹ، فریب، چالوں کو نہیں دیکھا تھا اور نہیں جانتے تھے کہ کوئی اس طرح کی جھوٹی قسمیں بھی کھا سکتا ہے۔ آخر کار زوجہ آدم ؑ نے اس درخت سے کھایا اور فرشتوں نے بھی نہ روکا اور اس کے بدن کے اندر کوئی تبدیلی بھی واقع نہ ہوئی تو شیطان کے جال میں پھنس گئیں اور اس درخت سے کھایا تو صرف یہ نہ ہوا کہ زندگانی جاوید اور آب حیات اس کے دل میں نہ آیا بلکہ نافرمانی خدا کے گرداب میں گر گئیں اور شیطان کی بیہودہ باتوں کے ذریعے بدبختی کے کنواں میں چلی گئیں۔

حضرت آدم ؑ چونکہ شیطان کی پچھلی دشمنی کو جانتے تھے اور دیکھ چکے تھے کہ شیطان نے ان کو اور ان کی اولاد کو گمراہ کرنے کی قسم کھائی ہے اور خدا کی طرف سے اپنے اور اپنی زوجہ کے بارے میں وسیع رحمت و حکمت کو جانتے تھے لہٰذا شیطان کے تمام وسوسوں کو پانی میں بہا دینے پر قدرت رکھتے تھے اور اس ملعون کے سامنے نہ جھکنے کی ہمت بھی اپنے اندر پاتے تھے لیکن اس کے باوجود فریب میں آئے اور جو نہ ہونا تھا وہ ہو کر رہا اور موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ بہر صورت حضرت آدم ؑ نے حقیقت

میں شیطان سے دھوکہ نہیں کھایا کیونکہ آدم علیہ السلام شیطان کے وسوسوں اور فریب دہی سے بہت بلند و بالا ہیں۔ آنجناب علیہ السلام اپنی زوجہ کی باتوں میں آ گئے جو کہ ان کی جنس سے تھیں اور دھوکہ کھا گئے۔

(بحار الانوار ج ۱۱ ص: ۱۶۱)

جنت کا لباس دونوں سے اُتروا لیا گیا

جب خداوند متعال نے آدم علیہ السلام و حوا کو جنت میں سکونت کی اجازت دی تو ملائکہ سے خطاب کیا کہ: ”ان کو نور کے تخت پر بٹھا کر ان کے ارد گرد جمع ہو کر جنت میں داخل ہو جاؤ۔ پس ملائکہ نے اسی طرح آدم علیہ السلام و حوا کو جنت میں داخل کر دیا اور ان کے نوری تخت کو جنت الفردوس کے درمیان میں زمین پر رکھا“۔ (بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۱۹۲) اور زیبا ترین لباس جنت ان کی عظمت و احترام کے لئے ان کے مبارک بدنوں کو پہنایا اور جب تک جنت میں سکونت پذیر رہے ہیں انہیں لباسوں کے ساتھ اپنے آپ کو چھپائے رکھا اور جب شیطان نے ان کو وسوسہ میں ڈالا اور ممنوعہ درخت سے پھل کو تناول کر لیا تو بلا فاصلہ ان کے بدنوں سے لباس جنت نیچے گر گیا اور ان کے بدن عریان اور آشکار ہو گئے اور ہر ایک نے اُن میں سے ایک دوسرے سے بھی اور فرشتوں سے بھی شرمساری اور شرمندگی محسوس کی اور شرمندہ ہوئے اور جب اپنے آپ کو برہنہ اور عریاں دیکھا تو اپنے بدن چھپانے کیلئے جنت کے درختوں کے پتوں سے مدد لی اور ان کے ذریعے اپنی عریان اور ننگی شرمگاہوں کو ڈھانپ لیا (شاید وہ پتے انجیر کے تھے کیونکہ تمام درختوں کے پتوں سے انجیر کے پتے بڑے اور چوڑے ہوتے ہیں)۔

چنانچہ شیطان سے فریب کھانا اور جنت میں عریاں ہونا اس قدر رنگ دکھا گیا کہ خداوند متعال نے اولاد آدم علیہ السلام کی عبرت و نصیحت کیلئے اور اپنے پرانے دشمن شیطان سے دھوکہ نہ کھانے کیلئے آدم علیہ السلام و حوا کے واقعہ کی یاد آوری کی ہے تا کہ اولاد آدم علیہ السلام متوجہ رہیں کہ اپنے ماں باپ کی طرح فریب اور دھوکہ نہ کھائیں لہٰذا اولاد آدم علیہ السلام کو خطاب کرتا ہے اور فرماتا ہے: ”اے اولاد آدم علیہ السلام آگاہ رہنا کہیں شیطان تمہیں اس طرح دھوکہ نہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو اس نے دھوکہ دیا ہے اور جنت سے نکال دیا ہے“ اور (افتخار و کرامت کے) لباس جنت کو ان کے بدن سے جدا

کردیا ہے۔ (سورۂ اعراف:۲۳) خداوند کریم تمام افرادِ بشر اور اولادِ آدم علیہ السلام کو خبردار کر رہا ہے کہ شیطان کی فریب کاری سے آگاہ رہیں کیونکہ شیطان ان کے باپ آدم علیہ السلام کے ساتھ دشمنی کا مظاہرہ کر چکا ہے اور جنت کے لباس کو وسوسوں کے نتیجے میں ان کے بدنوں سے اتروا چکا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم سے لباسِ تقویٰ کو نہ اتروا دے۔

جب ان کے بدنوں سے لباسِ جنت اتر گیا اور عریان ہو گئے تو خداوند متعال نے اُن سے خطاب کیا اور فرمایا:

"کیا میں نے تم کو اس درخت کے پھل کھانے سے منع نہیں کیا تھا، کیا میں نے تم کو نہیں بتایا تھا کہ شیطان تمہارا سخت اور کھلم کھلا دشمن ہے کیوں میرے حکم کو بھلا دیا ہے اور بدبختی کے گڑھے میں گر گئے ہو"۔ (سورۂ اعراف:۲۲)

جب آدم علیہ السلام و حوا ابلیس کے شیطانی منصوبے سے آگاہ ہو گئے اور اپنی عاقبتِ حکمِ خدا کے نتیجہ کو دیکھ لیا تو اپنی غلطی کی تلافی میں فکرمند ہوئے اور بارگاہِ خدا میں اپنے نفسوں پر ظلم و ستم کرنے کے اعتراف کو غلطی کی تلافی کا پہلا قدم قرار دیا اور انتہائی عاجزی و انکساری کے ساتھ باکمال ادب و احترام سے اپنے خالق کی بارگاہ میں اس طرح اعتراف کیا اور کہا: "اے پروردگار! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم و ستم کیا اگر تو نے ہم کو معاف نہ کیا اور اپنی رحمت کو ہمارے شاملِ حال نہ فرمایا تو ہم ظلم کرنے والوں سے ہو جائیں گے"۔ (سورۂ اعراف:۲۳)

جد تو آدم بهشتش جاری بود	قدسیان کردند بهر تو سجود
تمہارے جدِ امجد آدم جن کا مقام جنت تھا	فرشتوں نے اس کو سجدہ کیا
یک گناه ناکرده گفتندش تمام	مُذنبی مُذنب برو بیرون خرام
کوئی گناہ نہیں کیا اور سب نے اس کو کہا	اے گناہگار اپنے گناہ کے ساتھ جنت سے نکل جاؤ
تو طمع داری که با چندین گناه	داخل جنت شوی اے رُو سیاه
تو لالچ رکھتا ہے کہ کئی گناہوں کے ساتھ	جنت میں داخل ہو جائے گا اے منہ کالے

سب کے سب جنت سے نکل جاؤ!

درحقیقت آدمؑ وحوا کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ ترک اولیٰ نے ان کو عظیم مقام و فضیلت سے نیچے گرایا ہے۔ اگرچہ انہوں نے اس ترک اولیٰ سے معافی مانگی ہے اور انہوں نے اپنی غلطی کا اقرار و اعتراف بھی کیا ہے اور کہا: اگر تو نے ہمیں معاف نہ دی تو ہم خاسرین میں سے ہو جائیں گے۔ (سورۂ اعراف: ۲۳ تا ۲۵) اور اگرچہ ان کی توبہ بھی خداوند متعال کی بارگاہ میں قبولیت ہوئی ہے اور ان کی توبہ بارگاہ خدا میں قبول ہوئی ہے مگر ان کے عمل کے اثر وضعی نے ان کے دامن کو پکڑ لیا اور جنت سے نکلنے کا حکم صادر ہو گیا۔ یعنی اس کے بعد اب تم جنت میں نہیں رہ سکتے ہو۔ اس کے بعد خدا نے آدمؑ وحوا، سانپ اور طاؤس جو کہ محافظین جنت تھے اور شیطان کے دھوکہ میں آ گئے سب سے خطاب کیا اور فرمایا: تم سب اپنے اصلی مقام سے نیچے آ گئے ہو جبکہ تم میں سے بعض بعض دوسروں کے ساتھ دشمنی کرنے والے ہو۔ (سورۂ اعراف: ۲۳ تا ۲۵) ۔ آدمؑ اور اس کی اولاد کے دشمن شیطان اور سانپ ہیں چنانچہ شیطان اور اس کی اولاد اور سانپ آدمؑ اور اس کی اولاد کے قیامت تک دشمن رہیں گے اور دشمنی ان کی ہمیشہ کیلئے رہے گی، کسی وقت بھی ان کے درمیان صلح نہیں ہوگی۔ اس کے بعد خدا نے فرمایا: ایک معین مدت تک زمین تمہاری قرارگاہ رہے گی اور تم اس سے مستفید ہو گے جنت میں رہنے کے بجائے زمین پر سکونت اختیار کرو۔ اور یہ بھی فرمایا: زمین پر زندگی کرو گے اور اسی زمین پر چلو پھرو گے اور اسی زمین سے قیامت کے دن حساب و کتاب کیلئے اٹھائے جاؤ گے۔ (سورۂ اعراف: ۲۳ تا ۲۵)

اس واقعہ سے جو نتائج برآمد ہوئے

آدمؑ کی اولاد کو خبردار اور ہوشیار رہنا چاہئے کہ اس دنیا کے شور و شراب سے بھری زندگی کے میدان میں جھوٹے دعویٰ داروں کے سامنے سر کو نہ جھکائیں جن کی گزری ہوئی زندگی شیطنت سے بھری ہوئی ہے، جس طرح کہ ان کے مالک شیطان کی زندگی فریب، دھوکہ، وسوسہ سے پُر ہے اور وہ

کوشش کرتے ہیں کہ اپنے دائمی وسوسوں کے ذریعے ان (اولاد آدم ؑ) کے عقل و خرد پر پردے ڈال دیں (لہٰذا ایسے افراد کے جال میں پھنس جائیں جن کی زندگی کا مقصد ہی ایک دوسرے کو فریب دھوکہ دینا ہے) کیونکہ اس کے نتیجے میں ان کے جسموں سے لباس تقویٰ اتر جائے گا اور ان کے تمام عیب اور گناہ آشکار ہو جائیں گے اور دوسرا ایک اور نتیجہ بھی ہے کہ قرب پروردگار کے عظیم مقام سے دور اور انسانیت کے عالی مرتبہ سے نیچے گر جائیں گے اور پھر جنت سے نکالے جانے پر آرام و سکون اور امن سے محروم ہو کر زندگی کی مشکل وادیوں اور مادی حیات کے رنج و غم میں گر جائیں گے اور تیسرا ایک اور نتیجہ بھی ہے اگر انسان نے کبھی دھوکہ کھایا اور بھٹک گیا تو پھر بھی قوت عقل کے ذریعہ اس کی تلافی کی فکر کر سکتا ہے اور اپنے خدا کی طرف پلٹ سکتا ہے اور اہمیت و حوصلہ کے ساتھ اپنے گناہ کا اقرار و اعتراف کرے اور ایسا اعتراف گناہ کرے جو زندگی میں مرکز محبوبیت و عظمت قرار پائے۔ اس صورت حال میں خدا کی نظر رحمت دوبارہ اس کی طرف پلٹ آئے گی اور اس کو ہمیشگی کی بدبختی سے آزاد کر دے گی، اگر چہ اپنے گناہ کی وجہ سے کم و بیش تلخ اثرات کو برداشت کرنا پڑے گا لیکن یہ صورتحال اس کیلئے وہاں عبرت و نصیحت بن جائے گی جس کی وجہ سے اپنی آئندہ کی کامیاب زندگی کی بنیادوں کو محکم و مضبوط استوار کر سکتا ہے تا کہ اس نقصان کے بجائے آئندہ کی اس زندگی سے عظیم نفع اور باقی سرمایہ حاصل کر سکے

---

۱ ابلیس کی سازشوں اور شیطنتوں کی وجہ سے حضرت آدم ؑ و حوا کا جنت سے نکلنا ان کی اولاد کیلئے ایک عبرت خطرناک نتیجہ اور پہلو کو اجاگر کرتا ہے وہ یہ کہ حضرت آدم ؑ جیسی عظیم اور باعظمت ہستی ہونے کے باوجود شیطان کے وسوسوں اور فریب کا شکار ہو گئے جبکہ ہم اولاد آدم ؑ عام لوگ اور وہ بھی گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہونے کی وجہ سے شیطان کی مکر و فریب چالوں سے کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ جس شیطان نے ہمارے ماں باپ کو جنت کے اندر سے باہر نکلوا دیا وہ کیسے ہمیں باہر سے جنت کے اندر جانے دے گا جبکہ ہم ہر قسم کے گناہوں کے خوفناک خطرات کے نتیجے میں شیطان کی چالوں میں مصروف ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تمام جن و انس کو صرف تین کیٹگریوں میں تقسیم کر رکھا ہے: (۱) مسلمان (۲) منافق اور (۳) کافر۔ چوتھی کیٹگری قرآن سے ثابت نہیں ہے۔ مومن، متقی وغیرہ مسلمان ہونے کے بعد کی باتیں ہیں۔ مرنے کے بعد ہمارا حساب کتاب خدائی معیاروں کے مطابق ہوگا نہ کہ ہمارے اپنے بنائے ہوئے معیاروں کے مطابق۔ دنیا میں شیعہ سنی سیاسی تقسیم ہے جو الہٰی اور قرآنی تقسیم نہیں ہے۔ دیکھئے کتاب "ستونِ تشیع اور امت" (مترجم)

آدم علیہ السلام کی جنت

حضرت آدم علیہ السلام کی جنت اور ان کی مٹی کو کہاں گوندھا گیا اور کہاں پر ان کے جسم میں روح ڈالی گئی اور کہاں پر آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو تعلیم دی؟ اس کے بارے میں مختلف نظریات موجود ہیں:۔

(۱) بعض کہتے ہیں آدم علیہ السلام کی جنت نعمتوں سے بھرا ہوا روح افزا زمین کے بہترین آب و ہوا والے خطوں میں سے ایک خطہ تھا اور ان کی دلیل اہلبیت اطہار علیہم السلام سے نقل شدہ روایات ہیں جن میں یہ بات نقل ہوئی ہے راوی بیان کرتا ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے آدم علیہ السلام کی جنت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: دنیا کے باغوں میں سے ایک باغ تھا جس پر سورج چاند کی روشنی پڑتی تھی اور اگر آسمانی و جاویدانی جنت ہوتی تو پھر کبھی بھی اس جنت سے آدم علیہ السلام کو نکالا نہ جاتا۔ (منہاج البراعہ ج:۱۱، ص:۸۹/ بحار الانوار ج:۱۱، ص:۱۴۳)

(۲) آدم علیہ السلام کی جنت آسمانی کرات میں سے ایک کرہ پر واقع تھی اور بعض نے کہا ہے کہ وہ کرہ ساتویں آسمان پر تھا۔ (تفسیر نمونہ ج:۱، ص:۱۳۵/ قصص بشر، ص:۱۴۱)

(۳) ہمیں اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ آسمان پر تھی یا زمین پر اور اس کے علم کو اس کے اہل کے حوالے کرتے ہیں۔ (قصص بشر، ص:۱۴۲)

(۴) آدم علیہ السلام کی اعمال کے بدلے میں اجر و ثواب کے طور پر وہی جاوید جنت ہے جس کا وعدہ خدا نے مومنین سے کیا ہے اس قول کو اکثر علماء نے اختیار کیا ہے۔ (قصص بشر، ص:۱۴۱)

لیکن ظاہر یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی جنت عالم قیامت کی جنت کے علاوہ ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کی جنت وقتی تھی اور اس کے سفر تکامل کے آغاز کی جنت تھی اور قیامت کی جاوید جنت ہے وہ آدم علیہ السلام کے سفر کے اختتام کی جنت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی حاجات

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جب آدمؑ کو پتہ چلا کہ شیطان فریب اور دھوکہ دینے کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا ہے اور جب وہ نکلنے لگا تو اس نے خداوند کریم سے اپنی انجام دی ہوئی عبادات کے بدلے حاجات طلب کی ہیں جن کو خداوند کریم نے پورا کر دیا ہے تو حضرت آدمؑ نے عرض کیا پروردگار تو نے شیطان کو میرے اور میری اولاد کے اوپر مسلط کیا ہے اور میری اور میری اولاد کے اغوا کے باوجود اس کی خواہشات تو نے پوری کی ہیں پس میرے اور میری اولاد پر بھی نظر کرم فرما تاکہ شیطان کے مکر و فریب سے اپنے آپ کو محفوظ کر سکیں۔ خطاب کیا اور فرمایا: (شیطان نے بھی مانگا ہے) تم بھی اپنی حاجات کو طلب کرو۔ تیری حاجات کو بھی پورا کیا جائے گا۔ حضرت آدمؑ نے عرض کیا میں اپنی اور اپنی اولاد کی خیر و خوبی اور بہتری چاہتا ہوں۔ اب تیری ذات بہتر جانتی ہے جس چیز کو ہمارے لئے بہتر سمجھتی ہے وہ ہمیں عطا کر دے۔ خدا کی طرف سے خطاب ہوا اے آدمؑ تیرے اور تیری اولاد کیلئے چند چیزیں دنیا کی زندگی کیلئے تیار کی ہیں جو شیطان کی حاجات کے مقابلے میں ہوں گی:۔

(۱) جب بھی تو اور تیری اولاد گناہ کرنے کا ارادہ کرے گی اور گناہ نہیں کرے گی تو وہ تمہارے لئے گناہ شمار نہ ہوگا۔

(۲) جب بھی گناہ کا ارادہ کیا اور پھر اس کو انجام بھی دیا تو سات گھنٹے کی تمہیں مہلت دوں گا اگر تم نے توبہ و استغفار کر لیا تو اس کو لکھا نہ جائے گا اور اگر سات گھنٹے گزرنے پر بھی توبہ نہ کی تو صرف ایک گناہ لکھا جائے گا۔

(۳) اگر تم نے عبادت و بندگی اور نیک کاموں کا ارادہ کیا اور ان کو انجام نہ دیا تو پھر بھی ایک ثواب تمہارے لئے لکھا جائے گا۔

(۴) اگر تم نے عبادت اور کار خیر کا ارادہ کر لیا اور اس کار خیر کو انجام بھی دے لیا تو پھر دس نیکیاں اور اور ثواب تمہارے لئے لکھا جائے گا۔

جس طرح کہ قرآن فرماتا ہے:۔

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا

مِثْلَهَا﴾ (سورۂ انعام:۱۵۹)

"جو نیکی کا کام کرے تو اس کو دس برابر جزا دی جائے گی اور جو برائی کا کام کرے گا تو اس کو صرف اس برائی کی سزا دی جائے گی"۔

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: "پروردگار تیرا فضل و کرم تیری سخاوت بہت زیادہ ہے اپنے فضل و کرم کو میرے اور میری اولاد کے اوپر زیادہ سے زیادہ فرما اور اپنے لطف و کرم کو عام کردے۔

(۵) خطاب ہوا: اے آدم علیہ السلام! اگر تیری اولاد نے گناہ اور نافرمانی کی اور بعد میں پشیمان ہو گئے اور انہوں نے استغفار کرلیا تو ان کے گناہوں کو بخش دوں گا۔

(۶) جب بھی قیامت تک تیری اولاد وجود میں آئے گی (اور وہ دیندار اور خدا شناس ہوں گے) ایک یا دو فرشتوں کو (اولاد شیطان کے مقابلے میں) اس پر معین کروں گا تا کہ وہ شیطان اور اس کی اولاد کے شر و فتنے سے محفوظ کریں۔

(۷) عرض کیا: پروردگار! اپنے لطف و کرم کو ہم پر مزید اضافہ فرما۔ خطاب ہوا: اے آدم علیہ السلام! جب تک ان کے بدن میں روح رہے گی اور ابھی گلے تک نہ پہنچی ہوگی (مرنے کے وقت کی بات ہے) اگر طلب استغفار کیا اور اپنے گناہوں سے پلٹ آئے تو ان کی توبہ کو قبول کروں گا۔

(۸) عرض کیا: پروردگار! اپنے لطف و کرم کو ہم پر اور زیادہ فرما۔ خطاب ہوا: اے آدم علیہ السلام! (اگر گناہ باقی رہ گئے یا توبہ کرنا بھول گئے) قیامت کے دن ان کے گناہوں کو بخش دوں گا اور مجھے کسی سے کوئی خطرہ و خوف نہیں ہے (کیونکہ میں خود حکمران ہوں اور پوری قدرت میرے ہاتھوں میں ہے اور کسی کو کوئی عمل دخل نہیں ہے)۔

قرآن مجید اس کے متعلق فرماتا ہے:

﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا﴾ (سورۂ زمر:۵۳)

"(اے پیامبر) میرے اُن بندوں کو جنہوں نے اپنے اُوپر اسراف و ظلم کیا ہے اپنے

پروردگار کی رحمت سے ناامید نہ ہوں کیونکہ خدا تمام گناہوں کو بخشنے والا ہے (کیونکہ وہی بخشنے والا مہربان ہے)"۔

جب خداوند متعال نے آدم علیہ السلام کو خطاب کیا اور فرمایا کہ اپنے تمام بندوں کے گناہوں کو قیامت کے دن بخش دوں گا تو حضرت آدم علیہ السلام خوشحال ہو گئے اور عرض کیا پروردگارا یہ (گناہوں کی معافی) ہمارے لئے کافی ہے اور اب میں راضی ہو گیا ہوں۔ (بحار الانوار ج:۲۳، ص:۲۷۴)

حضرت آدم علیہ السلام کی خوش بختی

حضرت آدم علیہ السلام کی خوش بختی اور عاقبت بخیر اور شیطان کی بدبختی کیلئے قیامت تک چند چیزیں سبب بن گئیں۔ محمد ذوری نقل کرتا ہے کہ پانچ چیزیں شیطان کی بدبختی کا سبب بنی ہیں جبکہ وہی پانچ چیزیں آدم علیہ السلام کی خوش بختی اور عاقبت بخیر کا سبب بنی ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) جب حضرت آدم علیہ السلام نے ممنوعہ درخت سے کھایا اور دستور خدا کی مخالفت کی اور بعد میں سمجھ گئے کہ خدا کے حکم کی مخالفت ہوئی ہے تو انہوں نے (آدم علیہ السلام و حوا) اقرار و اعتراف کیا ہے کہ ہم سے بھول ہوئی ہے اور ہم نے مخالفت کی ہے اور خدا کی بارگاہ میں عرض کیا:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

(سورۂ اعراف: ۲۳)

"خداوندا! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم و ستم کیا ہے، اگر (لطف و کرم سے) تو نے ہم کو نہ بخشا اور ہمارے اوپر رحم نہ کیا تو ہم خسارہ اٹھانے والوں سے ہو جائیں گے"۔

لیکن شیطان علیہ اللعنۃ نے اقرار و اعتراف نہ کیا اور اپنے آپ کو مجرم قرار نہیں دیا لہٰذا بدبختی اس کا مقدر بن گئی۔

گفت آدم ظَلَمْنَا نَفْسَنَا	او ز فضل حق نبُد غافل چو ما
آدم نے کہا ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا	کیونکہ آدم فضل حق سے غافل نہیں تھے
گفت شیطان کہ بما اَغْوَیْتَنِی	کرد فعل خود نہاں دیو دنی

شیطان نے کہا تو نے مجھے اغوا کیا ہے　　　تو اس ملعون نے اپنے فعل کو چھپایا

گفت أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ الْجَزَاء　　　کاشکی گفتی کہ تُبْنَا رَبَّنَا

شیطان نے کہا مجھے قیامت تک مہلت دے　　　اے کاش یہ کہتا کہ اے خدا ہم کو بخش دے توبہ قبول کر

گر بہ صورت آدمی انسان بُدی　　　احمد و بوجہل ہم یکسان بُدی

اگر آدمی کی صورت میں انسان ہوتے　　　تو احمد اور بوجہل بھی ہم سال ہوتے

(۲) حضرت آدم علیہ السلام مخالفت کرنے پر پشیمان ہو گئے اور اپنے خدا کے سامنے عاجزی اور انکساری کے ساتھ معافی مانگی اور کہا:

﴿رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي إِنَّكَ مِنَ الْغَافِرِينَ﴾

"خدایا! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا پس مجھے بخش دے بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے"۔

خدایا تیرے علاوہ کوئی بخشنے والا نہیں ہے لیکن شیطان اپنے آپ کو بے گناہ اور بے جرم کہتا تھا اور اپنے کیے پر پشیمان نہیں ہوا اور اپنے عظیم خالق سے معافی نہیں مانگی (لہٰذا قیامت تک بدبختی و لعنت کا حقدار بن گیا)۔

(۳) آدم علیہ السلام نے ترک اولیٰ جو اس نے کیا تھا کی وجہ سے اپنی سرزنش اور ملامت کی اور کہا خدایا! میں پشیمان و شرمندہ ہوں۔ مگر شیطان نے اپنی مخالفت پر جو اس نے انجام دی تھی اپنی سرزنش ملامت نہیں کی اور اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا۔ کہتا تھا: ﴿خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ﴾ (سورۂ اعراف: ۱۲) "تو نے مجھے آگ سے خلق کیا اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے خلق کیا (چونکہ آگ سے مٹی کا مقام بالاتر ہے اس وجہ سے میں نے اس کو سجدہ نہیں کیا)"۔

(۴) جب آدم علیہ السلام نے اپنی خطا کو سیاہ دیکھا تو غور و فکر کرنے لگے کہ اس کی تلافی کروں اور پہلی حالت پر لوٹ آؤں لہٰذا جلدی کے ساتھ توبہ کی اور انتہائی شکستہ دلی کے ساتھ بارگاہ خدا میں عرض کیا:

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي إِنَّكَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ، رَبِّ فَارْحَمْنِي إِنَّكَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ، رَبِّ تُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾

"خدایا خدایا! مجھے بخش دے کیونکہ تو بہتر بخشنے والا ہے۔ خدایا خدایا! مجھ پر رحم کر کیونکہ تو بہت رحم کرنے والا ہے۔ خدایا خدایا! میری توبہ قبول کر کیونکہ تو ہی توبہ کو قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے"۔

(۵) آدم علیہ السلام جب کہ مخالفت خدا کا مرتکب ہوا تھا لیکن خدا کے کہنے کے مطابق کہ فرماتا ہے: خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ آدم علیہ السلام رحمت خدا سے مایوس اور نا اُمید نہ ہوا اور دو سو سال زمین پر رو کر گریہ کیا، یہاں تک کہ خدا نے اس کی توبہ کو قبول کر لیا لیکن شیطان نے ارتکاب گناہ کیا اور رحمت خدا سے مایوس ہوا اور یہ نا اُمیدی بہت بڑا گناہ تھا جس کا اس نے (شیطان) ارتکاب کیا ہے۔

قرآن فرماتا ہے:

﴿لَا تَيْأَسُوا مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ﴾

(سورۂ یوسف: ۸۷)

"رحمت خدا سے نا اُمید نہ ہوں کیونکہ کوئی بھی خدا کی رحمت سے نا اُمید نہیں ہوتا مگر کفر کرنے والے (نا اُمید ہوتے ہیں)"۔

یہ آدم علیہ السلام یعنی انسان کا عمل تھا کہ جس میں خدا نے اپنی روح ڈالی تھی اور اس کو اپنے لئے منتخب کیا اور اپنا خلیفہ زمین پر قرار دیا ہے مگر شیطان کا انجام دیا ہوا عمل کہ خدا کے مقابلے میں تکبر کیا اور کفر کیا کیونکہ اس کی طینت اور ذات خراب تھی، چنانچہ اس نے عظمت الٰہی کی بارگاہ میں معافی نہیں مانگی اور اپنے خدا کے سامنے کھڑا ہو گیا اور قسم کھائی کہ جب تک قدرت رہی گناہ اور مخالفت کرے گا اور جہاں تک ہو سکا بیچاروں کو حتمی طور پر خود اور گمراہ کرے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت (یعنی آدم علیہ السلام کی اولاد و نسل)

جب حضرت آدم علیہ السلام نے ترک اولیٰ کیا اور خدا نے اس کو اعلیٰ مقام اور بے نعمت منزلت سے باہر کر دیا، اس کی تمام اولاد کو اس کو دکھایا اور ان سے اقرار و اعتراف لیا۔

قرآن اس کے متعلق فرماتا ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ

انفسہم، الست بربکم قالوا بلٰی شہدنا ان تقولوا یوم القیامۃ انا کنا عن ہذا غافلین﴾ (سورۂ اعراف:۱۷۲)

"اے رسول! اس وقت کو یاد کرو (اور خلق کو یاد کراؤ) جب تیرے پروردگار نے آدمؑ کی صلب و پشت سے اس کی اولاد کو ظاہر کیا اور ان کو اپنی توحید کا گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ تو انہوں نے کہا: ہاں ہم تیری توحید و یگانگت کی گواہی دیتے ہیں (اور تمہاری گواہی کی وجہ یہ ہے) کہ قیامت کے دن نہ کہنا کہ ہم اس سے (یعنی واقعۂ قیامت اور معرفت توحید خدا) غافل تھے (اور نہیں جانتے تھے) اگر خدا کی وحدانیت پر بندوں کا اقرار اور ان کی گواہی نہ ہوتی تو بندے حق رکھتے تھے کہ قیامت کے دن اپنے شرک کے حق ہونے پر اور استحقاق عذاب کے خلاف دلیل پیش کریں"۔

اہل تحقیق کا ایک گروہ کہتا ہے دین کا درک کرنا اور خدا کی شناخت انسان کے اصلی اور ذاتی احساسات میں شامل ہے اور یہ حس و درک ہے کہ زندگی میں انسان کو خدا کی معرفت و شناخت کی راہنمائی کرتا ہے۔ قرآن نے بھی اس مطلب کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور فرماتا ہے کہ: "انسان ذاتی طور پر الٰہی اور خدا شناسی کی پاک فطرت پر خلق کیا گیا ہے"۔ (سورۂ روم:۳۰) اور پیغمبر اکرمؐ سے ایک حدیث میں نقل ہوا ہے آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہر پیدا ہونے والا بچہ الٰہی پاک فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ ہیں جو اس کو یہودی، نصرانی، مجوسی بنا دیتے ہیں"۔ (سفینۃ البحار ج:۲، ص:۳۷۳)

چنانچہ خدا کی وحدانیت پر اولاد آدمؑ سے اقرار و اعتراف لینے کے بارے میں حضرت رسول خدا نے فرمایا: "جب حق تعالیٰ نے آدمؑ کو جنت سے باہر کیا اور اس کی توبہ کو قبول فرمایا، ایک دن ایک وادی (نعمان) میں جو کہ مکہ معظمہ کی سرزمین پر واقع ہے نیند کو اس پر (آدم) غالب کیا اور پشت کے پاس دائیں پہلو کو مس کیا تو چیونٹیوں کی صورت میں سفید اور روشن ذرّے اس سے خارج ہوئے جو حرکت کر رہے تھے۔ پس ایک فرشتہ کو فرمایا: آدمؑ کی پشت کے بائیں پہلو پر ہاتھ کو پھیرو۔ اس کے ہاتھ کو پھیرنے پر بہت چھوٹے چھوٹے ذرّے سیاہ اور تاریک چیونٹیوں کی صورت میں باہر

آ ئے تو اس طرح سے قیامت تک دنیا میں آنے والی آدمؑ کی تمام اولاد صلب آدمؑ سے باہر آئی اور اس وادی کی فضا کو چیونٹیوں نے پُر کردیا۔ جب آدمؑ نیند سے بیدار ہوتے ہیں تو خدا نے آدمؑ سے خطاب کیا: "اے آدمؑ یہ سب تمہاری اولاد ہیں" تو کہا: "پروردگار! ان میں سے کچھ سفید اور نورانی اور کچھ سیاہ و تاریک ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟" خداوند متعال نے فرمایا: "ان میں سے جو سفید چہرے والے ہیں اُن کو میں جنت میں داخل کروں گا اور میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا اور ان میں سے جو سیاہ چہرے والے ہیں ان کو جہنم کیلئے خلق کیا ہے اور میں کسی سے پرواہ کرنے والا نہیں ہوں"۔ (تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی)

ذیل آیہ زیر بحث: جب حضرت آدمؑ نے اپنی اولاد کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ ان کے اندر اختلاف ہے، کچھ ان میں سے لمبے قد والے اور کچھ ان میں سے چھوٹے قد والے ہیں، کچھ ان میں سے خوبصورت اور کچھ ان میں سے بدصورت ہیں اور کچھ ان میں سے خوش و خرم اور کچھ غمگین و پریشان ہیں۔ عرض کیا: "خداوندا! ان سب کو ایک شکل و صورت پر خلق کیوں نہ کیا؟" خطاب کیا: "اے آدمؑ! میں صاحب حکمت ہوں، بیکار اور بے مقصد اور بے حکمت کام میں نہیں کرتا، بعض کو میں نے صاحب ثروت اور دولت خلق کیا ہے تا کہ محتاجوں کی دست گیری کریں اور بعض کو محتاج خلق کیا تا کہ صاحبان دولت کے کام آئیں اور دنیاوی کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور ہر ایک کا کام اور حرفت و صنعت گری آدمؑ کو بتا دی گئی ہے۔

امام محمد باقرؑ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"خداوند متعال نے عالم ذر میں مخلوقات کے ارواح کو ایک جگہ پر جمع کیا اور ہر ایک کے پیشہ و کام، صنعت و حرفت اور کاریگری کو اُن کے سامنے پیش کردیا، اس دن جس نے جس کام کو قبول کیا ہے جب وہ دنیا میں آیا ہے اسی کام کے پیچھے گیا ہے (یعنی وہی کام انجام دے رہا ہے)"۔ (اسرار الشہادۃ، صاحب وسائل)

اس وجہ سے عارف ربانی خواجہ عبداللہ انصاری عرض کرتا ہے:

"خداوندا! سب لوگ آخرت کے دن سے ڈرتے ہیں لیکن عبداللہ پہلے دن سے ڈرتا ہے کیونکہ میں نہیں جانتا ہوں کہ میں نے کس کام کو اختیار کیا ہے"۔

جب خداوند متعال نے مخلوقات سے عہد و پیمان لے لیا فرمایا: میں نے انسان کو نور و نار کی سے خلق کیا ہے، نور کا تقاضا اطاعت ہے اور نار کی کا تقاضا معصیت و نافرمانی ہے اور اطاعت و بندگی کا نتیجہ یہ ہے کہ صاحب اطاعت کو جنت میں لے جاؤں اور معصیت و نافرمانی کا نتیجہ یہ ہے کہ صاحب معصیت کو عذاب دوں اور جہنم کی آگ میں ڈال دوں۔ (جامع النورین ص ح: انسان، ص: ۴۰)

اب اولاد آدم علیہ السلام میں سے جو بھی دنیا میں مومن ہو کر آئے گا اور مومن ہی رہ کر دنیا سے جائے گا اور جو بھی دنیا میں کافر ہو کر آئے گا اور کافر ہی دنیا سے جائے گا اور جو بھی دنیا میں مومن ہو کر آئے گا اور کافر ہو کر جائے گا یا پھر جو بھی کافر دنیا میں آئے گا اور مومن دنیا سے جائے گا اور جو بھی سقط ہو جائے گا (سقط یعنی ماں کے پیٹ سے ہی بغیر پیدا ہونے کے گر جائے گا) سب آدم کو بتلائے گئے ہیں اور ان کا تعارف آدم علیہ السلام کو کرایا گیا ہے۔ جب آدم علیہ السلام کی اولاد کے ذرّوں نے اس وادی کو پُر کر دیا تو خداوند کریم نے سب سے عہد و پیمان لیا اور ایک آواز کے ساتھ کہ جس کو سب نے سُنا ہے تو سب ذرّوں نے یک زبان ہو کر کہا: ہاں! تو ہمارا خدا (یکتا) ہے اور ہم تیرے بندے ہیں اور تیری مخلوق ہیں۔ دوسری مرتبہ ندا آئی کیا میرا حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارا پیامبرؐ نہیں ہے اور اس کو تمام مخلوقات پر افضل و اشرف نہیں بنایا؟ تو ان میں سے کچھ نے اقرار و اعتراف کیا اور کچھ ان میں سے خاموش ہو گئے۔ پھر تیسری مرتبہ ندا آئی کہ وہ جنہوں نے میرے خدا اور محمدؐ کے رسول ہونے پر ایمان لایا ہے کیا علی علیہ السلام وصی، خلیفہ، جانشین محمدؐ نہیں ہیں، کیا علی علیہ السلام تمہارا امیر، سردار اور صاحب اختیار نہیں ہے؟ تو بہت سارے ایسے تھے جنہوں نے خدا کی وحدانیت اور خاتم الانبیاء کی نبوت کا اقرار کر لیا تھا انہوں نے جواب نہ دیا تو لہٰذا جنہوں نے اقرار نہ کیا اپنی پوری عمر آنحضرت (علی علیہ السلام) کی امامت کو قبول نہیں کریں گے اور جنہوں نے اقرار کر لیا تھا تو وہ دنیا میں آنے کے بعد پیامبر اکرم کا بلافصل خلیفہ و جانشین حضرت علی علیہ السلام کو تسلیم کرتے ہیں اور حضرت علی علیہ السلام کی خلافت و امامت پر یقین

رکھے ہیں۔(تفسیر برہان، ج۴، ص:۴۹)۔ پس خداوند متعال نے قلم کو حکم دیا تو اس نے ان کے اقرار واعتراف کو جو انہوں نے خدا کی وحدانیت اور پیغمبر اکرمؐ کی نبوت اور علیؑ کی امامت کا کیا تھا اس کو کتاب نامہ میں پانی سے بھی باریک اور لطیف تر لکھ دیا اور حجر الاسود جو کہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ تھا، کے حوالے کر دیا۔ اس نے بھی بطور امانت اس کو نگل لیا اور قیامت تک اس کی حفاظت کرے گا۔ حجر تمام لوگوں کو ان کے ناموں اور نشانیوں کے ساتھ پہچانتا ہے اور قیامت کے دن ان کے حق میں یا ان کے خلاف گواہی دے گا۔ کتاب "شاہدان صادق"[1] جو کہ انسان پر چوتھی کتاب ہے میں مفصلاً اس بارے میں بحث کی گئی ہے۔

---

[1] اس کتاب کا ترجمہ کساء پر شائع ہو چکا ہے۔ (مترجم)

خداوند کریم نے جن ذرّوں کو صلب آدمؑ سے نکالا تھا دوبارہ صلب آدمؑ کی طرف پلٹا دیا تا کہ اپنے اپنے زمانے میں دنیا میں آ گئیں۔ اب جتنے بھی اولاد آدمؑ میں سے دنیا میں آئے ہیں یا وہ جنہوں نے بعد میں دنیا میں آنا ہے اور دنیا سے چلے جائیں گے یا اپنی اپنی قبروں میں موجود ہیں گے یہاں تک کہ عالم ذر میں جو صلب آدمؑ سے باہر آئے تھے اُن میں سے ہر ایک دنیا میں باہر آ جائے۔ جب اُن میں سے آخری دنیا میں آئے گا قیامت برپا ہو جائے گی اور سب صحرائے قیامت میں اپنے نامہ اعمال کی پڑتال کے لئے جمع ہو جائیں گے۔

حضرت آدمؑ کے ساتھ جناب موسیٰؑ کی ملاقات

حضرت امام صادقؑ نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"حضرت موسیٰؑ نے پروردگار سے درخواست کی کہ حضرت آدمؑ سے ملاقات چاہتا ہوں۔ خدا نے بھی موسیٰؑ کی درخواست کو قبول کر لیا۔ جب حضرت موسیٰؑ نے حضرت آدمؑ سے ملاقات کی تو کہا: اے آدمؑ آپ وہ ہیں جس کو خدا نے اپنے دست قدرت سے خلق

کیا اور اپنی برگزیدہ روح کو آپ کے اندر ڈالا ہے اور فرشتوں کو آپ کے سجدہ کیلئے حکم کیا ہے اور جنت کو آپ کیلئے مباح کر دیا اور آپ اُس جنت میں رہے ہیں اور بغیر واسطے کے آپ سے خدا نے بات کی ہے۔ پس آپ کو خدا نے ایک درخت سے منع کیا اور آپ نے صبر نہ کیا جس کی وجہ سے زمین پر چلے گئے اور اپنے آپ کو نہ روک سکے، یہاں تک کہ شیطان نے آپ کو وسوسہ میں ڈال دیا اور آپ نے اس کی پیروی کی اور ہم کو مخالفت حکم خدا کی وجہ سے جنت سے نکال دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا اے بیٹے! جو کچھ تمہارے باپ سے ہوا ہے اس کی تلافی اور درگزر کرو اے بیٹے میرا دشمن (ابلیس) فریب وحیلہ کے راستے سے میرے پاس آیا اور خدا کی قسم کھائی اور کہا: میں آپ کو نصیحت کرنے والا ہوں، آپ سے خیانت نہیں کروں گا اور نصیحت و خیر خواہی کیلئے کہا اے آدم علیہ السلام میں تیرے حق میں بہت زیادہ غمگین و پریشان ہوں تو میں نے کہا: کیوں؟ کہا: کیوں کہ مجھے تیرے ساتھ محبت ہوگئی ہے میں تمہیں اس جگہ سے دوسری جگہ میں منتقل کرتا ہوں کیونکہ تم اس جگہ میں بہت بے آرام و بے سکون ہو تو میں نے کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ تو اس نے کہا: یہ تمہارے اپنے ہاتھ میں ہے، کیا یہ چاہتے ہو کہ تم کو ایک ایسے درخت کی نشاندہی کروں کہ جس درخت سے جس نے بھی جتنا کھا لیا وہ کبھی مر سکا نہیں اور ایک ایسا ملک اس کے ہاتھ میں آجائے گا جو کبھی فنا و برباد ہونے والا نہ ہوگا۔ پس آپ اور آپ کی زوجہ اس درخت سے کچھ کھائیں تا کہ ہمیشہ کیلئے جنت میں رہیں اور اپنی باتوں پر جھوٹی قسمیں کھائیں تو میں نے فکر کیا کہ میرا خیر خواہ ہے۔ مجھے گمان بھی نہیں ہوا کہ خدا کی بھی کوئی جھوٹی قسمیں کھا سکتا ہے، اس اعتبار سے اس پر میں نے اعتماد کیا لیکن یہ میرا عذر و سبب ہے۔ بعد میں فرمایا: اے میرے بیٹے موسیٰ علیہ السلام! جو کچھ تیرے اوپر خدا نے نازل کیا ہے اس میں کیا لکھا ہے کہ میرے خلق ہونے سے پہلے میری خطا لکھی ہوئی تھی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہاں! آپ کی خطا آپ کے خلق ہونے سے پہلے لکھی ہوئی تھی تو کہا: (آدم علیہ السلام نے) اے بیٹے! اپنی کتاب میں میری خطاء کو کتنے سال میری خلقت سے پہلے لکھا ہوا پایا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تیس ۳۰ سال! حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: پس میری خطاء یہی ہے اس کے علاوہ میری کوئی خطا نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت رسولِ خدا نے تین مرتبہ فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام دلیل و

برھان لانے میں حضرت موسیٰ (ع) پر غالب آ گئے۔ پھر حضرت موسیٰ (ع) کے پاس کوئی جواب نہ تھا کہ حضرت آدم (ع) کے سامنے پیش کرتے"۔ (حیات القلوب ج:۱ص:۴۲)

حضرت آدم (ع) کی طرف وحی کا آنا

خداوند متعال نے آدم (ع) کو وحی کے ذریعے دین کے تمام دستورات اور احکام تعلیم دیئے ہیں۔ امام محمد باقر (ع) فرماتے ہیں:

"خدا نے حضرت آدم (ع) کی طرف وحی فرمائی اور کہا: اے آدم (ع) میں نے تمام نیکیوں کو چار کلموں میں جمع کر دیا ہے: ایک کو اپنی ذات کے ساتھ اور دوسری کو تیری ذات کے ساتھ اور تیسری کو اپنے اور تیرے ساتھ اور چوتھی کو تیرے اور دیگر لوگوں کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے مگر وہ چیز جو میری ذات کے ساتھ ہے وہ تیری عبادت ہے کہ جس کو صرف میرے لئے انجام دو گے اور شرک کی آمیزش سے پاک رکھو گے اور میری ہی ذات تیری مقصود عبادت ہو۔

مگر وہ چیز جو تیری ذات کے ساتھ مخصوص ہے وہ یہ ہے کہ تیرے اعمال کی جزا دوں گا مگر اس صورت میں جب شدید احتیاج پیدا کرو گے اور وہ چیز جو میرے اور تیرے درمیان مشترک ہے وہ یہ ہے کہ تو دعا کرے گا اور اپنی حاجات کو مجھ سے طلب کرے گا اور میں تیری دعاؤں کو قبول کروں گا اور تیری حاجات کو پورا کروں گا اور چوتھی چیز جو تیرے اور دیگر لوگوں کے درمیان مشترک ہے وہ یہ ہے کہ جو کچھ اپنے لئے اختیار کرو گے اور جس کو پسند کرو گے دوسروں کے لئے بھی اسی چیز کو اختیار اور پسند کرو گے (اور جس چیز کو تم اپنے لئے پسند نہیں کرو گے دوسروں کیلئے بھی پسند نہیں کرو گے)۔ (بحار الانوار ج:۱۱ص:۲۵۷)

حضرت آدم (ع) پر وحی ہونے والی چیزیں

حضرت امیر المومنین علی (ع) سے نقل ہوا ہے آنحضرت فرماتے ہیں:

"ایک دن حضرت جبرئیل (ع) حضرت آدم (ع) پر نازل ہوئے اور کہا: اے آدم (ع)!

خدا نے تمھیں حکم دیا ہے کہ ان تین چیزوں میں سے ایک کو اختیار کرو اور دو چیزوں کو چھوڑ دو۔" فرمایا: اے جبرئیل علیہ السلام! وہ تین چیزیں کون سی ہیں؟ میرے سامنے اُن کو بیان کرتا کہ ان میں سے ایک کو منتخب کروں" حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: "اے آدم علیہ السلام! وہ تین چیزیں عقل، حیاء، دین ہیں۔ ان میں سے جس کو چاہتے ہو اس کو منتخب کرو" فرمایا: "میں نے عقل کو اختیار کیا ہے" تو جبرئیل علیہ السلام نے حیاء اور دین کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "عقل کو چھوڑ دو اور تم پلٹ جاؤ" تو حیاء اور دین نے کہا ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ جہاں پر عقل ہوگی ہم دونوں بھی اس کے ساتھ ہوں گے اور اس سے جدا نہیں ہوں گے۔ جبرئیل علیہ السلام نے اُن کو کہا: "پس تم عقل کے ساتھ رہو اور خود آسمان کی طرف پرواز کر گئے"۔

(الخصال شیخ صدوق ج:۱ص:۱۰۲)

حضرت آدم علیہ السلام کی کتاب

جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے اور زمین پر آگئے تو ان پر ایک کتاب نازل ہوئی (یہ پہلی کتاب ہے جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھی)۔ مرحوم سید ابن طاؤس کتاب "سعد السعود" میں فرماتے ہیں کہ: "حضرت ادریس علیہ السلام پیغمبر علیہ السلام کے صحف میں جہاں حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے یہ عبارت موجود ہے کہ جب ماہ رمضان کی ستائیسویں کی شب کے دو تہائی گزر گئے تو خداوند کریم نے سریانی زبان میں اکیس اوراق کی کتاب حضرت آدم علیہ السلام پر نازل فرمائی۔ اس کتاب میں قسم قسم کی زبانیں تھیں جن سے ہزار ہزار زبانیں بن گئیں اور کوئی کسی دوسری زبان کو نہیں جان سکتا اِلّا تعلیم کے ذریعے اپنی زبان کے علاوہ دوسری زبان کو سیکھ سکتا ہے۔ اور وہ چیزیں جو اس کتاب میں لکھی ہوئی تھیں وہ دین اسلام کی حدود و قیود، احکام و واجبات، خدا شناسی کے طریقے اور توحید کے اسباق تھے۔ (بحارالانوار ج:۱۱ ص:۲۵۷)

ایک دوسری روایت میں ہے ابن عباس نے پیامبر اکرمؐ سے نقل کیا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"مرسلین خدا میں سے پہلا مرسل حضرت آدم علیہ السلام ہے اور آخری مرسل محمدؐ ابن عبداللہ ہے

پھر حضرت نے ان کی تعداد بیان کی اور اولوالعزم نبیوں کو شمار کیا اور آسمانی کتابوں کو بیان کیا، یہاں تک کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: کہ آسمانی کتابوں کی تعداد ایک سو چار ہے۔ آدم علیہ السلام پر پچاس صحیفے، ادریس علیہ السلام پر تیس، ابراہیم علیہ السلام پر بیس، موسیٰ علیہ السلام پر توریت، داؤد علیہ السلام پر زبور، عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرقان کو نازل فرمایا (جو کہ آخری پیغمبرؐ ہے اور اس کی کتاب آخری کتاب ہے)"۔ (قصص بشر ص:۹۹)

حضرت آدم علیہ السلام کی وصیت

حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی عمر کی مدت میں اپنے بیٹوں کو مختلف وصیتیں کی ہیں۔ جن کو بیٹوں کی زندگی اور دینداری کیلئے ہدایت و راہنمائی کے طور پر شمار کیا ہے۔ ان میں سے کچھ اپنے بیٹے شیث علیہ السلام کو ارشاد فرمائی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت فرماتے ہیں: "اے بیٹے! تمہیں پانچ چیزوں کی وصیت کرتا ہوں اور تم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کرنی ہے تا کہ وہ ان پر عمل کر کے اپنی زندگی میں کامیاب ہو سکیں:۔

(۱) فرمایا اے شیث علیہ السلام! اپنی اولاد سے کہہ دو کہ دنیا پر اعتماد نہ کیا اور دنیا کے ساتھ دل نہ لگانا کیونکہ میں نے ہمیشہ رہنے والی جنت پر اعتماد کیا لیکن خداوند متعال نے اس کو ہمارے لئے پسند نہیں فرمایا اور اس میں ہمارے رہنے پر (میرے اور میری زوجہ) راضی نہیں ہوا اور ہم کو اس سے نکال دیا۔

(۲) حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: اے شیث علیہ السلام اپنے بیٹوں سے کہہ دو! اپنی عورتوں کے مطیع و فرمانبردار نہ بنیں اور ان کی خواہش دل کے مطابق عمل نہ کریں کیونکہ میں نے اپنی زوجہ کے خواہش دل کے مطابق عمل کیا اور ممنوعہ شجر سے کھایا تو دائمی ندامت کا سامنا کرنا پڑا اور میرے پشیمان ہونے نے کوئی فائدہ نہ دیا۔

(۳) اے شیث علیہ السلام اپنے بیٹوں سے کہہ دو! جس کام کو کرنے کا ارادہ کرو تو کام کرنے سے پہلے اس کے نتیجہ پر فکر ضرور کرو کیونکہ اگر میں نے اپنے کام کے نتیجے پر غور کیا ہوتا تو جو کچھ میرے ساتھ ہوا ہے وہ نہ ہوا ہوتا اور میری عاقبت بُری نہ ہوتی۔

(۴) اور کہا اے شیث علیہ السلام اپنے بیٹوں سے کہہ دو جب کسی کام کا ارادہ کرو اور دل میں اضطراب و پریشانی ہو تو اس عمل کو انجام نہ دیں اور اس سے پرہیز کریں کیونکہ جب میں نے ارادہ کیا کہ ممنوعہ درخت سے کھاؤں تو میرے دل میں اضطراب تھا لیکن میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور اپنے ارادہ سے پلٹا نہیں ہوں، لہٰذا اس کے بعد پشیمان ہوا ہوں اور خوشحالی کی حالت دُور ہو گئی، غمگینی و پریشانی میرے اوپر طاری ہو گئی۔

(۵) اے شیث علیہ السلام اپنے بیٹوں سے کہہ دو کہ کاموں کے کرنے میں ایک دوسرے سے مشورہ کریں اور خودسری سے کام انجام نہ دیں کیونکہ اگر میں فرشتوں کے ساتھ ممنوعہ درخت سے کھانے کے بارے میں مشورہ کرتا تو معصیت میں نہ پڑتا اور جنت سے نہ نکالا جاتا اور دنیا میں پریشان نہ ہوتا۔

(مواعظ العددیہ ص: ۱۷۱/ بحار الانوار ج: ۷۸ ص: ۲۵۲)۔

(۶) یہ وصیت جناب آدم علیہ السلام کی جریدتین کے بارے میں ہے (جریدتین: اُن دو سبز ٹہنیوں کو کہتے ہیں جن کو میت کے ساتھ رکھنے کا حکم ہے)۔ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکل دیئے گئے تو اُن پر وحشت طاری ہو گئی تو خداوند کریم سے درخواست گزاری کی کہ جنت کے درختوں میں سے ایک درخت کو بھیج دے تا کہ اس کا مونس و غمخوار ہو۔ خداوند متعال نے کھجور کا درخت بھیج دیا اور جب دنیا سے جانے لگے تو اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ اس درخت کی ٹہنیوں سے دو ٹکڑے کاٹ کر میرے کفن میں رکھ دیں تا کہ اُن سے اُنس و محبت حاصل ہو۔ یہ آنحضرت کا حکم اولاد آدم علیہ السلام میں معمول بن گیا اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے اس کی پیروی کی ہے، مگر جاہلیت کے زمانے میں یہ متروک ہو گیا اور جب اسلام آیا تو دوبارہ اس حکم کو بحال کیا۔ اس لحاظ سے مستحب ہے کہ جریدتین کو میت کی بغلوں میں رکھا جائے جو کہ کھجور یا انار کی ہونی چاہیے۔

(تخمینِ بشر ص: ۱۱۱)

حضرت آدم علیہ السلام کا جانشین

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جب حضرت آدمؑ کے بیٹوں نے قربانی کی اور ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی اور قابیل نے ہابیل پر حسد کیا اور بھائی کے قتل پر آمادہ ہو گیا اور فرصت کے انتظار میں رہا کہ باپ کی غیر موجودگی میں ہابیل کو قتل کر ڈالے۔ ایک دن فرصت مل گئی (یعنی موقع ہاتھ میں آ گیا) اور ہابیل کو قتل کر دیا۔ جب حضرت آدمؑ کو معلوم ہوا تو آنحضرتؑ بہت غمگین ہوئے اور خدا کی بارگاہ میں شکایت کی تو خداوند متعال نے آدمؑ کی طرف وحی کی اور کہا: ہابیل کے بدلے میں تجھے ایک ایسا بیٹا دوں گا جو تیرا جانشین ہوگا۔ اس کے بعد آدمؑ کو ایک پاک و پاکیزہ بیٹا عطا کیا۔ سات دن گزرنے کے بعد اس کا نام شیث رکھا۔ خدا نے وحی کی کہ اس تیرے بیٹے کو میں نے تجھے ھِبَۃ (بخشش کرنا) کیا ہے لہٰذا اس کا نام ھِبَۃُ اللّٰہ رکھو تو حضرت آدمؑ نے اس کا نام ھِبَۃُ اللّٰہ رکھ دیا۔ جب حضرت آدمؑ کی موت کا وقت قریب آیا تو خدا نے اس کی طرف وحی کی: اے آدمؑ تیری جان کو (روح) فلاں دن نکال لوں گا اور اپنی بارگاہ میں لے جاؤں گا۔ اپنے بیٹوں میں سے جو تیرا بہترین بیٹا ہے اس کو اپنا وصی و جانشین قرار دو! اور وہ تیرا بہترین بیٹا وہی ہے جسے ہابیل کے بعد تجھے ھِبَۃ کیا ہے اور جتنے اسماء کی تجھے تعلیم دی ہے وہ سب اس ھِبَۃ کو بھی بتلا دو اور کہہ دو کہ ان کو ایک تابوت میں رکھ کر اپنے پاس ان کی حفاظت کرے۔ حضرت آدمؑ نے اپنے بیٹوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا کہ: اے میرے بیٹو! خداوند متعال نے میری طرف وحی کی ہے کہ اے آدمؑ میں تیری روح قبض کرنے والا ہوں اور مجھے حکم دیا کہ اپنے بیٹوں میں سے جو بہترین بیٹا ہے اس کو اپنا وصی، خلیفہ، جانشین قرار دوں اور وہ شیثؑ (ھِبَۃُ اللّٰہ) ہے۔ خداوند متعال نے اس کو میرے بعد تمہارے اوپر حاکم قرار دیا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کی باتوں کو سنو کیونکہ شیثؑ میرا وصی، خلیفہ اور جانشین ہے تو انہوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہم اس کی اطاعت کریں گے اور اس کے احکام کی پیروی کریں گے اور کبھی اس کی مخالفت نہیں کریں گے اور ہر صورت میں اس کی تکریم و تعظیم کریں گے۔

پھر حضرت حضرت آدمؑ نے حکم دیا کہ ایک تابوت لے آؤ۔ جب تابوت کو لایا گیا تو آنجنابؑ نے تمام علوم و اسماء اور اپنے وصیت نامہ کو تابوت میں رکھا اور ھِبَۃُ اللّٰہ (شیثؑ)

کے حوالے کیا اور فرمایا: اے ھِبَۃُ اللّٰہ جب میں دنیا سے چلا جاؤں تجھے غسل دینا، کفن دینا اور میرے اُوپر نماز پڑھنا اور قبر میں دفن کر دینا اور جب چالیس دن گزر جائیں تو کسی کو خبر کیے بغیر میری ہڈیوں کو نکال کر اسی تابوت میں رکھ دینا اور اپنے پاس ان کی حفاظت کرنا اور کسی کو اپنے سوائے اس تابوت کا امین قرار نہ دینا اور جب موت محسوس کرو تو اپنے بیٹوں میں سے بہترین بیٹے کو اپنا وصی بنانا اور جو کچھ میں نے تجھے وصیت کیا ہے وہ سب کچھ اس کو وصیت کرنا اور تابوت اس کے حوالے کرنا اور کہنا کہ وہ بھی مرنے کے بعد اپنے بہترین بیٹے کو وصیت کرے اور اس کو اپنا جانشین بنائے تا کہ قیامت کے دن تک زمین عالم اور خلیفہ سے خالی نہ ہو۔ اس کے بعد فرمایا: آپ نے دیکھا ہے کہ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل سے کیا کیا ہے۔ اس ملعون سے اور اس کی اولاد سے دور رہو اور اس کے ساتھ رہ کر زندگی نہ گزارنا۔ تمہاری اولاد اس کی اولاد سے شادی بیاہ نہ کرے۔ پھر فرمایا: اے شیث علیہ السلام اپنے بھائیوں اور بہنوں کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر رہو اور وہاں پر سکونت کرو اور قابیل ملعون اور اس کی اولاد کو پہاڑ کے نیچے رکھو کیونکہ تم اُن سے بلند و بالاتر ہو۔ (بحار الانوار ج: ۲۳ ص: ۵۹)

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات

جب حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیتیں کر لیں اور علوم و اسماء اور اپنا وصیت نامہ شیث علیہ السلام کے سپرد کر دیا تو فرمایا: میرا دل جنت کے پھل کی خواہش کر رہا ہے لوہے کے پہاڑ کے اُوپر جاؤ وہاں پر جبرئیل علیہ السلام اور ایک گروہ فرشتوں کا تمہیں ملے گا میری طرف سے اُن سب کو سلام کرنا اور کہنا: میرا باپ آدم علیہ السلام بیمار ہے اور چاہتا ہے کہ آپ اس کے لئے جنت کے پھل، کھانا اور روغن زیتون آمادہ کریں جو کہ جنت کے فلاں مکان میں ہے۔ شیث علیہ السلام باپ کے حکم کے مطابق چل پڑے اور لوہے کے پہاڑ کے اُوپر گئے اور جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ستر ہزار فرشتوں کو دیکھا، جبرئیل علیہ السلام نے شیث کو سلام کیا اور عرض کیا کہاں جا رہے ہو؟ فرمایا: اے بندہ خدا! تم کون ہو؟ عرض کیا: روح الامین جبرئیل علیہ السلام ہوں۔ جب پہچان لیا فرمایا: اے جبرئیل علیہ السلام میرا باپ بیمار ہے مجھے بھیجا ہے کہ اس کے سلام کو آپ تک پہنچاؤں اور بتلاؤں کہ میرے باپ نے جنت کے پھل اور کھانے کی خواہش کی ہے اور

چاہتا ہے کہ مجھ اس کے لئے آمادہ کریں۔ جبرئیل ؑ نے عرض کی: سلام اور خدا کی رحمت آپ کے باپ آدم ؑ پر ہو، وہ دنیا سے چلے گئے ہیں اور ملک الموت نے اس کی روح کو قبض کر لیا ہے۔ میں اس کے احترام و تعظیم کیلئے بھیجا گیا ہوں۔

خداوند متعال تجھے تیرے باپ کی مصیبت میں عظیم اجر و ثواب عطا کرے اور تجھے صبر جمیل عنایت کرے، تیری وحشت اور تنہائی کو اپنی محبت کے ذریعے دور کرے، جاؤ اپنے باپ کی طرف پلٹ جاؤ۔ حضرت شیث ؑ، جبرئیل ؑ اور فرشتوں کے ساتھ وہ سامان جو حضرت آدم ؑ کے غسل و کفن اور دفن کے لئے جنت سے لائے تھے، لے کر حضرت آدم ؑ کے پاس آ گئے۔ جب حضرت آدم ؑ کے پاس پہنچے تو وہ پہلا کام جو شیث ؑ نے انجام دیا اپنے باپ کے سرہانے کے نیچے سے وصیت نامہ کو نکالا اور اپنی کمر کے ساتھ باندھ لیا۔ جبرئیل ؑ نے عرض کیا: اے شیث ؑ خداوند کریم نے تجھے سرداری اور کرامت عطا کی ہے اور لباس عافیت تجھے پہنایا ہے اور مجھے اپنی جان کی قسم ہے کہ خدا نے تجھے اس عظیم کام کیلئے منتخب کیا ہے جو کہ روئے زمین کی خلافت ہے (اور یہ خبری تجھے عطا کر دی ہے) اس کے بعد جبرئیل ؑ اور شیث ؑ نے آدم ؑ کو غسل دیا اور جبرئیل ؑ نے غسل دینے کا طریقہ شیث ؑ کو تعلیم دیا، یہاں تک کہ غسل سے فارغ ہو گئے۔ اس کے بعد جبرئیل ؑ نے کفن دینے اور حنوط کرنے کا طریقہ شیث ؑ کو تعلیم دیا، یہاں تک کہ کفن دینے سے فارغ ہوئے اس کے بعد قبر کھودنے کا طریقہ سکھایا۔ جب حضرت آدم ؑ کو کفن دے کر شیث ؑ فارغ ہو گئے تو جبرئیل ؑ نے شیث ؑ کے ہاتھ کو پکڑا اور نماز میت کیلئے آدم ؑ کے سامنے کھڑا کیا اور عرض کیا: ستر (۷۰) دفعہ اپنے باپ پر تکبیر کہو اور تکبیر کہنے کا طریقہ سکھایا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ شیث ؑ کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہو جائیں۔ شیث ؑ نے کہا: کیا میں نماز کو پڑھوں جبکہ تم (جبرئیل ؑ) اور دیگر فرشتے جو کہ خدا کی عظیم مخلوق موجود ہے؟ جبرئیل ؑ نے عرض کیا: کیا نہیں جانتے ہو؟ جب خدا نے آپ کے باپ آدم ؑ کو خلق کیا، اس کو ملائکہ کے سامنے کھڑا کیا اور ان کو حکم دیا کہ آدم ؑ کو سجدہ کرو اور آدم ؑ جنت میں فرشتوں کے امام اور پیشوا رہے ہیں اب جب دنیا

سے جا چکے ہیں تو تم اُن کے علم کے وارث ہو اور تم سے زیادہ اس بات کے حقدار ہو کہ تم اپنے باپ کے جنازہ پر نماز پڑھاؤ۔ جبرئیل علیہ السلام اور دوسرے فرشتوں نے حضرت شیث علیہ السلام کی اقتداء میں حضرت آدم علیہ السلام پر نماز جنازہ پڑھی اور جبرئیل علیہ السلام نے شیث علیہ السلام کو نماز میت پڑھنے کا طریقہ بھی تعلیم دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی قبر

حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کے متعلق اختلاف ہے:

(۱) بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی قبر مقام منیٰ میں مسجد خیف میں ہے (جس کی وجہ سے اس مسجد میں نماز کا پڑھنا بہت فضیلت رکھتا ہے)۔

(۲) حضرت ادریس علیہ السلام کے صحف سے نقل ہوا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام دس دن بیمار رہے اور سخت بیمار ہو گیا اور گیارہویں محرم جمعہ کے دن وفات پائی ہے۔ جب دنیا سے چلے گئے تو شیث علیہ السلام (ھِبَةُ اللّٰہ) نے کوہ ابو قبیس کے ایک غار میں ان کو دفن کر دیا اور طوفان کے وقت تک وہاں ہی رہے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس تابوت کو نکالا جس میں حضرت آدم علیہ السلام دفن ہوئے تھے اور اپنی کشتی میں رکھ لیا جبکہ تابوت کے پائے اقدس پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کے تابوت کو حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی میں رکھا تو کعبہ کے کئی طواف کیے اور کشتی چل پڑی یہاں تک کہ کوفہ کے مقام پر پہنچی تو خداوند متعال نے فرمایا: اے زمین اب پانی کو اپنے اندر لے لو! تو زمین نے سارے پانی کو مسجد کوفہ کے مقام سے اپنے اندر لے لیا۔ جس طرح کہ پانی کی ابتداء بھی اسی مسجد سے ہوئی تھی۔

چنانچہ پانی کے زمین میں چلے جانے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے تابوت آدم علیہ السلام کو کشتی سے نکالا اور نجف اشرف میں دفن کر دیا اور ابھی تک حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی قبریں امیر المومنین علی علیہ السلام کی قبر مطہر کے نزدیک موجود ہیں۔ بعض روایات کہتی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کوہ ابو قبیس میں ہے اور بعض دوسری روایات کہتی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی قبر نجف اشرف میں ہے۔

مذکورہ مطالب سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت آدم علیہ السلام حرم مکہ کوہ ابو قبیس میں دفن ہوئے تھے اور بعد میں حضرت نوح علیہ السلام آنحضرت کے جنازے کو نجف اشرف میں لائے اور نجف اشرف میں دفن کیا۔ (حیات القلوب ج:۱ ص ۹۰ / بحار الانوار ج:۱۱)

اس حصے میں حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر کا واقعہ مکمل ہو گیا۔ اس کے دوسرے حصے میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے دورانیہ عمر کے بارے میں بحث کریں گے۔

☆☆☆☆☆

انسان کے بارے میں

انسان کی بعض خصوصیات

ہمیں ابتدائی طور پر جاننا چاہیے کہ انسان اُنس سے لیا گیا ہے اور اُنس کے معنی ایک دوسرے کے ساتھ اُلفت و مہربانی کرنے کے ہیں۔ یا انسان نسیان سے لیا گیا ہے جس کے معنی بھول جانے کے ہیں کیونکہ انسان بھول جانے والا ہے۔ تمام مخلوقات کے درمیان صرف انسان ہی بات کرتا ہے اور اس کی بات کرنا عقل و منطق اور فہم و شعور پر مبنی ہوتی ہے۔ انسان دیگر حیوانات کی نسبت جو کہ غاروں اور بیابانوں میں زندگی بسر کرتے ہیں، شہروں میں رہنا پسند کرتا ہے اور آبادیوں میں زندگی گزارتا ہے۔ اس کی زندگی معاشرتی زندگی ہے اور اپنی احتیاجات کو دوسروں کے ذریعے اور ان کی مدد و تعاون سے پوری کرتا ہے۔ یہ انسان ہے کہ جس کو ہدایت کرنے والے رہنما کی ضرورت ہے تا کہ اپنے راستے کو گمراہی کے کنویں سے الگ کرے اور بدبختی و شقاوت کو بجائے خوش بختی اور سعادت کے اختیار نہ کرلے۔ یہ انسان ہے کہ جس کے وجود کی وجہ سے تمام چیزوں کو وجود ملا ہے اور ساری کی ساری چیزیں انسان کے فرمان و اختیار میں دی گئی ہیں۔ یہ انسان ہے کہ جو آئے دن ترقی و کمال اور تکامل کی طرف آگے بڑھتا ہے اور نت نئے عجیب و غریب اختراعات اور مکاشفات انجام دیتا ہے۔ یہ انسان ہے کہ جس نے ہر چیز کو مسخر کرلیا ہے اور عالم بالا کے کرات میں قدم رکھ چکا ہے اور بے انتہا فضاء میں سفر کرکے اس کو اپنا تخت و تاج قرار دیا ہے۔ یہ انسان ہے کہ لاکھوں دوسرے انسانوں کو سعادت کی بلندی کی چوٹی پر بلند کر دے یا شقاوت و بدبختی کے بے انتہاء گہرے گڑھے میں گرا دے۔ یہ انسان ہے کہ اس قدر استعداد رکھتا ہے کہ ایک اشارہ کے ساتھ ہزاروں مطالب کو درک کرے اور ہر مطلب سے دوسرے مطالب کو حاصل

کرے۔

اور حافظ کے قول کے مطابق۔

نگار من کہ بہ مکتب نرفت و خط ننوشت

بہ غمزۂ مسئلہ آموزِ صد مدرّس شد

میرا محبوب جو درس نہیں گیا اور خط نہیں لکھا

مسئلے کی حقیقتوں کو سمجھنے کی وجہ سے سینکڑوں اُستادوں کا اُستاد بن گیا

یہ انسان ہے کہ جو یہ لیاقت رکھتا ہے کہ عالم خاکی سے بلند ہو کر فرش و عرش کو زیر پا قرار دے کر بلندی کے اس مقام پر پہنچ سکتا ہے کہ امین وحی فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام) کہتا ہے: "بس اس کے بعد خود اپنے سفر کو جاری رکھو، کیونکہ اس سے آگے بڑھنے کی قدرت نہیں رکھتا کہ تیرے ہمراہ سفر کو جاری رکھ سکوں"۔ یہ انسان ہے کہ جو اپنے اعمال اور کردار کی وجہ سے جنت جاودانی کے بلند محلوں کو اپنی ہمیشگی رہائش گاہ قرار دے یا جہنم کی آگ کو اپنی دائمی سکونت گاہ بنا لے۔ یہ انسان ہے کہ جس کا وجود متضاد و متناقض صفات کا مجموعہ ہے اور انسان کی مٹی میں اُن صفات کو خمیر کیا گیا ہے اور وہ متضاد صفات یہ ہیں: ایمان و کفر، عدالت و ظلم، شہوت و عفت، پاک دامنی و آلودگی، شجاعت و خوف، امانت و خیانت، شکر و کفر، بھروسہ و لالچ، رحمت و غضب، مہربانی و قساوت، عجز و انکساری و تکبر، علم و جہل، فہم و حماقت، امیدواری و ناامیدی وغیرہ۔ ان تمام صفات کی بازگشت ان چار چیزوں کی طرف ہوتی ہے: (۱) حیوانات میں شہوت اور لالچ پائی جاتی ہے۔ (۲) درندوں سے غضب و حسد، دشمنی و کینہ ظاہر ہوتا ہے۔ (۳) شیاطین سے مکر و حیلہ اور فریب و دھوکہ ظاہر ہوتا ہے۔ (۴) خداوند متعال سے تکبر و غرور، انتقام و بخشش، دوستی و دشمنی اور تعریف و تمجید کا ظہور ہوتا ہے۔

لفظ انسان قرآن میں

قرآن مجید میں کلمہ انسان پینسٹھ (۶۵) دفعہ ذکر ہوا ہے اور آدم علیہ السلام کی اولاد کو انسان کہا جاتا ہے لیکن انسان کے ظاہری صورت و جسد کو نہیں کہا جاتا ہے بلکہ انسان کے باطن، استعداد، محبت اور

انسانیت پر اطلاق کرتا ہے اور اب وہ آیات جن میں کلمہ انسان کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ انسان (ذات اور حیوانیت کے پہلو کی نسبت سے) ضعیف و کمزور پیدا ہوا ہے۔ (سورۂ نساء:۲۸)

۲۔ انسان خدا کی رحمت اور لطف و کرم کے باوجود ظلم کرنے والا اور اس کی نعمتوں کا کفر کرنے والا ہے۔ (سورۂ ابراہیم:۳۴)

۳۔ انسان اپنے لئے خیر و خوبی کو شوق و رغبت کے ساتھ طلب کرتا ہے اور بسا اوقات نادانی سے اسی شوق و رغبت کی وجہ سے شر و نقصان کو طلب کرتا ہے، یہ انسان بہت بے صبری و عجولت اور جلدی کرنے والا ہے۔ (سورۂ اسراء:۱۱)

۴۔ انسان دوسری ہر چیز سے زیادہ حکم حق کے مقابلے میں جنگ و جدال اور جھگڑا کرنے والا ہے۔ (سورۂ کہف:۵۴)

۵۔ انسان ایسی مخلوق ہے جو فطرتی طور پر سخت اور بے صبر خلق ہوا ہے۔ (سورۂ معارج:۱۹)

۶۔ انسان نہیں جانتا کہ سوائے اس چیز کے جس کو اس نے سعی و کوشش اور عمل سے انجام دیا ہے۔ کسی چیز کا (اجر و ثواب اور جزاء) مستحق نہ ہوگا۔ (سورۂ والنجم:۳۹)

۷۔ انسان کو اپنے والدین کے حق میں نیکی اور حسن عمل سے پیش آنے کا دستور دیا ہے۔ (سورۂ احقاف:۱۵)

۸۔ انسان جب رنج و سختی اور مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے خواہ وہ بیٹھا ہو، خواہ سویا ہو، خواہ کھڑا ہو فوراً (ہمارے دامن کو پکڑتا ہے) ہماری بارگاہ میں دعا کرتا ہے جب اس کی مصیبت رنج و الم دور ہو جاتا ہے تو اس طرح پہلی حالت کی طرف پلٹ جاتا ہے کہ گویا اس نے ہم کو مصیبت و تکلیف کو دور کرنے کیلئے کہا ہی نہیں ہے۔ (سورۂ یونس:۱۲)

۹۔ انسان کو اگر کوئی نعمت عطا کی جاتی ہے تو اس کو شکر بیادا کرنا چاہیے لیکن کفر کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں جب ہم نے نعمت کو اس سے سلب کر لیا۔ ہماری بارگاہ سے ناامید ہو کر کافر ہو جاتا ہے۔

(سورۂ ھود: ۸)

۱۰۔ انسان جب دولت مند اور صاحب ثروت ہو جاتا ہے اور اس کی احتیاجات پوری ہو جاتی ہیں تو پھر طغیانی (سرکشی) کیوں کرتا ہے اور متکبر و مغرور کیوں ہوتا ہے۔ (سورۂ علق: ۵)

ہم نے ان دس ۱۰ آیات میں مشاہدہ کیا ہے کہ لفظ انسان ظاہری جسم و صورت کیلئے استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ انسان کے باطن اور ذات پر اطلاق ہوا ہے۔

﴿مذکورہ آیات میں انسان کی ناپسندیدہ اور مذموم صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔﴾

البتہ انسانیت انسان اور ایمان و تربیت ہونے کی صورت میں کے بارے میں قرآن اس طرح فرماتا ہے:

"انسان خدا اور خدا حال کی بہت بلند و عالی اور قدر و قیمت رکھنے والی مخلوق ہے اور امانت خدا کی امین ہے" (سورۂ احزاب: ۷۲) "اور روئے زمین پر انسان خدا کا خلیفہ ہے" (سورۂ البقرۃ: ۳۰)۔ انسان کو الٰہی فرائض کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے اور انسان مکلف ہستی ہے۔ (سورۂ مومن: ۱۴، سورۂ بینہ: ۵)۔ جب انسان خدا کا نام لیتا ہے یا سنتا ہے تو اس کا دل اپنی جگہ سے اکھڑ جاتا ہے اور جب خدا کی آیات کو اس پر تلاوت کیا جاتا ہے تو اس کا ایمان کامل ہو جاتا ہے۔ (سورۂ انفال: ۲)۔ انسان اپنے کاموں کو خدا کے سپرد کرتا ہے اور اس پر بھروسہ کرتا ہے۔ (سورۂ طلاق: ۳)۔ (یہ ساری صفات بھی انسان کی نیک اور پسندیدہ صفات شمار ہوتی ہیں)۔ منطق (علم منطق) انسان کے معنی کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ انسان حیوان ناطق ہے بات کرنے والا موجود ہے سیدھا اور اپنے دو پاؤں پر راہ چلنے والا ہے۔ الفت و محبت اور انس کے معنی میں آتا ہے اور فطرتی طور پر شہری ہے اور آبادی میں رہنا پسند کرتا ہے اور کلمہ انسان عورت مرد دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔

لفظ بشر قرآن میں

قرآن مجید میں لفظ بشر ۲۵ دفعہ ذکر ہوا ہے اور ایک بار بشرین کا لفظ آتا ہے اور وہ بھی انسان کے معنی میں ہے چنانچہ آدمی کو اس کے فضائل و کمالات، صفات و استعداد خواہ نیک ہوں یا بد انسان کہا جاتا ہے (کہ جس کا تذکرہ ہو چکا ہے) اور آدمی کو اس کی ظاہری شکل و صورت اور جسم و بدن

کی وجہ سے بشر کہا جاتا ہے۔ بشر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی جلد و کھال اس کے بالوں سے ظاہر ہوتی ہے جبکہ حیوانات کا بدن بالوں، اون اور پشم وغیرہ سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ (مفردات راغب اصفہانی)

انسان مخلوقات کا سر سبز پھول ہے

تربیت وہدایت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ افراد کو شخصیت دینا ہے۔ قرآن مجید نے دنیا کے انسانوں کی تربیت وہدایت کے لئے ان کی تعریف و توصیف کی ہے اور ان کی بزرگی وعظمت کو بیان کیا ہے اور فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾ (سورۂ اسراء:۷۰)

"ہم نے اولاد آدمؑ کو کرامت بخشی ہے اور ان کو خشکی و سمندری سواریوں پر سوار کیا ہے اور مختلف قسم کی پاکیزہ روزی عطا کی ہے اور بہت ساری مخلوقات پر فضیلت و برتری بخشی ہے"۔

اس آیت مبارکہ نے انسان کی نسبت سے تین قسم کی خدائی عطیات کا ذکر کیا ہے: (۱) ہم نے اولاد آدمؑ کو مختلف سواریوں کا اختیار دیا ہے تاکہ خشکی و سمندری سفروں کو طے کر سکیں۔ (۲) ہم نے اولاد آدمؑ کو طیبات اور پاک و پاکیزہ چیزوں سے روزی عطا کی ہے۔ (۳) اور ہم نے اولاد آدمؑ کو اپنی بہت ساری مخلوقات پر برتری اور فضیلت بخشی ہے۔

یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ خدا نے جتنے عطیات انسان کو بخشے ہیں ان میں سے سب سے پہلے پانی اور خشکی پر حرکت کے مسئلہ کی طرف اشارہ کیوں کیا ہے؟ ممکن ہے اس لحاظ سے ہو کہ طیبات اور مختلف قسم کی روزی بغیر حرکت کے انسان حاصل نہیں کر سکتا اور زمین پر حرکت کرنے کے لئے انسان سواری کا محتاج ہے یعنی حرکت ہر قسم کی برکت کا مقدمہ ہے۔

انسان کے امتیازات

خداوند کریم نے انسان کو کچھ چیزوں کے ساتھ بزرگی و کرامت بخشی ہے اور تمام مخلوقات پر

امتیازات دیئے ہیں:۔

(۱) خدا نے انسان کو قوت، عقل، نطق اور مختلف قوتوں اور آزادی ارادہ کے ساتھ ممتاز کیا ہے۔

(۲) اور موزوں بدن، سیدھی قد و قامت کے لحاظ سے انسان ممتاز ہوا ہے (تمام حیوانات کے درمیان صرف انسان ہے کہ جس کا موزوں جسم اور قد و قامت سیدھی ہے)۔

(۳) خدا نے انسان کو انگلیاں عطا کرکے کرامت بخشی ہے (انسان اپنی انگلیوں کے ساتھ ظریف و دقیق، گہرے اور خوبصورت) کاموں کو انجام دیتا ہے، مثلاً کتابت کرنا، لکھنا وغیرہ بر خلاف دیگر مخلوقات کے)۔

(۴) خدا نے انسان کو اس لحاظ سے بھی ممتاز کیا ہے کہ دیگر مخلوقات میں انسان واحد مخلوق ہے جو اپنی غذا اور خوراک کو اپنے ہاتھوں کے ساتھ کھا سکتی ہے۔

(۵) انسان روئے زمین کی تمام مخلوقات پر کامل طور پر مسلط ہے اور دوسری کوئی مخلوق اس طرح نہیں ہے۔

(۶) خداوند متعال کی اطاعت اور فرمانبرداری پر قدرت رکھتا ہے اور اس کو عقل و شعور اور اس کے آثار کے ذریعے پہچاننے پر قادر ہے۔

(۷) خداوند کریم نے فقط انسان کو اپنے دست قدرت سے خلق فرمایا ہے اور دیگر تمام مخلوقات کو امر اور کُنْ فَیَکُوْن کے ذریعے وجود بخشا ہے اور جو چیز خود خدا کے ہاتھ سے خلق ہوئی ہو تو ظاہر ہے کہ اس پر خدا کی عنایات دیگر مخلوقات کی نسبت سے زیادہ ہوئی ہے اور جس پر نظر لطف و کرم زیادہ ہوگی وہ اکمل و کامل تر ہوگی۔

(۸) اور انسان کی خوبصورتی و زیبائی اس کی صورت اور چہرہ کی خوبصورتی کے ساتھ ہے اور چہرے کا خوبصورت ہونا یہ انسان کا امتیاز ہے۔ قرآن اس کے متعلق فرماتا ہے: خداوند متعال نے تمہارے چہرے کا جب نقشہ و تصویر بنائی تو اس نے تمہیں بہترین شکل و صورت عطا کی ہے۔ (سورۂ مؤمن: ۶۴)

(۹) انسان ہی وہ مخلوق ہے جس نے خدا کی امانت کو قبول کیا ہے اور انسان کے علاوہ دیگر مخلوقات نے امانت خدا کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ (سورۂ احزاب ۷۲ تا ۷۳)

خلاصۂ کلام: انسان دیگر مخلوقات پر بہت زیادہ امتیازات رکھتا ہے اور ہر ایک انسان کا امتیاز جالب اور بلند و بالا ہے جبکہ جسمانی امتیازات کے علاوہ انسان کی روح بے انتہا عالی قوتوں کا مجموعہ ہے اور تکامل و کمال کے راستے کو طے کرنے کی بے حد و حساب طاقت رکھتا ہے۔

انسان کی فضیلتیں

انسان صرف جنات اور حیوانات پر ہی برتری و فضیلت نہیں رکھتا بلکہ آسمانی فرشتوں پر بھی فضیلت و برتری رکھتا ہے۔

(۱) عبد ابن سنان کہتا ہے میں نے امام صادق علیہ السلام کی بارگاہ میں سوال کیا کہ کیا ملائکہ افضل ہیں یا اولاد آدم علیہ السلام؟ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: "حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا: خدا نے فرشتوں کو خلق کیا تو ان میں شہوت کے بغیر فقط عقل کو ودیعت کیا اور جب حیوانات کو خلق کیا تو ان میں عقل کے بغیر فقط شہوت کو ودیعت کیا ہے اور جب اولاد آدم علیہ السلام کو خلق کیا تو دونوں کو (عقل و شہوت) اُن کے جسم و بدن میں ودیعت کیا ہے۔ چنانچہ وہ انسان جس کی عقل اس کی شہوت پر غالب آجائے وہ فرشتوں سے بلند و بالا ہے اور جس کی شہوت اس کی عقل پر غالب آجائے تو وہ حیوانات سے بھی پست تر اور بے قیمت ہو جاتا ہے۔ (بحار الانوار، ج:۶۰، ص:۲۹۹/ میزان الحکمہ، ج:۱، ص:۳۶۴/ علل الشرائع، ج:۱، ص:۵)

(۲) حضرت امام صادق علیہ السلام نے حضرت رسول خدا سے نقل کیا ہے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ: "مومن کا مرتبہ و مقام خداوند کریم کی بارگاہ میں ملک مقرب کی طرح ہے (ملک مقرب خداوند متعال کی بارگاہ کا مقرب ترین فرشتہ)" اور فرمایا: "مومن خدا کے نزدیک فرشتے سے بھی افضل ہے اور خدا کے نزدیک توبہ کرنے والے مرد و عورت سے زیادہ عزیز تر اور قریب تر کوئی نہیں ہے"۔ (صحیفۃ الرضا

علیہ السلام، ص:۲۰)

(۳) ابوحمزہ ثمالی جو کہ امام زین العابدین علیہ السلام اور امام محمد باقر علیہ السلام کے شاگردوں میں سے ہیں، امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں: حضرت آدم علیہ السلام کی وفات پر شیث علیہ السلام (ھبۃ اللہ) نے جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات کی اور دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے جنازہ کے پاس آئے، جناب شیث علیہ السلام (ھبۃ اللہ) نے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا: آگے کھڑے ہو جاؤ اور حضرت آدم علیہ السلام کی نماز جنازہ پڑھاؤ؛ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: اے ھبۃ اللہ جب سے خدا نے فرشتوں کو آپ کے باپ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے اس کے بعد جائز نہیں ہے کہ فرشتے اولاد آدم علیہ السلام کی امامت کریں (بلکہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں کی جماعت کا امام ہونا چاہیے)۔ (کمال الدین اور تفسیر نور الثقلین، ج:۱، ص:۵۸)

(۴) اسی مسئلہ کے متعلق نقل ہوا ہے: جب رسول خداؐ کو معراج پر لے جایا گیا تو نماز کے موقع پر جبرئیل علیہ السلام نے اذان دی اور اقامت کہی اور عرض کیا: اے محمدؐ آگے بڑھئے اور نماز جماعت کو شروع کریں؛ حضرت رسول خداؐ نے جبرئیل علیہ السلام کو آگے ہونے کیلئے اور نماز جماعت کروانے کیلئے کہا: تم آگے کھڑے ہو جاؤ اور نماز جماعت کراؤ؛ عرض کیا: یا رسول اللہؐ جب سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تب سے انسان پر امامت کا حق ختم ہو گیا ہے (اس دن سے اولاد آدم علیہ السلام فرشتوں کی امامت کا حق رکھتے ہیں)۔ (علل الشرائع/ بحار الانوار، ج:۱۸، ص:۳۰۲/ نور الثقلین، ج:۱، ص:۵۸)

یہ وہ روایات ہیں جنہوں نے انسان کی برتری اور فضیلت کو فرشتوں پر وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے (خداوند کریم انشاء اللہ ہم کو صحیح عقل و درک اور عبادت و شناخت کی زیادہ توفیقات عنایت فرمائے تاکہ یہ فضیلت داغدار نہ ہو جائے)۔

تمام چیزیں انسان کی وجہ سے وجود میں آئی ہیں

قرآن مجید انسان کی مناسب فضیلت و شرافت کا قائل ہے اور فطرتی دنیا کی تمام نعمتوں کو انسان کیلئے سمجھتا ہے اور دوسری مخلوقات کو انسان کی وجہ سے وجود عطا کیا ہے۔ بلند آسمان کی عمارت کو اٹھایا ہے، زمین کی گود مہیا کی ہے، دن رات کی گردش کو معین کیا، چاند کو چاندنی اور سورج دنیا کو روشنی عطا کی ہے اور زندگی کے آ ثار ان کو گرمی اور روشنی بخشی ہے اور جہاں میں ٹھنڈی ہوا کو چلایا، بھاری تلی چادر کے فرش کو بچھایا، سیراب کرنے والے بادل دوش پر مشک آب کو جوش و جذبہ کے ساتھ اٹھائے ہوئے ہیں، ہوا، برف، بارش، رنگا رنگ پھول، رنگ برنگی نباتات اور مختلف قسموں کے پھلوں کو پیدا کیا۔ صحرائی سمندری جانوروں کی اقسام کے استفادہ کیلئے تیار کی گئی ہیں۔ سمندر کے اندر لؤلؤ، مرجان، پتھر کی آغوش میں چھپے ہوئے موتیوں کی تربیت کی ہے سونے چاندی کے معدنی خزانے، لوہے، تیل اور معدنیات پہاڑوں کے سینوں اور زمین کی گہرائیوں میں ذخیرہ کیے ہیں اور ستاروں کو جن کا نور چاندی کے رنگ کا ہے نیلے آسمان کے ورق پر مزین کیا ہے۔ آسمانی کرات کے راستوں کو مسخر کیا ہے فطرتی طاقتیں خدمت کیلئے کمر بستہ ہیں۔ ان ساری اور ہزاروں دوسری عالم ہستی کی نعمتوں کو انسان کے لئے خلق کیا ہے اور مختلف اقسام کی رحمت اور رنگ برنگی نعمتوں کے دسترخوان احسان کو آراستہ کیا ہے تو اس عظیم القدر انسان کیلئے۔

قرآن کریم اس مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

﴿أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً﴾ (سورہ لقمان: ۲۰)

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خداوند متعال نے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور اپنی تمام ظاہری و باطنی نعمتوں کو تمہارے لئے پیدا کر کے عطا کیا ہے"۔

ہاں! خدا نے تمام انسانوں کو اس آیت مبارکہ میں مخاطب کیا ہے اور فرماتا ہے کیا تم نے نہیں دیکھا ہے کہ خدا نے آسمانوں اور زمین کی ہر ایک چیز کو تمہارے حکم کے سامنے مسخر کر دیا ہے کہ تمہارے

نفع و منفعت کے راستے میں حرکت کریں۔ ایک دوسری آیت میں سمندر کے متعلق یوں فرماتا ہے:

"خدا نے سمندر کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے تا کہ اس کے حکم کے ساتھ پانی پر کشتی چلنے لگے اور تم خدا کے فضل و کرم سے مواد خوراکی کو حاصل کرسکو اور اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو"۔ (سورۂ جاثیہ:۱۲)

ایک دوسری آیت میں دن رات اور چاند سورج کے متعلق فرماتا ہے:

"خدا نے دن رات، چاند سورج اور ستاروں کو (زندگی چلانے کے لئے) تمہارے سامنے مسخر اور زیر حکم قرار دیا ہے تا کہ آسمان کی جس طرف حرکت کرنا چاہو اس کے حکم کے ذریعے شوق و رغبت کے ساتھ حرکت کرو"۔ (سورۂ نحل:۱۲)

حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام اس بارے میں فرماتے ہیں:

"خبردار رہو! یہ زمین جس نے اپنی پشت پر تم کو اٹھایا ہوا ہے اور آسمان جس نے تمہارے سروں پر سایہ کیا ہوا ہے۔ ہر دو خدا کے حکم کے مطیع ہیں اور اپنی برکتوں کو تمہارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یہ کسی ذوق کی وجہ سے یا محبت پیدا کرنے کی وجہ سے یا تم سے کسی نیکی کے انتظار میں نہیں ہیں بلکہ وہ تو اپنے پروردگار کی طرف سے مامور ہیں کہ تمہیں نفع و فائدہ پہنچائیں۔ وہ تو اپنے خدا کے حکم کی اطاعت کر رہے ہیں اور تمہاری مصلحتوں کو انجام دینے کیلئے آمادہ ہیں اور وہ خدا کے دیئے ہوئے دستورات کے مطابق عمل کرتے ہیں"۔ (نہج البلاغہ، صبحی صالح، فیض کاشانی، خوئی، ابن ابی الحدید و ملا صالح، خطبہ:۱۴۳)

انسان کے آسمانی اور زمینی مخلوقات کے مسخر ہونے کا مفہوم بہت وسیع ہے چنانچہ اُن امور کو بھی شامل ہے جو انسان کے قبضۂ اختیار میں ہیں اور اپنی مرضی و ارادہ کے ساتھ اُن سے نفع و فائدہ اُٹھاتا ہے جس طرح بہت سارے زمینی مخلوقات ہیں یا وہ امور جو انسان کے اختیار میں نہیں ہیں مگر خدا نے اُن کو حکم دیا ہے کہ وہ انسان کی خدمت کریں جس طرح سورج، چاند، ستارے، ہوا، بادل، دن، رات جو کہ حکم خدا کے مطیع ہیں مگر ان کا فائدہ انسان کو ملتا ہے۔

بقول شاعر کے،

ابرو باد و مه و خورشید و فلک در کارند

تا تو نانی به کف آری و به غفلت نخوری

همی از بهر تو سر گشته و فرمان بردار

شرط انصاف نباشد که تو فرمان نبری

بادل، ہوا، چاند، سورج، آسمان سب مشغول کار ہیں

تاکہ تیرے ہاتھ میں روٹی آئے اور تو غفلت میں نہ کھائے

سب کے سب تیرے لئے خلق ہوئے ہیں اور تیرے حکم کے تابعدار ہیں

اگر تو خدا کے حکم کی اطاعت نہ کرے تو یہ خلاف عدل و انصاف ہے

انسان کی علمی قوت و قدرت

جب انسان ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو بالکل ان پڑھ ہوتا ہے اور فطرتی استعداد جو خدا نے اس کو عطا کی ہے وقت گزرنے کے ساتھ آنکھ، کان اور دیگر اعضاء و جوارح کے ذریعہ مطالب و مفاہیم کو حاصل کرتا ہے اور ان کی حقیقت تک پہنچتا ہے۔

قرآن کریم اس کے متعلق فرماتا ہے:

"خدا تمھیں تمہاری ماؤں کے رحم سے باہر لایا ہے جبکہ کسی چیز کو نہیں جانتے تھے، اس نے تمھیں آنکھ، کان، دل عطا کیے ہیں تاکہ تم عالم بن جاؤ اور خدا کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو"۔ (سورۂ نحل: ۷۸)

چنانچہ انسان حصول علم و اپنی علمی استعداد کو کام میں لانے کی وجہ سے اس جہان دنیا کی تمام چیزوں کو سمجھ کر حاصل کر سکتا ہے، اگر چہ اپنے جسمانی اعضاء و جوارح کے ذریعے انسان دنیا کی چیزوں پر دسترسی حاصل نہیں کر سکتا ہے لیکن علم و دانش کی تحصیل کے ساتھ دنیاوی تمام چیزوں کو اپنے سامنے

مسخر کر سکتا ہے اور اپنے اختیار و تصرف میں لے سکتا ہے۔ مثلاً جس نے بجلی کی طاقت کو کشف کیا ہے تو وہ اپنی زندگی میں اس سے بہرہ مند ہو سکتا ہے اور اپنی غذا اور طاقت کے ساتھ دیگر امکانات پر دسترسی حاصل کر سکتا ہے اور انسان کے فطرتی طور پر اجتماعی اور معاشرتی مزاج رکھنے کی وجہ سے اس کی استعداد اور علم و دانش کا حاصل کرنا ہے۔ معاشرتی زندگی انسان کو سمجھاتی ہے کہ اس کی احتیاجات اس قدر ہیں کہ تنہا اکیلا خود ان احتیاجات کو پورا نہیں کر سکتا ہے لہٰذا مجبور ہے کہ دوسروں کے ساتھ ربط و تعلق پیدا کرے اور ان کی احتیاجات کو پورا کرنے کی کوشش کرے اور اس کے مقابلے میں اپنی ضروریات اور حاجات کو ان کے ذریعے پورا کرے تو نتیجتاً فطرتی طور پر تمام افراد انسان کی ضروریات خود بخود پوری ہو جاتی ہیں۔

انسان کی یہ فطرت ہے کہ معاشرہ میں دوسروں کی ضروریات کو پورا کرے اور دوسروں کیلئے ان کے کاموں میں مشغول ہو جائے اور اس کے بدلے میں دوسروں کے عمل و کار، تجربہ اور خصوصیات سے استفادہ کرے۔ بہر صورت انسان و بشر کی معاشرتی اور اجتماعی زندگی بے علمی اور بے تجربگی کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ اسی وجہ سے ہر ایک انسان زندگی کے مختلف شعبوں میں علم و دانش اور تجربہ میں افزائش اور وسعت کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہے اور علم کی وسعت اور جدید مکاشفات و اختراعات معاشرتی ماحول کے مطابق جدید قوانین کا وضع کرنا انسان کیلئے پیچیدہ اور دشوار ہو جاتے ہیں اور قابلِ توجہ طلب یہ نکتہ ہے کہ انسان جدید علم و دانش اور مکاشفہ و اختراع کے ساتھ بہت زیادہ قدرت و طاقت پیدا کر کے مخلوقات کے تسخیر کرنے پر قدرت و توانائی حاصل کر سکتا ہے مگر دوسری طرف سے اپنی معلومات پر قناعت کرنے والا نہیں ہے بلکہ مختلف سمتوں میں اپنے علم و دانش اور تجربے میں زیادہ سے زیادہ وسعت دینا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس مقام پر پہنچ جائے کہ سوائے خدا کے اس منزل و مقام کو کوئی نہ جانتا ہو۔

بقول سعدی۔

رسد آدمی به جائی که به جز خدا نبیند

بنگر که تا حد است مکان آدمیت

آدمی اس مقام پر پہنچنا چاہتا ہے کہ جس کو سوائے خدا کے کوئی نہ جانتا ہو

اس سے سمجھو کہ آدمیت کی منزلت کی حد کہاں ہے

طیران مرغ دیدی تو زپائی بند شہوت

بہ در آی تا ببینی طیران آدمیت

پرندہ کی پرواز کو دیکھا ہے اے شہوت کے پرستار

شہوت کے بندھنوں سے باہر آ کہ آدمیت کی پرواز کو دیکھے

(قصائد سعدی، ص: ۹۸)

انسان کا تقویٰ و پرہیزگاری

انسان کی غرض خلقت اور وہ امتیازات جو اس کو عطا کیے گئے ہیں جن کی وجہ سے مخلوقات عالم کا سرسبز پھول قرار پایا ہے کی وجہ عطا یہ تھی کہ انسان خداوند متعال کے سامنے تسلیم محض ہو جائے (تسلیم محض یعنی اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دے) اور اس کے تمام دستورات اور احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر کے رہے اور اس کے مقابلے میں سرکشی اور بغاوت نہ کرے اور گناہ و معصیت انجام نہ دے گناہ کرنے کے وقت اپنے نفس پر کنٹرول کی قدرت پیدا کرے اور تقویٰ کو اپنا پیشہ بنائے۔

تقویٰ کی بنیاد یہ ہے کہ انسان اپنی ذات کو گناہوں سے محفوظ کرے اور معصیت خدا کو انجام نہ دے اور کامل تقویٰ یہ ہے کہ مشکوک چیزوں سے بھی پرہیز کرے۔ (مفردات راغب در تشریح تقویٰ)

تقویٰ انسان کے باطن کو کنٹرول کرنے کی طاقت کو کہتے ہیں جو کہ انسان کو شہوت کے طوفان سے محفوظ رکھتا ہے اور حقیقت میں طاقتور بریک کا کام کرتا ہے جو کہ انسان کو پھسلنے اور گڑھے میں گرنے کی جگہوں سے محفوظ اور خطرناک تیز دوڑنے سے روکتا ہے اسی دلیل کی وجہ سے امیر المومنین علی ؑ تقویٰ کو ایک طاقتور قلعہ خطرناک گناہوں کے مقابلے میں شمار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: "اے خدا

کے بندو! جان لو اور آگاہ ہو کہ تقویٰ مضبوط، محکم، سخت قلعہ وحصار ہے جو کبھی بھی ٹوٹ نہیں سکتا"۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۷)

چنانچہ محدثین اور دانشور حضرات کے بیانات میں تجسم تقویٰ کے متعلق بہت زیادہ تشبیہات بیان ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں:
"تقویٰ ایک ایسا رہوار سواری ہے اگر اس کا مالک اس پر سوار ہو جائے اور لگام کو اپنے ہاتھ میں رکھے تو وہ اس کو جنت کے وسط تک اُٹھا کر لے جائے گا"۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۲۴)

بعض علماء نے تقویٰ کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ:
"اگر کانٹوں اور جھاڑیوں سے بھری ہوئی جگہ سے عبور کرے اور اپنے دامن کو ان کانٹوں سے بچاتے ہوئے احتیاط کے ساتھ قدم کو آگے بڑھائے کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی کانٹا اس کے پاؤں میں چبھ جائے یا اس کے دامن کو پھاڑ دے تو اس حالت پرہیزگاری کو تقویٰ اور پرہیزگار کو متقی کہتے ہیں"۔

عبداللہ معتز نے اس کلام کو شعر میں اس طرح کہا ہے کہ جس کے اردو معنی یہ ہیں:
"تمام چھوٹے بڑے گناہوں کو ترک کرو کہ تقویٰ کی حقیقت بھی یہی ہے۔ اس تشبیہ سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ تقویٰ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کسی گوشہ تنہائی کو منتخب کرے اور وہاں جا کر بیٹھ جائے اور معاشرتی زندگی کو چھوڑ کر عبادت میں مشغول ہو جائے بلکہ اجتماع کے بیچ میں اور لوگوں کے درمیان رہے اگر اجتماع اور معاشرہ گناہوں اور لغزشوں سے آلودہ ہو تو وہ اپنے آپ کو اس طرح بچائے کہ گناہوں سے آلودہ نہ ہو سکے، اس طرح کہ انسان بن کے رہو جو کانٹے دار زمین پر انتہائی احتیاط کے ساتھ قدم رکھتا ہے اور چھوٹے گناہوں کو چھوٹا شمار نہ کرو کیونکہ پہاڑ چھوٹے چھوٹے سنگریزوں سے مل کر ہی بڑے بڑے پہاڑ بنتے ہیں"۔ (تفسیر ابوالفتوح رازی، ج:۱، ص:۲۴)

بہرصورت یہ تقویٰ اور معنوی طاقتور کنٹرولر مبدأ و معاد یعنی خدا و قیامت پر ایمان کے اثرات میں سے روشن تر اور واضح اثر ہے اور یہ انسان کے لئے فضیلت و کمال اور فخر و افتخار کا معیار ہے اور

شخصیت کے بنانے کا بہترین معیار (پیمانہ) اسلام میں شمار ہوتا ہے۔

انسان میدان آزمائش میں

خداوند کریم نے عالم ہستی میں جن انسانوں کو وجود بخشا ہے تو خلق کرنے کے بعد آزاد نہیں چھوڑ دیا بلکہ دو پہلوؤں سے آزمائش و امتحان لیتا ہے۔

(۱) ایک امتحان اس لحاظ سے لیتا ہے کہ کوئی بھی اپنے بُرے کاموں اور ناپسندیدہ عمل و کردار، ناشائستہ گفتگو و حرکات کا اقرار و اعتراف نہیں کرتا۔ سب یہی کہتے ہیں کہ ہمارا دین کامل ہے ہماری نیت صاف اور ہماری باتیں سچی، عمل ہمارے نیک اور کردار ہمارا شائستہ ہے۔ لہٰذا ان کا امتحان ہوگا تاکہ نیکوکار اور بدکار کھرے اور کھوٹے الگ الگ ہو جائیں اور ان کو بھی پتہ چل جائے کہ ہماری حقیقت کیا ہے۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام اس بارے میں فرماتے ہیں:

"اگرچہ خداوند ان سے بڑھ کر ان کی حقیقت سے آگاہ ہے لیکن ان کا امتحان لیتا ہے تاکہ اچھے اور بُرے کام ظاہر ہو جائیں جو کہ جزا و سزا کا معیار ہیں"۔ (نہج البلاغہ کلمات قصار، جملہ: ۹۳)۔

یعنی انسان کے باطنی اور اندرونی صفات ثواب و عذاب کا معیار اکیلے نہیں بن سکتا بلکہ ان صفات کا اظہار عمل و کردار کے ذریعے کرے گا اور خداوند متعال امتحان لے گا تاکہ جو کچھ اندر رکھتے ہیں اس کو ظاہر کریں اور جن نیتوں کی وجہ سے ثواب و عذاب کے مستحق قرار پائیں گے ان کو آشکار کریں (تاکہ اچھا، بُرا سامنے آ جائے اور اپنی ہی وجہ سے ثواب و عتاب تک پہنچیں)۔

(۲) دوسرا پہلو امتحان لینے کا یہ ہے کہ انسان کے باطن میں جو پنہاں قوتیں ہیں وہ سامنے آ سکیں کیونکہ جہانِ ہستی میں نظام حیات تکامل و پرورش کا نظام ہے اور تمام زندہ مخلوقات تکامل کے راستے کو طے کر رہی ہیں، حتیٰ کہ دنیا کے درخت بھی اپنی چھپی ہوئی قوتوں کو پھل دینے کی صورت میں ظاہر کرتے ہیں۔ لہٰذا دنیا کے تمام لوگ حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام بھی اسی قانون عام کے مطابق امتحان دیں گے تاکہ ان کی پنہاں قوتیں آشکار ہو جائیں۔ اگر خداوند متعال انسانوں سے امتحان نہ لیتا تو ان کی

چھپی ہوئی طاقتیں سامنے نہ آسکتیں اور انسانوں کے وجود کا درخت ان کے اعمال کے پھلوں کو اپنے وجودی شاخوں پر ظاہر نہ کرسکتا۔ یہ انسانوں کے امتحان کی حقیقت اسلام کی نظر میں اگرچہ خدا کے امتحانات مختلف قسموں کے ہیں بعض ان میں سے مشکل ہیں اور بعض آسان ہیں اور حتمی طور پر ہر ایک کا نتیجہ الگ الگ ہے۔ بہر صورت دنیا کے تمام انسانوں کا امتحان ہوتا ہے اور قرآن ان کے عمومی امتحان کے بارے میں اس طرح فرماتا ہے:

"کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا امتحان نہیں ہوگا اور آزاد رہیں گے۔ ہرگز (اس طرح نہیں ہے) بلکہ سب کا امتحان لیا جائے گا اور سب امتحان دیں گے"۔ (سورۂ عنکبوت:۲)

قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کے امتحانات کو نمونے کے طور پر پیش کیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے:

"خدا نے ابراہیم علیہ السلام کا چند کلمات کے ساتھ امتحان لیا اور انہوں نے امتحان کو کامل کر دیا"۔ (سورۂ البقرہ:۱۲۴)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے کہ:

"جب ان کے پیروکاروں میں سے ایک (آصف بن برخیا) نے تخت بلقیس کو دور سے چشم زدن میں (مملکت سبا سے) جناب سلیمان علیہ السلام کے سامنے حاضر کیا تو جناب سلیمان علیہ السلام نے کہا: یہ لطف خدا ہے کیونکہ اس نے میرا امتحان لیا ہے کہ میرا بندہ شکریہ ادا کرتا ہے یا کفر و انکار کرتا ہے"۔ (سورۂ نمل:۴۰)

اس مقام پر بطور مثال کچھ ایسی چیزوں کو ذکر کیا جاتا ہے جن کے ذریعے انسانوں کا امتحان لیا جاتا ہے تاکہ لوگ ان کو پہچان لیں اور امتحان کے وقت کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں۔ چنانچہ خداوند متعال انسان کو ڈر، خوف، بھوک، پیاس، مال و دولت، فقر و فاقہ، موت، مرض، بیٹوں کی موت، دوستوں کا مرنا، بچوں کے ہونے اور نہ ہونے سے، علاوہ قرآن، انبیاء علیہم السلام، احکام خدا، دین، خشک سالی و قحط سالی، خیر و شر کے ذریعے امتحان لیتا ہے اور یہ ظاہری بات ہے کہ امتحانات کے لحاظ سے لوگ دو

گروہوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ایک گروہ لوگوں کا وہ ہوتا ہے جو امتحانات میں کامیابی اور کامرانی سے سرفراز ہوتا ہے اور دوسرا گروہ لوگوں کا وہ ہوتا ہے جو امتحانات میں ناکام ہو جاتا ہے۔

مثلاً جب خوف کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو کچھ لوگ اپنے آپ کو بچاتے ہیں کہ ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچے،ذمہ داری سے جان چھڑا لیتے ہیں اور جنگ کے محاذ سے بھاگ جاتے ہیں اور انجام ہو تقسیم کے راستے کو اختیار کرتے ہیں،حق کو قتل کرتے ہیں اور ظالم سے بھی ہم دست ہو جاتے ہیں (یعنی ظالم کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں)مظلوم کو ظلم اور حق سے اس کو محروم کر دیتے ہیں یا نذر رہا نے کرنے لگ جاتے ہیں (ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم کو کوئی نقصان نہ پہنچے)۔(سورۂ مائدہ:۵۲)،اور ہم حکم خدا کی امتثال سے سرتابی کرتے ہیں (امتثال حکم خدا یعنی حکم خدا کی اطاعت کرنا)۔

لیکن دوسرا گروہ خوف و ہراس کے عوامل کے سامنے کامل ایمان اور مضبوط ارادے کے ساتھ ہر قسم کا مقابلہ کرنے کیلئے آمادہ ہو جاتا ہے۔

قرآن فرماتا ہے:

"جب مومنوں سے کہا جاتا ہے کہ حالات خراب ہیں،فضاء خطرناک ہے تمہارے دشمن اسلحہ کے ساتھ لیس ہیں پیچھے ہٹ جاؤ تو اُن کے ایمان و توکل میں اور اضافہ ہو جاتا ہے"۔(سورۂ آل عمران:۳:۱۷۳)

انسان کی حقیقت

انسان کی حقیقت دو چیزوں کے ساتھ وجود میں آئی ہے اور خلق کی گئی ہے:(۱)ایک ان میں سے بدن و جسم ہے،جو کہ گوشت اور چمڑے،ہڈیوں اور رگوں،ہاتھ اور پاؤں،آنکھ اور کان یعنی اعضاء و جوارح اور ظاہر و باطن سے تشکیل پایا ہے۔چنانچہ بدن کی حقیقت کی پہچان آسان ہے کیونکہ بدن انسان عالم دنیا کے مادیات سے ہے اور مادیات کی حقیقت کو پہچاننا اتنا مشکل نہیں ہے۔(۲)اور دوسری چیز انسان کی رُوح ہے کہ جس کو جان،عقل،دل بھی کہتے ہیں،جس کا جسم (یعنی رُوح کا جسم) ملکوتی اور عالم بالا سے تعلق رکھتا ہے اور ایسا گوہر ہے جو فرشتوں کی جنس سے ہے اور گراں بہا سوتی ہے جو

مجرّدات کی قسم سے ہے۔ خداوند کریم نے دت معیّن کیلئے مصلحت کے پیشِ نظر ان دونوں کے درمیان (بدن و رُوح) رابطہ و ملاپ قرار کیا ہے۔

بہر صورت رُوح ایک ایسی حقیقت ہے جس کو انسان دیکھ نہیں سکتا۔ بدن مادّی ہے اور رُوح مجرّدات سے ہے۔ اگر انسان رُوح کو دیکھنا چاہتا ہے تو اس کو بھی مجرّد ہونا چاہیے پھر دیکھ سکیگا۔

بقول شاعر

رو مجرّد شو مجرّد را ببین   بدن ہر چیز را شرط است این

ترجمہ شعر: مجرّد ہو جاؤ تا کہ مجرّد کو دیکھ سکو، کیونکہ ہر چیز کے بدن کی یہ شرط ہے۔

اسی لحاظ سے جب کافروں نے حقیقت رُوح کے متعلق حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سوال کیا آنحضرتؐ نے ان کو کوئی جواب نہ دیا۔ خداوند کریم نے خطاب کیا اور فرمایا: "تجھ سے رُوح کی حقیقت پوچھنا چاہتے ہیں تو جواب میں کہہ دو: رُوح عالمِ بالا سے ہے اور میرے پروردگار کا امر ہے"۔ اگرچہ رُوح کی حقیقت کو پہچاننا، سمجھنا اور جاننا بہت مشکل امر ہے لیکن اگر انسان اپنے آپ کو عالم مادّیت سے آزاد کرے اور حیوانی صفات مثلاً شہوت پرستی، غضب و غصہ، حسد و بخل، کینہ دوری، دکھاوا و دھوکہ وغیرہ کو اپنی ذات سے دُور کرے اور اس کے بدلے میں خدا سے رابطہ قائم کرے اور پاکیزہ نیت کے ساتھ خدا کی اطاعت و عبادت اور مناجات میں مشغول ہو جائے اور اس کی طرف توجہ کرے اور خدا کے علاوہ کسی کو اپنے کاموں میں داخل ہونے کی اجازت نہ دے اور خدائی رنگ اپنے اُوپر چڑھا لے تو پھر رُوح اور عالم مجرّدات سے رابطہ برقرار کر سکتا ہے اور ان کے زمرہ و گروہ سے ہو سکتا ہے جس طرح کہ اس کا بہترین نمونہ پیغمبر گرامی اسلام کی ذات والا صفات ہے۔

انسان کی غرضِ خلقت

اہم ترین سوالات میں سے ایک سوال جو ہر انسان اپنے آپ سے یا دوسروں سے کرتا ہے یہ ہے کہ ہم کا ہے کیلئے خلق کیئے گئے ہیں۔ انسان کی خلقت کا مقصد اور اس جہان میں آنے کا ہدف کیا ہے؟ بہر صورت ایک گروہ انسانوں کا پیدا ہو رہا ہے اور ایک گروہ انسانوں کا اس جہاں سے جا رہا ہے

اور ہمیشہ کے لئے خاموش ہو رہا ہے۔اس آنے جانے سے مقصود کیا ہے؟ اگر ہم انسان اس کرۂ ارض پر زندگی نہ گزارتے تو اس عالم کی فضا خراب ہو جاتی اور اس کو کس طرح کی مشکلات سامنے آتیں؟ کیا ہم چاہتے کہ ہم کیسے کیوں آتے ہیں اور کیوں چلے جاتے ہیں؟

تو اس سوال کے جواب میں کہ غرض خلقت انسان کیا ہے؟ پہلے ہم آیات کو بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد روایات کو نقل کریں گے۔

(۱) قرآن میں نازل ہوا ہے کہ خلقت انسان کا ہدف عبادت خدا ہے۔چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ﴾ (سورۂ ذاریات:۵۶) "(خداوند کریم فرماتا ہے) میں نے جنوں اور انسانوں کو خلق نہیں مگر عبادت کے لئے (خلق کیا ہے)"۔اس آیت مبارکہ نے انسان کی غرض خلقت اور ہدف تخلیق عبادت و بندگی کو قرار دیا ہے۔اور مسئلہ عبودیت ہی آیت مبارکہ کی بنیاد ہے اور وضاحت کے ساتھ جنوں اور انسانوں کی خلقت کا آخری ہدف عبادت کو قرار دے رہی ہے۔چنانچہ یہی عبودیت و بندگی ایک انسان کے روح کے کمال کی انتہا اور قرب خدا کا ذریعہ ہے۔نیز عبودیت ہی خدا کی پاک ذات کے سامنے تسلیم محض اور سپردگی کی آخری منزل ہے اور زندگی کے تمام حصوں میں بے قید و شرط کے حکم کی تابعداری اور اطاعت کرنا عبودیت کہلاتی ہے اور آخر کار کامل عبودیت یہ ہے کہ انسان سوائے معبود حقیقی یعنی کمال مطلق کے کسی کو نہ دیکھے اور اسی کی طرف قدم آگے بڑھائے اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے حتی کہ اپنی ذات کو بھی بھلا ڈالے۔

(۲) ایک دوسری آیت میں انسان کی موت و حیات کی خلقت کا مقصد جو کہ خدا کی مالکیت و حاکمیت کی قسموں میں سے ایک ہے حُسن عمل کے امتحان کو قرار دے رہی ہے اور فرماتا ہے: ﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (سورۂ ملک:۲) "خدا وہ ہے جس نے موت و حیات کو خلق کیا تا کہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے بہتر عمل کرنے والا کون ہے"۔

اس آیت مبارکہ میں خدا نے موت و حیات کی خلقت کا ہدف حُسن عمل کو قرار دیا ہے۔کثرت عمل خدا کے پیش نظر نہیں ہے کیونکہ عمل کی کثرت اگر خالص اور خدا کی رضایت کیلئے نہ ہو تو سوئی کے کنکہ

کے برابر بھی کوئی فائدہ نہیں رکھتی اور موثر و مفید نہ ہوگی اور اگر عمل کم اور چھوٹا ہو مگر خالص ہو ریاکاری اور خودنمائی سے پاک ہو تو بہت عمدہ کیفیت کا حامل ہوگا۔

حضرت امام صادق علیہ السلام اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"آیت میں مقصود یہ نہیں ہے کہ تم میں سے زیادہ عمل کون کرتا ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ تم میں سے صحیح عمل کون انجام دیتا ہے اور عمل صحیح وہ ہے کہ جس عمل میں خدا پرستی اور پاک نیت رکھتے ہوں پھر فرمایا: عمل کو آلودگی سے بچاؤ کیونکہ آلودگی خود عمل کے انجام دینے سے سخت تر ہے چنانچہ خالص و صالح عمل اس عمل کو کہتے ہیں جس میں خدا کے سوا کوئی دوسرا تیری تعریف اور تمجید نہ کرے"۔ (صافی، ج۲، ص:۲۱۳)

(۳) ایک دوسری آیت میں خلقت انسان کے ہدف کو تمام انسانوں کی بخشش اور رحمت کو قرار دیا گیا ہے ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ﴾ (سورۂ ہود: ۱۱۸-۱۱۹) "اگر خداوند متعال چاہتا تو تمام انسانوں کو اُمت واحد بنا دیتا لیکن اس طرح کا کام خدا نے نہیں کیا۔ سارے انسان آپس میں اختلاف رکھتے ہیں (اور اختلاف کرتے رہیں گے) مگر وہ جس پر تیرا رب رحمت کرے اور خدا نے ان کو وسیع رحمت کے سایہ میں رہ کر کمال و کمال کے حصول کیلئے خلق کیا ہے۔ چنانچہ خداوند کریم نے اس آیت مبارکہ میں انسان کی خلقت کا ہدف اس کی رحمت تک پہنچنے کو قرار دیا ہے اور رحمت خدا کسی ایک گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے سب اس کی رحمت سے فیضیاب ہو سکتے ہیں (اگر اس کی رحمت کے طلبگار ہوں) اگر سارے لوگ خدا کی وسیع رحمت کی چھتری تلے آنا چاہیں تو راستہ کھلا ہوا ہے۔ جب بھی خدا کی اس رحمت اور بخشش سے فائدہ اُٹھانا چاہیں تو جنت اور سعادت ابدی کے دروازے اُن پر کھول دیئے جائیں گے۔

بہر صورت آیات گذشتہ نے خلقت انسان کے تین اہداف و مقاصد کو بیان کیا ہے:

(۱) خدا کی بندگی و عبادت

(۲) حسن عمل کی آزمائش نہ کہ کثرت عمل

(۳) رحمت خدا اور اس تک پہنچنا

ہو سکتا ہے بعض حضرات یہ خیال کریں کہ یہ تینوں اہداف ایک دوسرے سے متضاد ہیں جبکہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ حقیقت میں بعض اہداف مقدماتی ہیں اور بعض اہداف درمیانے ہیں اور بعض اہداف تمام مقدماتی و درمیانے اہداف کا ہدف ہیں اور کچھ اہداف اس کا نتیجہ ہیں۔ بالفاظ دیگر اصلی ہدف وہی خدائی عبادت و بندگی ہے جس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔ حسن عمل میں آزمائش انسان کی خلقت کا مقصد قرار پایا عبادت و بندگی کے راستے کا ہدف ہے اور خدا کی رحمت و بخشش تک پہنچنا عبودیت و بندگی خدا کا نتیجہ ہے۔

اس ترتیب سے واضح ہو گیا کہ خلقت انسان کا ہدف آیات قرآنی کے مطابق خداوند متعال کی عبادت و بندگی ہے اور ہم سب خدا کی عبادت کیلئے خلق کیے گئے ہیں اور عبادت کا نتیجہ خدا کی معرفت اور کمال انسانیت ہے۔

روایات کی روشنی میں خلقت انسان کا فلسفہ

حضرت امام صادق ؑ فرماتے ہیں کہ:

”حضرت امام حسن ؑ نے اپنے اصحاب کے سامنے فرمایا خداوند کریم نے انسانوں کو خلق نہیں فرمایا مگر اس لئے کہ اس کی معرفت و پہچان حاصل کریں، جب اس کو پہچان لیں تو اس کی عبادت کریں اور جب اس کی عبادت و بندگی کریں تو غیر خدا کی بندگی سے دور ہو جائیں (یعنی جب خدا کی بندگی کریں تو دیگر سب بندگیوں کو ترک کر دیں)“۔(علل الشرائع صدوقؒ)

حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہم السلام سے قول پیغمبرؐ کے بارے میں سوال کیا گیا ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: اے لوگو! جب تک تو نائی رہے عمل کرو لہٰذا اس ہدف تک پہنچنے کیلئے راستہ کو آسان اور ہموار کر دیا ہے کیونکہ انسانوں کو جس مقصد کیلئے خلق کیا گیا ہے اس کی کامل طور پر آمادگی رکھتے ہیں۔

امام موسیٰ ابن جعفر علیہم السلام فرماتے ہیں کہ:

"خدا نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے خلق کیا ہے کہ اس کی اطاعت و عبادت کریں، اس کی نافرمانی اور معصیت کاری نہ کریں تو چونکہ اطاعت و عبادت کیلئے ان کو خلق کیا ہے۔ پس لعنت ہے ان لوگوں پر جو آنکھوں کو بند کر دیں اور جہالت کو ہدایت پر ترجیح دیں (ظلمت و گمراہی کو نور ہدایت پر مقدم سمجھیں)"۔ (علل الشرائع صدوقؒ)

اس روشن بیان سے معلوم ہو گیا کہ عالم دنیا کے بعد بھی حیات انسان جاری رہے گی تا کہ اصل انکمال تک پہنچ جائے اور جس بیج کو دنیا کی کھیتی میں بویا ہے اس کو آخرت کے دن کاٹ لے۔

وجود انسان کا مبدأ

اس مقام پر ضروری سمجھتا ہوں کہ وجود انسان کے مبدأ کے ماہیا اور اس کی کیفیت کے بارے میں بحث کریں تا کہ اس عظیم ہستی و عالم کو بہتر طریقہ سے پہچان لیں اور حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے قول کے مطابق کہ آنحضرت فرماتے ہیں:

"اے انسان تو فکر کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹی اور کمزور مخلوق ہے جبکہ تیرے اندر عالم کائنات کو پنہاں کر دیا گیا ہے"۔ (دیوان علی علیہ السلام شعر: ۴۰۰)

عالم که در آن نورِ خدا جلوه گر است لو چیست که مجموعهٔ هر خیر و شر است
انسان که از او منتخبی مختصر است از هر چه کسی گمان برده بهره ور است

انسان نه ضعیف و ناتوانی اندر تو نهفته یک جهانی
اسرار و رموز عالم کون حق در تو نموده بیگانی

ترجمہ اشعار:

(۱) عالم ہستی ہے کہ جس میں خدا کا نور جلوہ گر ہے اور یہ جہان وہ لوح ہے جو خیر و شر کا مجموعہ ہے۔

(۲) اور انسان اس جہان کا مختصر مگر منتخب شدہ مخلوق ہے اور جو کچھ اس عالم جہاں کے اندر ہے اس سے بہرہ مند ہونے والا ہے۔

(۳) اے انسان! تو ضعیف و ناتواں نہیں ہے کیونکہ تیرے اندر ایک جہان کو پنہاں کر دیا گیا ہے۔

(۴) عالم کون و مکان کے تمام اسرار و رموز کو حق تعالیٰ نے تیرے اندر ودیعت کر دیے ہیں۔

ہاں! انسان حقیقت خلقت کے اعتبار سے سارے جہان کے اسرار و رموز کو اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے اور اگر معنویت و روحانیت کے اعتبار سے درجہ کمال تک پہنچ گیا تو اس کا دل عرش خدا کی منزلت کو حاصل کر لے گا۔ چنانچہ انسان دیگر جانوروں کی طرح جو کہ کئی اعضاء اصلی سے وجود میں آتے ہیں ایک مخصوص عنصر اصلی بنام تخم (بیج) سے وجود میں آیا ہے گذشتہ ادوار میں انسانی نطفہ کو عام نگاہ سے دیکھا جاتا تھا جبکہ وجود انسان کا اصلی خمیر مائع ہے لیکن علمی تحقیقات کی پیشرفت سے ثابت ہو گیا کہ مطلب کی حقیقت بہت اہم ہے کیونکہ مرد کے ایک سینٹی میٹر نطفہ میں ایک سو (۱۰۰) سے لے کر تیں کروڑ تولیدی جراثیم تیر رہے ہوتے ہیں اور وہ جراثیم اس قدر باریک ہوتے ہیں کہ ایک دانشور ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اگر کرہ ارض کے تمام انسانوں کے جراثیم کو جو کہ نسل انسان کی پیدائش کا سبب بن سکیں ایک ظرف میں جمع کیا جائے تو اس کا مجموعہ ایک انگشت کے پور کے برابر نہیں ہو سکتا۔

بہر صورت مرد و عورت کے نطفہ کے جراثیم کی شکلیں الگ الگ ہوتی ہیں، وہ جراثیم جو مرد کے آلہ تناسل کی جڑ میں پرورش پاتے ہیں ایسے جراثیم ہیں جن کی لمبائی ۶۰ میکرون ہے (میکرون ملی میٹر کا ہزارواں حصہ ہوتا ہے) جن کو (اسپرماتو زوئیڈ) کہتے ہیں۔ یونانی زبان میں (اسپرمات) جو کہ منی کے معنی میں اور (زو) حیوان کے معنی میں اور ائیڈ جنسی علامت کو کہتے ہیں لہٰذا اسپرماتو زوئیڈ کا معنی وہ حیوان جو منی سے پیدا ہوتا ہے، اور وہ جراثیم جو عورت کی شرمگاہ کی جڑ میں پرورش پاتے ہیں ایسے جراثیم ہیں جو گردی شکل کے ہوتے ہیں اور ملی میٹر کے دو تا تین دہم ملی میٹر حصہ کو کہتے ہیں جن کو اوول کہتے ہیں اور یونانی زبان میں (او) تخم کو اور (اول) چھوٹا ہونے کی علامت ہے لہٰذا اوول یعنی انتہائی چھوٹے تخم کو کہتے ہیں۔

پس ان جراثیموں اور انسان کے بدن کے جراثیموں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک چوبیس (۲۴) کروموسوم پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ انسان کے بدن کے جراثیم اڑتالیس (۴۸)

کروموسوم پر مشتمل ہوتے ہیں اور جب یہ دونوں Z اثیم رحم کے اندر جمع ہوتے ہیں تو ایک تیسرا Z1 ذرہ وجود میں آتا ہے جس کو تخم کہتے ہیں جو کہ اڑتالیس (۴۸) کروموسوم پر مشتمل ہوتا ہے اور وہی انسان کے وجود کا مبدأ کہلاتا ہے (مبدأ یعنی جس سے انسان کی ابتدا ہوئی ہے)۔ پس یہ تخم ابتدائی طور پر دو Z اثیم میں تقسیم ہوتا ہے اور تھوڑی دیر آرام و استراحت کے بعد یہ دونوں Z اثیم کی طرف تقسیم ہو جاتے ہیں، پھر وہ Z2 اثیم آٹھ Z2 اثیم میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ یہ تقسیم و تکثیر جاری رہتی ہے یہاں تک کہ پہلا Z ذرہ اپنے کمال کو حاصل کر لیتا ہے یعنی اس پے درپے تقسیم و تکثیر کی وجہ سے اس قدر Z1 اثیم وجود میں آتے ہیں کہ بدن کے تمام اعضاء و جوارح اپنی تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں۔

﴿آئندہ عنوان نطفہ اس کے متعلق زیادہ بحث کی جائے گی﴾

بہر حال اس چھوٹے سے ذرہ میں اس قدر طاقت اور استعداد ذخیرہ کی گئی ہے کہ خداوند کریم کی قدرت کے اسرار و رموز کی ایک مکمل کتاب ہے۔

اشعار

جانور از نطفه می کند شکر از نی — برگ تر از چوب خشک و چشمه خارا
شربت نوش آفرید از مگس نحل — نخل تناور کند ز دانه خرما
حاجت موری به علم غیب بداند — در بن چاهی به زیر صخرهٔ صما
از همگان بی نیاز و بر همه مُشفق — از همه عالم نهان و بر همه پیدا
پرتو نور سرادقات جلالش — از عظمت ماوری فکرت دانا
بارِ خدایا مُهیمنیٌ و مُدَبِّر — از همه عیبی مُنَزَّهی و مُبَرّا
ما نتوانیم حق حمد تو گفتن — با همه کرّو بیان عالم بالا

ترجمہ:

(۱) ہر جاندار نطفہ کی وجہ سے وجود کو پاتا ہے اور درخت خشک ٹہنی اور پتھریلے چشمے کے پانی سے وجود کو حاصل کرتا ہے۔

(۲) اور شہد کی مکھی کے پیدا کردہ شہد سے پینے والا شربت تیار ہوتا ہے اور کھجور کا درخت کھجور کی گٹھلی سے تناور درخت بنتا ہے۔

(۳) میری حاجت کو عالم غیب سے جانتا ہے اور سخت پتھر کے نیچے سے چشمہ ابلتا بنا دیتا ہے

(۴) ہر ایک سے بے نیاز اور ہر ایک پر شفقت کرنے والا اور عالم ہستی کی ہر چیز سے چھپا ہوا اور ہر چیز پر ظاہر ہونے والا۔

(۵) اور اس کے جلال کے نوری سرا پردوں کے عکس کو تیری فکر کی بلندی سے بالاتر ہو کر سمجھا جا سکتا ہے۔

(۶) اے خداوند جہاں! تو مُھَیمِن اور مُغَیِّر ہے اور ہر عیب و نقص سے حق و منزہ ہے۔

(مُھَیمِن یعنی امن و امان پیدا کرنے والا نگہبان اور مُغَیِّر امداد کرنے والا، چارہ ساز ذات)

(۷) ہم تیری حمد کرنے کا حق ادا نہیں کر سکتے، اگرچہ عالم بالا کے مقربین بارگاہ بھی مل جائیں۔

پس اگر ہم صحیح طریقہ سے اس کے متعلق غور و فکر کریں تو خدا کی پہچان کا بہترین راستہ ہے کہ کس طرح پانی کے ایک قطرہ کے اندر اس قدر اسرار و رموز کو ذخیرہ کر دیا ہے اور پانی کے ایک قطرہ کے لئے کس طرح کا عجیب سفر کامل و کمال قرار دے دیا ہے، اور اس بات کو بھی سمجھنا ضروری ہے کہ اسرار حیات میں سے ایک راز یہ ہے کہ نطفہ اس کا سرچشمہ ہے۔ یعنی ہر زندہ موجود چھوٹا بڑا جانداروں کا اس بے مقدار قطرہ آب یعنی نطفہ سے وجود میں آتا ہے خواہ وہ کوئی چھوٹا جانور ہو یا ہاتھی اور سمندری مچھلی ہو۔ ایک زندہ موجود کا انتقال نطفہ کے ساتھ وجود میں آتا ہے اور اس طریقہ خلقت کے علاوہ کسی بھی حیات جدید کی پیدائش امکان پذیر نہیں ہو سکتی۔ ہر زندہ موجود اپنی زندگی کا آغاز نطفہ سے کرتا ہے اور پھر مراحل کو طے کرتا ہے تب جا کر کامل جانور کی شکل و صورت اختیار کرتا ہے۔ اس مرحلہ میں زندہ موجودات کی شکل و صورت بنائی جاتی ہے اور نباتات کی لطیف ٹہنیوں اور زیبا پھولوں کا نقشہ تیار کیا جاتا ہے۔ پرندوں کو بال و پر اور خوبصورت چونچ، درندوں کو تیز تر پنجے اور دل کا آٹومیٹک کام کرنے والا کارخانہ اس مرحلہ پر تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔

تیسرا حصہ

انسان کی عمر کا دورانیہ

خداوند کریم کی عظیم نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت خلقت انسان ہے۔انسان کی پیدائش یہ عالم ہستی کا خوبصورت ترین مجموعہ،یہ مخلوقات کا خلاصہ،یہ عالم صغیر جس میں عالم کبیر چھپا ہوا ہے۔ خداوند متعال کی بے نظیر اور بے مثال نعمت عظمیٰ ہے کیونکہ اس کے وجود کا ہر پہلو خدا کی عظیم نعمت ہے۔ اگر چہ ابتداء میں انسان کا وجود ایک بے اہمیت نطفہ ہوتا ہے یا بالفاظ صحیح تر ایک جرثومہ ہے جو کہ بے قیمت نطفہ میں تیر رہا ہوتا ہے لیکن ربوبیت پروردگار کے سایہ میں اس طرح تکامل کے مراحل کو طے کرتا ہے کہ موجودات عالم میں خلقت کے لحاظ سے اشرف المخلوقات کے اعلیٰ ترین مقام و درجہ کو حاصل کر لیتا ہے۔

جب ہم نے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر کے دورانیہ عمر کو جو کہ از خاک تا خاک یا از خدا تا خدا تھا کو بیان کیا ہے تو ہم نے کہا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ایک دورانیہ قبل از ذکر کا بھی ہے جس کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ: "انسان پر ایک طویل دورانیہ بھی گزرا ہے جس میں قابل ذکر چیز نہ تھا"۔(سورۂ دھر:۱)۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام خلقت و تکامل کے دورانیہ میں فرشتوں کے درمیان قابل ذکر چیز قرار پائے۔اسی طرح انسان (یعنی اولاد آدم علیہ السلام) پر ایک طویل زمانہ گزرا جس زمانے میں قابل ذکر چیز نہ تھا۔ان کے ذرّے اور اجزاء پورے جہان کے اندر بکھرے ہوئے پڑے تھے (اور کوئی انسان اولاد آدم علیہ السلام میں سے بصورت انسان موجود نہ تھا کہ قابل ذکر چیز ہوتا)۔

انسانوں کے ابتدائی ذرات و اجزاء

انسانوں کے ذرات کا پہلا مرحلہ

انسانوں کے ذرے اور اجزاء جو کہ مٹی کے ڈھیروں، سمندری پانی کے قطروں کے درمیان، نہروں کے اندر، غذاؤں، پھلوں، بوٹیوں کے درمیان، زمین کی فضائی ہواؤں، باپوں کے صلبوں، اور ماؤں کے رحموں میں گمشدہ چیز کی طرح بکھرے ہوئے تھے اور کوئی خبر و اثر، نام و نشان موجود نہ تھا اور کسی کو ان کے حال و احوال کی کوئی خبر و اطلاع نہ تھی۔ چنانچہ تکاملی مراحل کو طے کرنے کے بعد جب قابل ذکر چیز قرار پائے تو پھر قابل ذکر وجود کی صورت میں تبدیل ہوئے۔ اس مقام پر مناسب ہے کہ ہم انسانوں کے قبل از ذکر گزرے ہوئے عالم اور موجودہ عالم کہ جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں کے بارے میں بحث کریں تاکہ معلوم ہو جائے کہ انسان نے کتنے مراحل طے کرلئے ہیں اور کتنے مراحل باقی رہتے ہیں کہ جن کو اس نے طے کرنا ہے تا کہ آخری منزل تک پہنچ جائے جس کو جنت اور جہنم کہتے ہیں تو جس طرح آیات و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اول سے آخر تک بیس (۲۰) مرحلوں کو طے کرتا ہے کہ جن میں سے چند مرحلے اب تک گزر چکے ہیں اور کچھ مرحلے ابھی باقی ہیں کہ انسان انتہائی تیزی کے ساتھ ان کی طرف رواں دواں ہے۔

ذکر سے پہلے اور گذشتہ مراحل تقریباً آٹھ ہیں، ہر مرحلہ کو اس سے مربوط آیات کے ساتھ ہم بیان کرتے ہیں اور اس مقام پر گذشتہ و آئندہ مراحل عمر انسان کے درمیان رابطے سے مطلب کو شروع کرتے ہیں۔ پس گذشتہ و آئندہ مراحل کی ترتیب اس طرح ہے:

پہلا مرحلہ مٹی کے بیان میں

انسان کی خلقت اور اس کی کیفیت تخلیق کے بارے میں آیات الٰہی مٹی کو پہلا مرحلہ قرار دے رہی ہیں کہ مٹی کس طرح انسان بن جاتی ہے؟ اور وہ کتنے مراحل ہیں جن سے مٹی گزر کر انسان کی شکل اختیار کرتی ہے، مٹی کس طرح نباتات اور نباتات کس طرح نطفہ بنتی ہے اور نطفہ کتنے مراحل طے کرکے

انسان کی صورت میں پہنچتا ہے۔ کس طرح مٹی عالم موجودات سے عالم نباتات میں قدم رکھتی ہے اور وہاں سے عالم حیوانات کی طرف راستہ لیتی ہے اور پھر حیوانیت سے انسانیت میں جا کر اپنے کمال کو حاصل کرتی ہے؟

خداوند کریم اپنے کلام پاک میں چند آیات کے اندر خلقت انسان کو مٹی سے قرار دیتا ہے۔ قرآن پہلے انسان کی خلقت کو بیان کرتا ہے جو کہ مٹی سے ہے اور انسان کیلئے خدا کی بہت بڑی نعمت ہے۔

فرماتا ہے:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ﴾ (سورۃ روم:۲۰)

"اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے خلق کیا ہے پھر تم بشر کی صورت میں زمین کے اوپر پھیل گئے"۔

اس آیت مبارکہ میں عظمت خدا کی دو نشانیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

(۱) ایک اُن میں سے مٹی سے انسان کی خلقت ہے اور ہو سکتا ہے پہلے انسان کی خلقت یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی طرف اشارہ ہو یا تمام انسانوں کی خلقت مٹی سے ہوئی ہے کی طرف اشارہ ہو کیونکہ وجود انسان کو تشکیل دینے والا غذائی مواد واسطے کے ساتھ یا بلا واسطہ مٹی ہی سے لیا گیا ہے۔

(۲) اور دوسری نشانی نسل انسان کی کثرت اور اولاد آدم علیہ السلام کا زمین کے تمام خطوں میں منتشر ہونا ہے۔ کیونکہ اگر آدم علیہ السلام کے اندر پھیل جانے والی خصوصیت کو ودیعت نہ کیا جاتا تو بہت جلدی صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا اور اس کی نسل ختم ہو کر رہ جاتی۔

قرآن کریم اس آیت مبارکہ میں انسان کے مادہ اولیہ کو جو کہ پہلے انسان کی خلقت کی حقیقت ہے مٹی سے بیان کر رہا ہے کیونکہ مواد غذائی جو زمین کے اندر وجود رکھتا ہے دانوں اور بیجوں کو کاشت کرنے کے بعد وہ مواد غذائی ان کی جڑوں میں چلا جاتا ہے اور پھر نباتات کی شکل میں آ کر حیوانات کی غذا بن جاتا ہے اور انسان حیوانات، نباتات اور درختوں کے پھلوں سے استفادہ کرتا ہے

اور ان کے کھانے سے انسانی نطفہ تیار ہوتا ہے۔

بہر صورت مواد غذائی (خواہ حیوانی ہو یا نباتاتی) جو کہ انسانی جسم کو حتیٰ کہ اس کے نطفہ کو تشکیل دیتا ہے تمام تر اس کا سرمایہ مٹی ہے جو کچھ انسان کھاتا ہے اور جتنا مواد مٹی میں چھپا ہوا ہے سب کی بازگشت مٹی کی طرف ہوتی ہے (مٹی سے باہر آیا ہے اور مٹی ہی میں چلا جائے گا)۔

ہاں! مٹی پہلا مرحلہ ہے اور انسان اپنی تمام عظمتوں قوتوں اور شائستگی کے ساتھ اسی مٹی سے خلق ہوا ہے۔ وہ انسان جو دنیا کے تمام موجودات اور مخلوقات سے افضل و برتر ہے بے قیمت مٹی سے وجود میں آیا ہے۔ وہ مٹی جو بے قیمتی میں ضرب المثل بن گئی ہے۔ وہ مٹی جو پاؤں میں پڑی رہتی ہے اور حرکت و احساس سے خالی ہے اور بے خبری کے عالم میں خدا کی قدرت سے نطفہ میں تبدیل ہو جاتی ہے اور اس کے بعد کامل انسان وجود میں آ جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے احتمال دیا ہے کہ آیت مذکورہ میں مٹی سے انسان کی خلقت کا ہونا اس پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت مراد ہے مگر متعدد آیات قرآن (قریباً چھ آیات) سے پتہ چلتا ہے کہ آیت میں اشارہ موجودہ انسان کی طرف ہے نہ کہ اس پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی طرف ہے کیونکہ آیات کا سیاق انسان کے مراحل تکامل کو ذکر کرتا ہے جو نطفہ، علقہ، مضغہ اور نتیجۃً انسان کا کامل ہونا ہے۔

خداوند متعال نے قرآن مجید میں چھ دفعہ انسان کی خلقت کو مٹی سے اور آٹھ دفعہ طین (آب و گل) سے ذکر کی ہے۔ ہاں! وہ خدا ہے کہ جو کچھ دنیا میں خلق کیا ہے، بہترین طریقہ خلقت کے ساتھ خلق کیا جس سے بہتر اور کامل تر طریقہ تصور انسان میں نہیں آ سکتا اور انسان کی تنظیم خلقت کے قصر کی بنیاد کو احسن تقویم قانون کے مطابق رکھا ہے اور مختلف قسم کے پھولوں کو مختلف قسموں کی خوشبو عطا کی ہے۔ وہ ایسا خدا ہے جس نے مٹی کو روح و جان دی ہے اور اس سے آزاد اور ہوش و عقل رکھنے والا انسان بنایا ہے اور اسی سیاہ بدبودار مٹی سے کبھی انسان اور کبھی دل انگیز پھولوں کو اور کبھی رنگ برنگ پھلوں کو اور کبھی دوسرے عجیب و غریب مخلوقات کو پیدا کرتا ہے تا کہ اپنی عظمت و قدرت کا اظہار کرے کہ میں نے اس طرح کی برجستہ مخلوق کو عام اور بے قیمت مادہ سے خلق کیا ہے اور نیز انسان کو خبردار

کرے کہ تو کہاں سے آیا ہے اور تو نے کہاں جانا ہے۔ بے جان اور مردہ مٹی کہاں اور خوبصورت وزندہ انسان کہاں۔ بے حس وحرکت مٹی کہاں اور عاقل وہوشیار انسان کہاں۔ بے قیمت پاؤں کے نیچے آنے والی مٹی کہاں اور صاحب حس وحرکت قابل یا ارادہ شان وشوکت کا مرکز انسان کہاں، پست اور سفلی مٹی کہاں اور صاحب شرافت وشعور انسان کہاں۔

شعر:

دہندہ ای کہ بہ گل نگہت و بہ گل جان داد

بہ ہر کہ آن چہ سزا دید حکمتش آن داد

عطا کرنے والا جس نے پھول کو خوشبو اور مٹی کو روح عطا کی ہے

اس کی حکمت ودانائی نے جس کو جو کچھ عطا کرنا مناسب سمجھا عطا کر دیا

اس بحث کے آخر پر اس مطلب کی یاد آوری ضروری ہے کہ جسم انسان کے ایک قابل توجہ حصہ کو پانی (تقریباً ۷۰%) تشکیل دیتا ہے اور دوسرے حصہ کو آکسیجن اور کاربن جن کو مٹی سے نہیں لیا گیا۔ لیکن انسان کے پورے بدن کے اصلی مادہ اور قالب کو وہ مواد تشکیل دیتا ہے جس کو مٹی سے حاصل کیا گیا ہے اور یہ تعبیر کامل طور پر صحیح ہے کہ انسان مٹی سے وجود میں آیا ہے اور اس کے مادہ اولیہ کو مٹی سے حاصل کیا گیا ہے۔

مٹی سے حاصل شدہ غذا کے بیان میں

دوسرا مرحلہ نچوڑ مٹی

عصارۂ گل یعنی مٹی کا نچوڑ ان مواد غذائی کو کہتے ہیں جو مٹی سے لیا جاتا ہے۔ وہی ذرے اور مواد جو مٹی کے اندر چھپا ہوا ہے۔ جب بیج اور گندم کا دانہ مٹی کے اندر پنہاں ہو جاتا ہے تو پانی مٹی اور جو قوت دانے کے اندر موجود ہے ان کی وجہ سے بیج حرکت میں آجاتا ہے اور بڑھنا پھولنا شروع ہو جاتا ہے اور ایک وقت آجاتا ہے کہ جمادات سے نباتات کی شکل وصورت اختیار کر لیتا ہے۔ جب دانہ اور

بیج مٹی میں چھپتا ہے تو پہلے جڑ نکلتی ہے۔ جڑ مٹی سے غذائی مواد حاصل کرتی ہے اور اپنے اندر جذب کرتی ہے، پھر وہی غذائی مواد ٹہنیوں کی طرف منتقل ہوتا ہے اور ٹہنیاں اسی مواد کو پتوں اور پھلوں تک پہنچاتی ہیں اور پھل انسان کی غذا بن جاتے ہیں اور وہی مواد غذائی ہے جس کو نباتات مٹی سے حاصل کرتے ہیں اور اپنے اندر اس کو ذخیرہ کر لیتے ہیں اور حیوانات ان کو کھاتے ہیں اور انسان اُن حیوانات اور اُن سے حاصل شدہ چیزوں کو اپنی غذا کے طور پر کھاتا ہے۔ اس جگہ سے حرکت شروع کر دیتا ہے اور تکامل کی طرف بڑھتا ہے۔ ابھی تک اگرچہ یہ مواد مٹی کے اندر لاکھوں سالوں سے بے حس و حرکت اور خاموش تھا لیکن اب وہ مواد حس و حرکت اور جوش میں آتا ہے جو جمادات میں سے تھا جس کے اندر کوئی حرکت نہ تھی وہ حرکت میں آتا ہے اور نشو و نما پاتا ہے، ادراک و احساس کو پیدا کرتا ہے کیونکہ اگر اس کو پانی نہ ملے تو مردہ اور بیمار ہو جاتا ہے اور اگر اس کی حفاظت نہ کی جائے تو وہ خشک ہو جاتا ہے اور حرکت نہیں کر سکتا۔ پس اگر اس پر توجہ دی جائے تو نشو و نما پاتا ہے، خوشحال ہو جاتا ہے اور انسان کو زیادہ مواد غذائی فراہم کرتا ہے اور زندگی کو سکون و اطمینان عطا کرتا ہے۔

قرآن کریم عُصَارہ گِل (مٹی کے محصولات غذائی) کے متعلق فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ﴾ (سورۂ مومنون: ۱۲)

"بیشک ہم نے انسان کو مٹی کے نچوڑ سے خلق کیا ہے"۔

انسان مختلف عناصر کا مجموعہ ہے اور وہ کاربن، آکسیجن، ہائیڈروجن، فاسفورس، گوگرد، آزٹ، پوٹاشیم وغیرہ ہیں۔ اور یہ تمام عناصر گِل مٹی (کیچڑ) کے اندر موجود ہیں۔ بالفاظ دیگر وہ دانہ اور بیج جس کو انسان زمین کے اندر کاشت کرتا ہے تو وہ سورج کی گرمی، پانی اور زمینی ضروری مواد کو حاصل کرتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد سرسبز درخت یا خوبصورت نباتات کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور حیوان اس نباتات اور سبزے کو کھا لیتا ہے اور انسان حیوان اور اس سے حاصل شدہ چیزوں کو یا پھر خود اس سبزی کو کھاتا ہے۔ چنانچہ وہ مواد جو نباتات یا سبزے کی صورت میں ہے وہی مواد ہے جو ابھی تک مٹی اور کیچڑ کے اندر موجود تھا۔ (مثلاً: چونا، لوہا، چاندی، سونا، کیمیائی مواد) اور انسان کیچڑ کا نچوڑ یا مٹی سے جدا شدہ

مخلوق ہے۔اس لحاظ سے ایک آدمی کے بدن کے عناصر کی بہترین غذا زندہ اور تازہ عناصر کا فراہم کرنا ہے جو انسان کی غذا بھی شمار ہوتے ہیں اور اُن حیوانات کی غذا بھی بنتے ہیں جن کے گوشت اور اُن سے حاصل شدہ چیزوں سے انسان غذا حاصل کرتا ہے۔ انسان اور حیوانات کھیت کی تازہ سبزیوں سے استفادہ کریں تا کہ بغیر کسی واسطے کے انسان اور حیوانات کے بدن کو بہترین نباتاتی غذا حاصل ہو سکے اور گوشت، دودھ کی صورت میں حیوانات کے سبب سے زیادہ مفید عناصر آدمی کے بدن میں وارد ہو سکیں۔

بہر صورت مواد خوراکی کے عناصر کا تازہ اور زندہ ہونا اسلام کی نظر میں بہت اہمیت رکھتا ہے حتیٰ کہ قرآن سمندر کی تعریف میں سمندر کو ایک ایسی جگہ قرار دیتا ہے جس کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت تر و تازہ شمار شدہ مچھلی کو قرار دیتا ہے۔

چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

﴿تَأْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا﴾ (سورۂ فاطر ۱۲:)

”تم سمندر سے تازہ گوشت کھاتے ہو“۔

اس آیت مبارکہ میں سمندر کے فوائد سے ایک فائدہ کو ذکر کیا گیا ہے اور وہ مواد خوراکی ہے جو سمندر کے اندر وافر مقدار میں موجود ہے، جس سے انسان وافر استفادہ کرتا ہے۔ ہر سال کئی ملین ٹن تازہ گوشت سمندر سے حاصل کر کے صرف کیا جاتا ہے اور قرآن نے جو تازہ گوشت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ پرانے گوشت سے انسان اتنا غذائی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا جتنا تازہ گوشت سے حاصل کر سکتا ہے۔ تازہ اور صاف ستھرے مواد غذائی کے علاوہ قرآن نے صاف اور ستھری زمین کو بہت اہمیت دی ہے کیونکہ زمین جتنی زیادہ صاف اور عمدہ ہوگی اتنی ہی بدن کے غذائی عناصر اور مواد ضروری کو زیادہ فراہم کرے گی اور تمام مواد خوراکی کو سبزیوں اور پھلوں کی صورت میں بدن انسان تک پہنچائے گی۔

قرآن اس کے متعلق فرماتا ہے:

﴿وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا﴾

(سورۂ اعراف: ۵۸)

"صاف ستھری زمین، فائدہ مند، مفید اور پُر برکت سبزیوں کو اپنے پروردگار کے اذن کے ساتھ باہر نکالتی ہے مگر شورہ زدہ اور خبیث باطن رکھنے والی زمین سوائے بیکار اور کم قیمت چیزوں کے کچھ نہیں نکالتی"۔

اس ترتیب کے مطابق جتنا مواد خوراکی بہتر اور اچھا ہوگا اتنا ہی انسان خوشحال اور زندہ ہوگا اور جتنا مواد خوراکی جو زمین سے نکلتا ہے زیادہ اور بہتر ہوگا اتنا ہی انسان کمال و تکامل کی طرف بڑھےگا۔ چنانچہ سالم اور تندرست غذا نطفہ اور اولاد پر بھی اثر انداز ہوتی ہے اور اس کو سالم، تندرست اور کامل کرتی ہے، انسان کے ہوش و حواس اور استعداد کو زیادہ کر دیتی ہے۔ پیامبر اکرمؐ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام سے بہت زیادہ روایت نقل ہوئی ہیں جن میں انہوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری اولاد رشد و کمال کو حاصل کرے تو فلاں غذا کو خود کھاؤ یا بچے کو کھلاؤ اور اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری اولاد خوبصورت و زیبا ہو تو فلاں پھل کو استعمال کرو اور اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری اولاد عقل، ہوش و حواس رکھنے والی ہو تو فلاں مواد خوراکی سے استفادہ کرو اور اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری اولاد کا اخلاق اچھا ہو تو فلاں غذا کو استعمال کرو (اس مسئلے میں کتاب "وسائل الشیعہ ج: ۱۶ و ۱۷/ بحار الانوار ج: ۶۶/ کتاب وافی ج: ۲۰ کی طرف رجوع کریں!)۔

پس وہ مواد جس سے انسان وجود میں آتا ہے سارے کا سارا زمین سے باہر آتا ہے اور انسان غذا کے طور پر اس سے استفادہ کرتا ہے اور نتیجتاً انسان اسی غذا سے وجود میں آیا ہے۔

تیسرا مرحلہ خون کے بیان میں

جن مرحلوں سے انسان نے گزرنا ہے ان میں سے ایک مرحلہ خون ہے۔ وہی خون جو غذاؤں سے حاصل ہوتا ہے اور غذا کے نچوڑ سے پیدا ہوتا ہے۔ جس خون میں لاکھوں کروڑوں زندہ

موجودات خرد Zاثیم کی صورت میں تیر رہے ہوتے ہیں ہوا کی آکسیجن اور غذا کے زندہ مواد اور تجزیہ کو بدن کے تمام متحرک اور حساس عناصر تک پہنچاتا ہے اور خون کے ہر قطرہ میں تقریباً چالیس ملین خرد Zاثیم ہوتے ہیں۔ چربی، شکر اور دوسرے مواد جو کہ غذائی بدن کے ہر حصہ کیلئے ضروری ہوتا ہے ہضم شدہ غذا امتزاک کے تجزے سے ماتحت بار بردار گاڑی کی طرح لوڈ کرتا ہے اور بدن کے جس حصہ میں غذا نہیں ہوتی وہاں پہنچاتا ہے اور تمام زندہ Zاثیم کو فراہم کرتا ہے اور اسی مقام پر اپنے لوڈ کو خالی کرتا ہے اور پھر حرکت کرتا ہے، چربی، نشاستہ اور جلنے والے مواد کے اسٹور میں داخل ہوتا ہے وہاں سے مواد کو لوڈ کرتا ہے اور جہاں پر ضروری ہوتا ہے اس کو اَن لوڈ کر دیتا ہے۔ وہ غذا جو انسان کھاتا ہے اس میں معدنیاتی مواد اور مختلف قسم کے وٹامن ہوتے ہیں جو خون اور خرد Zاثیم کے ذریعے تمام بدن کو ملتے ہیں کچھ ان میں سے اعصابی عناصر اور کچھ مغز کے عناصر کو اور کچھ جگر، بال، ناخن، ہڈیوں اور چمڑے کو ملتے ہیں اور بعض اُن میں سے نطفہ اور منی بن جاتے ہیں اور اس کے بعد خدا کی قدرت کے ساتھ انسان وجود میں آ جاتا ہے۔ نطفہ اسی غذائی زندہ مواد سے وجود میں آتا ہے جو کہ خون میں موجود ہے۔ اس جگہ پر ضروری ہے کہ غذا اور اس کا رکون اور معدے سے عبور کرنے اور چوتھے مرحلہ پر ہضم تک پہنچنے کے متعلق چند سطریں لکھی جائیں تا کہ خدا کی قدرت کاملہ سب پر ظاہر ہو جائے اور اس پر عقیدہ ایمان مضبوط ہو جائے۔

تو جب انسان غذا کو منہ میں ڈالتا ہے اور چبانا شروع کرتا ہے تو منہ کے غدود دہن کے اطراف اور زبان کے نیچے ہوتے ہیں اپنے مخصوص پانی کو غذا کے اوپر ڈالنا شروع کر دیتے ہیں اور غذا کو اس پانی کے ساتھ تر کرتے ہیں، ایک طرف تو غذا کو تر کرتے ہیں اور دوسری طرف غذا کو ہضم ہونے کے قابل بناتے ہیں تو جب غذا چبائی جاتی ہے اور منہ کے مخصوص غدود کے پانی کے ساتھ مخلوط ہو جاتی ہے تو ایک باریک نالی جو کہ حلق کو معدے سے ملانے والی ہوتی ہے سے عبور کر کے معدے میں داخل ہو جاتی ہے اور جب معدہ اپنا مخصوص عمل انجام دے دیتا ہے تو غذائی مجریٰ اس بڑی نالی کو کہتے ہیں جو کہ حلق کے نیچے سے شروع ہو کر بدن سے گزرتی ہوئی مخرج کے ساتھ متصل ہوتی ہے اور مخرج اس سوراخ کو کہتے ہیں جس کے ذریعے زائد اور اضافی مواد کو خارج کیا جاتا ہے۔ اس بڑی نالی کی لمبائی دس میٹر

ہے اور اتنی بڑی نالی بدن میں جگہ کو کس طرح حاصل کر سکتی ہے تو یہ نالی مارپیچ حلقوں کی شکل و صورت میں ہوتی ہے (مارپیچ حلقے یعنی جس طرح سانپ زمین پر حلقوں کی صورت میں پیچ کھاتا ہے) اور اس نالی کا کچھ حصہ چوڑا اور باریک ہوتا ہے اور اس میں ایسے غدود موجود ہوتے ہیں جو دائمی طور پر مائع کو چھڑکتے ہیں اور غذا کو تر کرتے رہتے ہیں اور غذا کو ہضم کیلئے تیار کرتے ہیں۔ چنانچہ چبائی ہوئی غذا بڑی نالی کے ذریعے معدہ میں جاتی ہے اور معدہ اس بڑی نالی کا وہ کھلا اور چوڑا غذائی حصہ ہے جس کی دیواریں چاند کی گولائی کی طرح گول ہوتی ہیں جو کہ غذا کو پھیلانے جمع کرنے اور مخصوص پانی کے چھڑکنے میں بہت زیادہ مدد کرتی ہے۔ معدہ کی دیواروں میں بہت زیادہ غدود ہوتے ہیں جو کہ شیرۂ معدہ کو غذا کے اوپر چھڑکتے ہیں اور یہ شیرہ انتہائی طاقتور ریدنی اسید ہے (اسید Acid اور یہ یونانی Acidus سے ماخوذ ہے جو کہ معدہ کے اندر زنگ کو پیدا کرتا ہے) اور بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ انسان کا معدہ اس تیزاب سے استفادہ کرتا ہے اور غذا کے ہضم کو انتہائی آسان کرتا ہے اور شیرۂ معدہ کے چھڑکاؤ کی وجہ سے غذا ہضم ہونا شروع ہو جاتی ہے اور چھوٹی نالی میں داخل ہو جاتی ہے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں پر غذا مکمل طور پر ہضم ہو جاتی ہے اور بدن کیلئے ضروری مواد اس غذا سے جدا ہو جاتا ہے۔ معدہ اور بڑی نالی اس کو جذب کرتے ہیں اور اس کے بعد وہ مواد خون میں داخل ہو جاتا ہے۔

چھوٹی نالی کی لمبائی سات میٹر ہوتی ہے جو کہ بڑی نالی کی طرح بدن کے اندر مارپیچ حلقوں کی طرح ہوتی ہے اور تقریباً پورے پیٹ کے اندر پائی جاتی ہے۔ البتہ دوسرے غدود بھی بدن کے اندر موجود ہیں اور سب اپنے مخصوص پانی کے چھڑکاؤ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں تا کہ غذا مکمل طور پر ہضم ہو جائے اور ان غدود میں سے دو بڑے غدود ہوتے ہیں: (1) ایک کا نام کبد ہوتا ہے جسے سیاہ جگر کہتے ہیں (۲) دوسرا لوز المعدہ کہلاتا ہے جو کہ چھوٹی نالی کی ابتداء میں ہوتا ہے اور اپنے مخصوص پانی کا چھوٹی نالی کے اندر چھڑکاؤ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی چھوٹی نالی کی دیواروں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے غدود بہت زیادہ موجود ہوتے ہیں جو کہ اس نالی کے شیرہ کا چھڑکاؤ کرتے ہیں۔ پس اگر معدہ، جگر، لوز المعدہ (یعنی وہ بڑا غدود جو کہ کھا کی شکل میں معدہ کے نیچے ہوتا ہے اور ہضم غذا کیلئے

طاقتور شیرہ کی تولید کرتا ہے۔ اور بڑی چھوٹی نالیاں نہ ہوتیں تو غذا ہضم نہ ہوتی اور ضروری مواد بدن کو نہ ملتا اور نتیجتاً انسان یا مر جاتا یا پھر مختلف قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا۔

آخر کار غدودوں کے تجزیہ کو غذا کے ہضم اور ضروری مواد کے جذب کے بعد غذا بڑی رگ میں چلی جاتی ہے۔ اس جگہ پر کوئی ہضم غذا کا عمل وجود میں نہیں آتا اور وہ مقدار پانی کی جو غذا کی بڑی نالی میں باقی رہ جاتی ہے اور مختلف غدودوں نے اس کا تجزیہ کاؤ کیا تھا اور ہضم کے مختلف ضروریات کو پورا کیا گیا۔ غدود اس کو واپس اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں اور جو غذا قابل جذب نہیں ہوتی اور بچ جاتی ہے وہ پاخانہ کی صورت میں انسان کے بدن سے خارج ہو جاتی ہے۔

بہر صورت غذائی مواد جذب ہونے کے بعد خون کے ساتھ مل جاتا ہے اور جذب شدہ غذائی مواد کو مختلف عناصر تک پورے بدن میں پہنچا دیتے ہیں اور جن کو جو چیز ضرورت ہوتی ہے اس کو پہنچ جاتی ہے اور مواد کا کچھ حصہ جو کہ خون میں ہوتا ہے وہ نطفہ کے اصلی عناصر کو ملاتا ہے اور وہ اس سے نطفہ اور منی کو تیار کرتا ہے۔

خلاصہ کلام: انسان منی میں موجود مواد غذائی سے وجود میں آتا ہے جو مواد غذا کا جز و بنتا ہے اور خون میں داخل ہو جاتا ہے اور ان مرحلوں کو گزارنے کے بعد اگلے مرحلہ میں داخل ہوتا ہے جو مرحلہ انتہائی حساس اور حیرت انگیز ہے۔

چوتھا مرحلہ نطفہ کے بیان میں

ہر انسان کی جگہ اور قرارگاہ اس کے باپ کی صلب میں ہے۔ جب باپ کے صلب سے نکلنے کا وقت آتا ہے تو پھر بعد والے مرحلہ میں داخل ہو جاتا ہے جو کہ ماں کا رحم ہوتا ہے اور یہ کہنا چاہیے کہ انسان کی فطرت اور سرشت کو معین کرنے والی چیزوں میں سے ایک چیز ماں کا رحم ہے۔ جس طرح کہ بعض چیزیں باپ کی پشت میں ہوتی ہے۔ گہری علمی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ ماں کا رحم بچے کی خوش بختی اور بدبختی میں ایک مؤثر کردار ہے تو ہر ایک چیز کے جاننے سے پہلے ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ نطفہ میں دو پانی ملے ہوئے ہوتے ہیں: (۱) ایک پانی مرد کی پشت اور ہڈیوں سے نکلنے والا ہے اور (۲)

دوسرا پانی عورت کے سینہ کی اوپر کی ہڈیوں سے نکلنے والا ہے۔ یہ دونوں پانی رحم میں مخلوط ہو جاتے ہیں اور دونوں ایک جرثومہ کی شکل و صورت اختیار کر لیتے ہیں اور انسان وجود میں آجاتا ہے۔

اس سے پہلے ہم نہیں جانتے تھے کہ انسان کا نومولود ان دو پانیوں کے مل جانے سے وجود میں آتا ہے بلکہ ہمارا گمان یہ تھا کہ صرف باپ کی پشت سے نکلتے ہوئے پانی کا نتیجہ ہے یا پھر یہ گمان تھا کہ بچہ باپ کے پانی سے وجود میں آتا ہے اور بچی ماں کے پانی سے وجود میں آتی ہے۔ یہ گمان و تصور قرآن کے نازل ہونے تک موجود رہا۔ اس کے بعد قرآن نے وضاحت کر دی کہ بچہ ہو یا بچی دو پانیوں سے وجود میں آتے ہیں کہ جن کو علم جدید کی اصطلاح میں مرد کے پانی کو اسپرم اور عورت کے پانی کو اوول کا نام دیا جاتا ہے علم جدید نے ثابت کر دیا ہے (علم جدید یعنی ڈاکٹری وغیرہ)۔ کہ اسپرم مرد کے مہرہ پشت کے نخاع میں پرورش پاتے ہیں اور اوول عورت کے سینہ کی اوپر کی ہڈیوں میں پرورش پاتے ہیں۔ جب یہ اسپرم اور اوول ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو ایک ہو جاتے ہیں اور جنین کو تشکیل دیتے ہیں۔ پس اس نطفہ اور منی سے عاقل اور عاشق انسان وجود میں آجاتا ہے۔ چنانچہ مہرہ پشت کے اوپر سے منی نیچے کی طرف چلتی ہے اور حرام مغز سے گزرتی ہوئی مرد کے خصیتان میں داخل ہو جاتی ہے لہٰذا اسلام نے اس مغز کو اور خصیتان کو حرام قرار دیا ہے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"نخاع حرام ہے کیونکہ یہ زن و مرد کی منی کی قرارگاہ ہے (نخاع حرام مغز کو کہتے ہیں اور پشت کی ہڈیوں کے درمیان ہوتا ہے)"۔ (بحار الانوار ج: ۳ ص: ۴۷)۔ اور خصیتان کے کھانے کو بھی حرام قرار دیا ہے کیونکہ مباشرت کرنے کی جگہ اور منی کے جریان کا محل ہے۔

قرآن مجید نے انسان کی خلقت کو دو پانیوں یعنی دو نطفوں سے قرار دیا ہے اور فرماتا ہے:

﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ﴾ (سورۂ انسان / سورۂ دہر: ۲)

"ہم نے انسان کو مخلوط نطفوں سے خلق کیا ہے"۔

یہ نطفوں کا ملاپ ہوتا کہ جس کے بارے میں آیت نے تصریح کر دی ہے شاید یہ اشارہ اس

بات کی طرف ہو کہ عورت مرد کے نطفہ کا مرکب ہونا یعنی اسپرم اور اوول کا باہم مرکب ہونا ہے (جس طرح کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے) یا اشارہ اس طرف ہو کہ نطفہ میں مختلف قوتیں موجود ہیں، مثلاً وراثت وغیرہ کی قوت یا ہو سکتا ہے اشارہ اس بات کی طرف ہو کہ نطفہ مختلف مواد سے مل کر بنتا ہے کیونکہ نطفہ مرد اور عورت کے بدن کی مختلف مواد سے مل کر تشکیل پاتا ہے۔ ایک فرانسیسی دانشور نطفہ کی تشکیل کے بارے میں ایک جدید نظریہ رکھتا ہے۔ وہ اپنی آخری تحقیقات کے مطابق کہتا ہے کہ نطفہ متعدد پانیوں سے مل کر تشکیل پاتا ہے جن پانیوں کو بدن انسان کے مختلف غدود چھڑکاؤ کرتے ہیں۔ ایک پانی وہ ہے جس کو انسان کے بیضے چھڑکاؤ کرتے ہیں جس کے اندر اسپرماتو زوئید موجود ہوتے ہیں اور دوسرا پانی وہ ہے جس کو تخمی تھیلے چھڑکاؤ کرتے ہیں جو پروستات غدود کے نزدیک ہوتے ہیں۔ (تخمی تھیلے یعنی جن میں بذر وتخم ہوتا ہے اور پروستات (Prostat) اس غدود کو کہتے ہیں جو کہ فوطے کے گل کے قریب ہوتا ہے اور منی کا مجریٰ وہاں سے عبور کرتا ہے) اور تیسرا پانی وہ ہے جس کو خود پروستات غدود چھڑکاؤ کرتا ہے کہ جس سے منی کی ظاہری حالت اور خصوصی بو وجود میں آتی ہے اور چوتھا پانی وہ ہے جو کہ کوپر اور لیترہ غدود سے چھڑکاؤ کیا جاتا ہے۔ کوپر اور لیترہ غدود فوطے کے مجریٰ کے نزدیک ہوتے ہیں۔ فرانسیسی دانشور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نطفہ امشاج (ملا جلا نطفہ) جو کہ قرآن کی آیت میں آیا ہے۔ اشارہ اسی مذکورہ بالا حقیقی منی کی طرف ہے جو کہ قطعی طور پر قرآن کے نازل ہونے کے وقت دنیا کے لوگوں اور صاحبان علم و دانش کی آنکھوں سے پوشیدہ و پنہاں تھا۔ (پیام قرآن، ج:۵، ص:۱۸۳)

چنانچہ نطفہ اور منی وہ مواد ہے جو کہ خون کے اندر موجود رہتا ہے اور نطفہ کو اسی سے لیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں بہت ساری آیات ایسی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان منی سے وجود میں آیا ہے۔ بعض آیات تو وہی ہیں جو کہ پہلے مرحلے میں گزر چکی ہیں۔ منی والے مرحلے کو زیادہ تر نطفہ و منی کی بات سامنے آتی ہے کیونکہ نطفہ کا تعلق تمام انسانوں کے ساتھ ہے۔ صرف پہلا انسان حضرت آدم علیہ السلام براہ راست اور جناب حوا بلا واسطہ طور پر مٹی اور گل سے وجود میں آئے ہیں اور موجودہ انسان جن مراحل کو طے کرتا ہے انہوں نے طے نہیں کیے ہیں۔ اصل نطفہ کی حقیقت وہی حس و حرکت اور

زندگی سے خالی پاؤں کے نیچے آنے والی عام مٹی ہے جو کہ کچھ مرحلوں کے گزرنے کے بعد نطفہ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

نطفہ زندہ و اسرار آمیز تیرنے والے موجود Z اشیم سے تشکیل پاتا ہے۔ مرد میں ان Z اشیم کو اسپرم اور عورت میں اووول کہتے ہیں۔ یہ Z اشیم اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں کہ ممکن ہے ایک مرد کے نطفہ میں پچاس کروڑ Z اشیم موجود ہوں۔ وہ چھوٹے Z اشیم مباشرت کے وقت جب مرد کے مجریٰ سے خارج ہوتے ہیں اور عورت کے مَهْبَلْ میں داخل ہوتے ہیں (مجریٰ: منی کے جاری ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں اور مَهْبَلْ عورت کے رحم کو کہتے ہیں)۔ یہ Z اشیم اور اسپرم مرد کے منی ساز بخاری کہ جن کی لمبائی چند میٹر ہوتی ہے تیار ہوتے ہیں اور تدریجی طور پر مناسب وقت کے اندر مکمل ہوتے ہیں اور خارج ہونے کیلئے تیار ہوتے ہیں۔ یہ Z اشیم لمبے اور سر و گردن رکھنے والے ہوتے ہیں اور بہت زیادہ حرکت کرنے والی دُم رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ہر سیکنڈ میں ایک کروڑ چار لاکھ سے دو کروڑ تین لاکھ ملین دفعہ حرکت کرتے ہیں۔ اور ظاہری و خارجی ان کی شکل و صورت مینڈک کے بچہ کی مانند ہوتی ہے جو کہ ابھی تازہ تخم سے باہر آیا ہے اور ہاتھ پاؤں نہیں رکھتا ہے اور پاؤں کے بجائے نرم اور حرکت کرنے والی دُم رکھتا ہے اور اسی حرکت وار دُم کی وجہ سے ایک جگہ سے دوسری جگہ چھلانگ لگاتا ہے۔

لفظ نطفہ اور منی کا مفہوم

اس مقام پر ضروری ہے کہ پہلے نطفہ اور پھر منی کا معنی یہاں بیان کیا جائے۔ لفظ نطفہ کا معنی عربی لغت (عربی گرامر) کے لحاظ سے تھوڑے پانی یا صاف پانی یا ناچیز اور کم اہمیت چیز کو کہتے ہیں، اور قرآن کی اصطلاح میں نطفہ پانی کے ان قطروں کو کہتے ہیں جو مرد کے اپنی زوجہ کے ساتھ مباشرت کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور انسان کے پیدا ہونے کا سرچشمہ قرار پاتے ہیں۔ (مجمع البحرین، لغت نطف، مفردات راغب)

اور لفظ منی کا معنی یہ ہے کہ منی اس پانی کو کہتے ہیں جو انسان کی پشت و کمر سے باہر آتا ہے۔ ایسا مائع ہوتا ہے جو کہ مرد کے تناسلی غدود سے جماع یا احتلام یا استمنا کی وجہ سے خارج ہوتا ہے اور اس

میں دُم دار زواشیم اور بہت باریک باریک کیڑے ہوتے ہیں جو کہ ایک منی کے قطرہ میں کئی کروڑ موجود ہوتے ہیں اور اُن میں سے کچھ حشرات انسان قرار پاتے ہیں اور باقی تمام مردہ ہو جاتے ہیں۔ (مجمع البحرین، لغات منی، مفردات راغب)

عورت اور مرد کی منی بنانے والا عامل الگ الگ ہوتا ہے۔ مرد کی منی مرد کے صلب، کمر اور کمر کے اطراف کے دو ستونوں سے جاری ہوتی ہے اور پیشر سے گزر کر باہر آ جاتی ہے اور عورت کی منی عورت کے سینہ اور اطراف کی ہڈیوں جو کہ گردن کے ساتھ ملی ہوتی ہیں سے جاری ہوتی ہے۔ جب مرد اپنی زوجہ کے ساتھ مقاربت کرتا ہے تقریباً پچاس کروڑ زواشیم اور اسپرم اپنی جگہ سے حرکت کرتے ہیں اور انتہائی تیزی کے ساتھ مرد کی منی سے گزرتے ہوئے عورت کے پہلے اور چھوٹے رحم میں داخل ہو جاتے ہیں اور وہ چھوٹا رحم بڑے رحم کی دیواروں سے جدا ہوتا ہے۔ (شُحدان اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں بیج کو کاشت کیا جاتا ہے اور تخمک بیج کے کاشت کرنے کی چھوٹی جگہ کو کہتے ہیں)۔ جب منی عورت کے رحم میں ڈالی جاتی ہے تو وہ زواشیم اور اسپرم جو آگے ہوتے ہیں اُن میں سے ایک یا کئی اپنے آپ کو عورت کے رحم تک پہنچاتے ہیں اور عاشق معشوق کی طرح ایک دوسرے کو آغوش میں لے لیتے ہیں۔ جب اسپرم (مرد کی منی کے زواشیم) اپنے آپ کو عورت کے چھوٹے رحم میں پہنچاتے ہیں تو اپنے سر کو اس کے اندر داخل کرتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی دُم قطع ہو جاتی ہے اب یہاں سے نشوونما شروع ہو جاتی ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے کہ جہاں پر لڑکا لڑکی الگ الگ ہوتے ہیں۔ اگر مرد کا نطفہ عورت کے نطفہ پر غالب آ گیا تو لڑکا پیدا ہوگا اور اگر عورت کا نطفہ غالب ہو گیا تو لڑکی پیدا ہوگی۔

نطفہ کا عورت کے رحم میں پیوست ہونا

ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ انسان کے بدن کی عمارت دو کروڑ زواشیموں کی پیوستگی سے تیار ہوتی ہے اور وہ زواشیم مرد کے اسپرم اور عورت کے اوول جب ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہیں تو انسان کی بنیاد وجود میں آتی ہے۔ اسپرم مرد کی منی سے اچانک انتہائی تیزی کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں یہ منی کا گروہ حملہ کرنا شروع کرتا ہے اور زواشیم ایک دوسرے پر سبقت لیتے ہیں تو آگے بڑھ جاتے ہیں وہ

دوسروں کو مار دیتے ہیں اور آگے بڑھتے ہوئے کس طرح آگے بڑھتے ہیں جو سبقت لینے والے جراثیم عورت کے تنگ کی طرف بڑھتے ہیں (تنگ چھوٹا رحم) تا کہ رحم کے ساتھ پیوستہ ہو جائیں اور تنگ بھی بڑے تخمدان کے ساتھ ایک مخصوص جگہ ہے (تنگ چھوٹا رحم اور تخمدان بڑا رحم جب مرد و عورت کے جراثیم ملتے ہیں تو پہلے چھوٹے رحم میں جاتے ہیں پھر بڑے رحم کی طرف بڑھتے ہیں جہاں پر انسان تیار ہوتا ہے)۔

چنانچہ جراثیم کا عورت کے تنگ پر ہجوم کرنا اسی طرح ہوتا ہے کہ گویا ایک لشکر جس طرح قلعہ کو آزاد کرانے کیلئے ہجوم کرتا ہے تو جس طرح کئی افراد لشکر کے قلعہ کی آزادی میں مر جاتے ہیں اسی طرح جراثیم عورت کے تنگ میں داخل ہونے کیلئے ہجوم کرتے ہیں، کچھ تنگ میں داخل ہو جاتے ہیں اور بہت سارے ختم ہو جاتے ہیں تو جب تخمدان کی دیواریں نرم ہو جاتی ہیں اور بہت سارے جراثیم اس میں داخل ہونے کیلئے لڑائی کے عالم میں مر جاتے ہیں تو آخر کار نطفہ یعنی اسپرم میں سے کچھ کامیاب ہو جاتے ہیں اور تخمدان میں داخل ہو جاتے ہیں۔

تعجب آور بات یہ ہے کہ انسان کا بدن اپنا دفاع کرتا ہے اور اجنبی موجودات کو اپنے آپ سے دور کرتا ہے لیکن منی سے پیدا ہونے والا زندہ موجود کہ اجنبی ہے اس کو اپنے پاس سے دور کیوں نہیں کرتا؟ بلکہ برعکس عمل کرتا ہے، بجائے دور کرنے کے اپنی طرف جذب کرتا ہے۔ کیوں عورت کا بدن اور رحم اس زندہ موجود کو (جراثیم منی) جو کہ داخل ہو چکا ہے اپنے پاس سے دور نہیں پھینکتا؟

اس سوال کا جواب اس طرح دیا جاتا ہے کہ عورت کے رحم کی عمارت کو فطرتی طور پر اس ناشناختہ زندہ موجود کی پذیرائی کیلئے تیار کیا گیا ہے تا کہ آرام و سکون کے ساتھ وہ زندہ موجود عورت کے تخمدان تک پہنچ جائے اور حمل کی صورت اختیار کرلے۔ (الطب محراب الایمان، ج:۲، ص:۳۸ تا ۴۹)

جنین کی زندگی پر بچہ دانی کے اثرات

جب یہ زندہ موجود عورت کے تنگ میں پہنچ جاتا ہے جو کہ نطفہ سے پیدا ہوا ہے تو بچہ دانی وجود میں آجاتی ہے۔ یہ تازہ غدود اور حیرت انگیز جو رحم میں پیدا ہوئی ہے اور نومولود کو برداشت کرنے کی

آمادگی رکھتی ہے اپنی تمام ضروریات کو حاضر رکھتی ہے بلکہ ضرورت کے وقت تیار کر لیتی ہے۔ مثلاً پھیپھڑے سانس لینے کیلئے، جگر خون بنانے کیلئے اور دل خون کی گردش کیلئے اور رگوں کو خون اور غذا پہنچانے کیلئے اور گردوں کو نقصان دہ مواد کی صفائی کیلئے اور غدود کو مخصوص پانی کے چھڑکاؤ کیلئے اور دستگاہ گوارش کو غذا کی ضروری مواد کو پہنچانے اور نقصان دہ مواد کو ضائع کرنے کیلئے (دستگاہ گوارش اس پورے کارخانہ کو کہتے ہیں جس میں حلق، معدہ، چھوٹی نالی، بڑی نالی تمام شامل ہیں اور غذا کو قابل ہضم بنا کر مواد لازم کو الگ کر کے غیر ضروری مواد کو باہر نکال دیتے ہیں)۔ (اطیب مستطاب الایمان، ج۴، ص:۲۸تا۲۹)

جب نطفہ عورت کے رحم میں قرار پکڑتا ہے تو چالیس دن تک اسی شکل و صورت میں رہتا ہے اس کے بعد دوسرے مرحلہ میں داخل ہوتا ہے۔ چنانچہ گیارہ (۱۱) آیات قرآن کریم میں نازل ہوئی ہیں جو وضاحت کے ساتھ انسان کی خلقت کو نطفہ سے قرار دے رہی ہیں:

﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ﴾ (سورۂ نحل:۴)

"خدا نے انسان کو بے اہمیت نطفہ سے پیدا کیا ہے، پس اچانک کھلا ہوا دشمن بن گیا"۔

(کیونکہ اس نے اپنی اصل خلقت کو فراموش کر دیا ہے اور اپنے پروردگار کے ساتھ دشمنی کرنے لگ گیا، آخر کار دشمن، فصیح، بلیغ، اپنا دفاع کرنے والا، سخن گو وجود بن کر آشکار ہو گیا)۔ گذشتہ آیات میں خدا نے عظمت خلقت کو بیان کیا ہے۔ خلقت کی عظمت اس صورت میں ظاہر ہوتی ہے جب بے قدر و قیمت کمزور وجود سے با عظمت اہمیت رکھنے والے وجود کو خلق کیا جائے۔ ہو سکتا ہے آیت میں لفظ خصیم سے مراد دفاع کرنے اور بات کرنے والا انسان مراد ہو۔ دشمنی اور جھگڑا مراد نہ ہو کیونکہ اس آیت کے ذیل میں علی ابن ابراہیم کی تفسیر میں حدیث کو نقل کیا گیا ہے کہ خدا نے انسان کو بدبودار پانی کے قطرے سے خلق کیا ہے اور نتیجتاً فصیح و بلیغ، سخن گو وجود میں آ گیا۔ (نور الثقلین، ج۳، ص:۳۹)

(۲) ﴿اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ﴾ (یٰسین:۷۷)

"کیا انسان نہیں دیکھتا کہ ہم نے اس کو بے اہمیت نطفہ سے پیدا کیا ہے"۔

اور وہ (اس قدر طاقتور قدرت و شعور تک رکھنے والا ہو گیا کہ خدا کے مقابلہ میں جنگ و جدل کرنے پر) دشمنی کرنے پر کھل کر سامنے آ گیا۔ ہاں! انسان پانی کے بے اہمیت اور ناچیز قطرہ سے خلق ہوا ہے اور اس کو چاہئے کہ وہ اس بات کو سمجھے کہ اس کا اوّل کیا تھا، کہاں سے آیا ہے اور کہاں پرورش پائی ہے اور پہلے اس کی غذا کیا تھی تا کہ تکبر و غرور اور خود خواہی کا شکار نہ ہو جائے اور اپنے خدا کے مقابلے میں تکبر نہ کرے اور اپنے آپ کو بڑا نہ بنائے۔

اور اس بات کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے کہ صرف وہ پانی کا کمزور قطرہ انسان کی نشو ونما کا مبدا نہیں ہے بلکہ انتہائی طاقتور زندہ جراثیم کہ جو آنکھوں سے دیکھے نہیں جا سکتے ہزاروں زندہ جراثیموں میں سے کچھ ہیں جو کہ اس پانی کے اندر تیر رہے ہیں۔ ایک اور چھوٹے جراثیم جو کہ عورت کے رحم میں موجود ہیں سے مل کر انسان وجود میں آیا ہے اور اس عالم دنیا میں اس نے قدم رکھا ہے۔ تو اس حال میں کہ وہ اس قدر رحمت رکھتا ہے کہ اپنے خالق کے مقابلے میں کھڑا ہو جائے اور اپنی دشمنی جنگ و جدل پر اصرار کرے اور اپنے گذشتہ کے حالات اور آئندہ کے اوقات کو فراموش کر دے۔

(۳) ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا﴾ (سورۂ فاطر:۱۱)

"خداوند متعال نے تم کو (ابتداء) مٹی سے پیدا کیا ہے اور اس کے بعد نطفہ سے پھر تم کو اس نے ایک دوسرے کا ہمسر (شوہر بیوی) بنایا"۔

(۴) ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ (سورۂ حج:۵)

"اے لوگو! اگر تم روز قیامت کے برپا ہونے میں شک رکھتے ہو (تو تم کو توجہ رکھنی چاہئے کہ) تم کو ہم نے مٹی سے خلق کیا ہے پھر اس کے بعد نطفہ سے پیدا کیا ہے"۔

انسان ماں کے پیٹ میں جس تکامل کو طے کرتا ہے تو اپنی زندگی کے کسی دور میں بھی خود بخود طے نہیں کرتا۔ اس وقت جب انسان مٹی اور نباتات میں ہوتا ہے اور نہ ہی جب انسان عالم دنیا میں قدم رکھتا ہے۔ اس مرحلہ کا سفر تعجب آور ہے تو خدا شناس قارئین کے اذہان روشن تر ہو جائیں، ایک مثال

لے کر آتے ہیں تاکہ اس نو مہینے کے دورۂ حمل کی حرکت اور تکاملی رفتار کو معلوم کیا جاسکے۔ مثال کے طور پر سنجاق (سوئی کی مانند باریک لوہا) کو دیکھیں کہ کچھ عرصہ کے بعد ایک بہت بڑے ہوائی جہاز کی شکل میں آجاتا ہے۔ یہ 1.2 ملی زندہ موجود جس کو ابتداء میں خوردبین کے ذریعے بھی دیکھنا مشکل ہوتا ہے اور کوئی وزن نہیں رکھتا تھا، چند ہفتوں کے گزرنے کے بعد چھ یا سات کلو کا انسان وجود میں آجاتا ہے۔ یہ دورۂ حمل کا تکامل اور حرکت کا اندازہ ہے۔

(۵) ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ﴾ (سورۂ مومن: ۶۷)

"وہ خدا ہے جس نے تم کو مٹی سے خلق کیا ہے اور اس کے بعد نطفہ سے (پیدا کیا ہے)"۔

(۶) ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ﴾

(سورۂ المومنون: ۱۲ تا ۱۳)

"بیشک ہم نے انسان کو مٹی کیچڑ کے شیرہ اور نچوڑ سے خلق کیا ہے پھر اس کو ہم نے نطفہ بنادیا اور مطمئن قرارگاہ عورت کے رحم میں قرار دیا ہے"۔

خداوند کریم نے عورت اور مرد کے نطفہ کے باہم ایک ہونے کے بعد ان کی قرارگاہ میں قرار دیا تاکہ ختم نہ ہو جائے اور ماں کے رحم میں محفوظ ہے کیونکہ ماں کا رحم ایک خاص حالت کو رکھتا ہے اور نطفہ کے لئے بدن کی محفوظ ترین جگہ ہے۔ کبھی تو نطفہ پشت کے ستونوں کے جوڑوں میں اور کبھی پسلیوں میں اور کبھی کمر و پشت کے پیچھے کی مضبوط ہڈیوں میں اور کبھی شکم کے متعدد پردوں میں جو پردے خطرات کے وقت جنین کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ تمام رحم کی مخصوص قرارگاہیں ہیں اور انسان ہڈیوں کی دیوار اور مضبوط پردوں میں پرورش پاتا ہے۔

(۷) ﴿وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ مِن نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ﴾ (سورۂ نجم: ۴۵ تا ۴۶)

"اور وہ ہے جس نے دو زوج مذکر اور مونث کو نطفہ سے خلق کیا ہے، جب وہ پانی منی کی صورت اختیار کرتا ہے (یعنی جب مرد نطفہ کو عورتوں کے شکم و مضبوط قرارگاہ میں ڈالتے ہیں تو ہم نے اس منی سے مرد اور عورت دونوں کو پیدا کیا ہے اور ان کو زوجین بنادیا ہے یعنی شوہر بیوی کی قرار دیا)"۔

(۸) ﴿قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ رَجُلًا﴾ (سورۂ کہف:۳۷)

"اس دوست نے (جو مومن شخص تھا) اپنے دوست سے (جو کافر منکر خدا تھا) کہا: کیا ایسے خالق کا انکار کرتے ہو جس نے تم کو مٹی سے خلق کیا پھر نطفہ سے پیدا کیا اور اس کے بعد تم کو اس نے مرد کامل بنا دیا"۔

(۹) ﴿أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَن يُتْرَكَ سُدًى أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ﴾ (سورۂ قیامۃ:۳۵،۳۶)

"کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اس کو بیکار چھوڑ دیا گیا ہے (یعنی کوئی خصوصیت عطا نہیں کی گئی اور کوئی شرعی ذمہ داری اس کی گردن پر عائد نہیں کی گئی جس کے نتیجے میں کوئی ثواب وعتاب نہیں رکھتا) اور کیا اس کی ابتدا منی کا قطرہ نہیں ہے کہ جس کو عورت کے رحم میں ڈالا گیا ہو"۔

(۱۰) ﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ (سورۂ دہر:۲)

"ہم نے انسان کو مخلوط شدہ مرد و عورت کے نطفہ سے خلق کیا ہے اور ہم اس کی آزمائش کریں گے اور ہم نے اس کو کان، آنکھ، شعور، عقل اور ہوش وحواس والا بنایا ہے"۔

(۱۱) ﴿قُتِلَ الْإِنسَانُ مَا أَكْفَرَهُ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ مِن نُّطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ﴾ (سورۂ عبس:۱۹،۱۷)

"انسان بے ایمان، کافر اور منکر خدا قتل ہو جائے، کس قدر کفر و انکار اور دشمنی و عداوت کی ہے کیا غور وفکر نہیں کرتا کہ کس چیز سے خلق ہوا ہے ایک بے قیمت اور بے اہمیت نطفہ سے خلق کیا گیا ہے"۔

بہر صورت ان گیارہ آیات مذکورہ میں خلقت انسان کے مراحل تکامل میں سے ایک مرحلہ نطفہ ہونا ذکر کیا گیا ہے اور تمام آیات میں لفظ نطفہ کو بیان کیا ہے اور ایک آیت میں خلقت انسان کو آب جہندہ سے قرار دیا ہے (آب جہندہ: اچھل کر نکلنے والا پانی)۔

چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۔ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ يَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ﴾ (سورۂ طارق:۴)

"انسان مغرور، متکبر اور خود سر کو اپنی خلقت کے پہلے مرحلہ کو دیکھنا چاہیے کہ کس چیز سے خلق کیا گیا ہے اس کو نطفہ اور آب جہندہ سے خلق کیا گیا ہے جو کہ مرد کی پشت و کمر اور عورت کے سینہ و گردن اور اس کے اطراف سے خارج ہوتا ہے"۔

ہاں! مرد کی منی مقاربت اور انزال کے موقع پر گرمجوشی کے ساتھ باہر آتی ہے تا کہ اپنے آپ کو عورت کے تخمدان اور رحم کے نزدیک کرے، اور تخمدان کے اندر انسان کی شکل و صورت بننی شروع ہو جائے۔

دهد نُطفه را صورتی چون پری   که کرده است بر آب صورت گری

ترجمہ شعر: وہ خدا جو نطفہ کو پری کی صورت عطا کرتا ہے اور پانی کے اوپر شکل و صورت بنانے والا ہے۔

من مکن، من من مگو من نیستی   از منی هستی ولی من نیستی

مَنی (میں) نہ کہو، من من (میں میں) نہ کہو مَنی (میں) کچھ نہیں ہے، منی سے وجود میں آئے ہو لیکن مَنی (میں) نہیں ہو۔

ہاں! بے قیمت نطفہ جو کہ بدبودار پانی کے قطرے سے تشکیل پاتا ہے کہاں! اور زیبا، صاحب کمال جو مختلف حواس رکھنے والا انسان کہاں!

حق تعالیٰ وجود انسانی،   به کمال و جمال خود پرورد

حق تعالیٰ نے انسان کے وجود کو اپنے کمال و جمال سے پرورش کیا۔

از چنان نُطفه ای که میدانی   این چنین یوسفی پدید آورد

ایک ایسے نطفہ سے کہ جس کو تو جانتا ہے اس طرح کا حسن و جمال رکھنے والا (یوسف) انسان پیدا کیا ہے۔

از همه برگزید انسان را   این عنایت به بین که با ما کرد

تمام مخلوقات سے انسان کو منتخب کیا اس (خدا) کی عنایت و عطا کو دیکھو کہ اس نے ہم پر کی ہے۔

وراثت کا بیان

اس مقام پر مناسب ہے کہ وراثت اور عوامل وراثت کے بارے میں چند سطریں لکھی جائیں کہ کس طرح ماں باپ کے صفات و اخلاق بچے کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ چنانچہ عرصہ دراز سے انسان نے دریافت کر لیا ہے کہ نطفہ میں یہ توانائی اور قابلیت ہے کہ ماں باپ کی بہت ساری خصوصیات اور اوصاف کو بچے کی طرف منتقل کرے۔ چنانچہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ افریقہ کے رہنے والے لوگ جن کا سیاہ پوست اور بال گھنگھریالے اور ناک کی ساخت، آنکھ کی رنگت کو اپنے ماؤں اور باپوں سے میراث میں لیتے ہیں۔ بالفاظ دیگر وہ جراثیم یعنی انتہائی چھوٹے اجزاء کہ جن سے زندہ موجود وجود میں آتا ہے اور وہ جراثیم اس قدر باریک ہوتے ہیں کہ بغیر خوردبین کے نہیں دیکھے جا سکتے ہیں اور باپ کے تمام اوصاف کو اپنے اندر جمع کیے ہوتے ہیں تو عامل وراثت یعنی وہ چیز جو باپوں اور ماؤں کے خصوصیات کو منتقل کرتی ہے ان جراثیم میں کہاں پر پائی جاتی ہیں؟ اس کے کون سے جزء میں موجود ہوتی ہے؟ یہ جراثیمی خصوصیات کسی زمانے میں نطفہ میں تحقیق پذیر ہوتی ہیں پروٹوپلازم کے کس جز میں ہوتی ہیں اور کہاں پر پہلی صورت اُن کی وجود میں آتی ہے (پروٹوپلازم ایک سفید بہنے والا مائع ہے جو کہ جراثیم کی جلد میں ہوتا ہے جس کی وجہ سے جراثیم کی مرکزی ہستی موجود رہتی ہے) کہ نومولود اپنے باپ کے ناک کی شکل اور اپنی ماں کی آنکھ کی خوبصورتی اور گزشتہ آباؤ اجداد کی صفات کو وراثت میں لیتا ہے۔

وراثت کے عوامل

سائنسدانوں کی بہت زیادہ کوششوں اور تحقیقات کا یہ نتیجہ ہے: وہ کہتے ہیں کہ بیضی شکل کے زندہ موجودات جاذبیت رکھنے والی دیواروں کے ساتھ موجود ہوتے ہیں اور ان کے اندر بہت چھوٹے موجودات ہوتے ہیں جن کو زندہ وجود کو توڑنے سے دیکھا جا سکتا ہے جن کو کروموسوم کا نام دیا جاتا ہے۔ انہوں نے اس مطلب کو دریافت کیا ہے کہ ان کروموسوم کے اندر کچھ اور بہت چھوٹے موجودات ہوتے ہیں جن کو ژن کہا جاتا ہے۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ ماؤں اور باپوں کی خصوصیات

کو بچوں کی طرف ذہن منتقل کرتے ہیں۔ پیامبر اکرمؐ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

”آگاہ رہو کہ اپنے بچوں کو کس چیز میں قرار دے رہے ہو کیونکہ باپوں اور ماؤں کی صفات اور خصلات (عادات) بچوں میں منتقل ہوتی ہیں“۔

پیغمبر اکرمؐ اور امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے فرمودات میں انتقال کے وسائل و اسباب کو بیان کرتے ہوئے رگ و ریشہ (اصل و جڑ یعنی اصل و نسل) سے تعبیر کیا ہے اور آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب سے گزارش کی ہے کہ انتقال صفات کے قانون کو (قانون وراثت) اپنی یاد سے نہ بھلائیں بلکہ اپنے بیج کو کاشت کرنے کیلئے مناسب زمین کی تلاش میں رہیں تاکہ ان کے بچے ناپسندیدہ عادات کو ماں سے میراث میں نہ لیں۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے نقل ہوا ہے، آنحضرتؑ فرماتے ہیں:

”اچھی عادات نسل کی عظمت و بلندی کی دلیل ہیں“۔ (درر الکلام، قندی، ص: ۱۹۷)

یہ جملہ آنحضرتؑ کا برجستہ صفات رکھنے والوں کی خاندانی پاکیزگی کو نمایاں کرتا ہے۔

زیارت وارثہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں اس طرح آیا ہے:

﴿أَشْهَدُ أَنَّكَ كُنْتَ نُوراً فِي الْأَصْلَابِ الشَّامِخَةِ وَالْأَرْحَامِ الْمُطَهَّرَةِ﴾

”میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرا نور عالی مقام باپوں کی پشتوں میں اور پاک و پاکیزہ ماؤں کے رحموں میں موجود رہا“۔

یہ زیارت وارثہ کا جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ مرد کی پشت پرورش نطفہ کی جگہ ہے اور عورت کا سینہ پرورش نطفہ کی جگہ ہے اور نیز اس بات کی دلیل ہے کہ برجستہ افراد صفات کو اپنے باپوں اور ماؤں کی طرف سے وراثت میں لیتے ہیں۔

---

۱ کروموسوم ذرات کے حامل ہیں جو کہ ہر زندہ موجود میں پوشیدہ ہوتے ہیں جو کہ نومولود کی جنس کے مذکر و مؤنث ہونے کا تعین کرتے ہیں۔

تاریخ میں آیا ہے کہ محمد حنفیہ جنگ جمل میں سپاہ سالار اور پرچم بردار تھے۔ حضرت علی علیہ السلام نے ان کو حملہ کرنے کا حکم دیا، محمد حنفیہ نے بھی حملہ کیا لیکن نیزوں کی ضربوں اور تیروں کی بارش نے اجازت نہ دی کہ آگے بڑھیں تھوڑی دیر کھڑے کر گئے۔ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے آپ کو اس تک پہنچایا اور پھر حملہ کرنے کا نیا حکم دیا تھوڑا آگے بڑھے پھر رک گئے اور کھڑے ہو گئے۔ حضرت علی علیہ السلام بیٹے کی کم ہمتی سے متاثر ہو گئے اور اپنی تلوار کے دستے کے ساتھ اس کو مارا اور فرمایا: ﴿اَدْرَكَكَ الْعِرْقُ مِنْ اُمِّكَ﴾ "تو نے اپنی اصل کو اپنی ماں سے لیا ہے (تتمۃ المنتہی) (یہ تیری ماں کے دودھ کی کمزوری ہے) اس مقام پر آنحضرت نے ثابت کر دیا کہ کمزوری اور کم ہمتی باپ کی طرف سے نہیں ہے کیونکہ اس کا باپ کسی دشمن سے نہیں ڈرتا ہے۔ بچوں کا ڈرنا ان کی ماں کی طرف سے ان کو وراثت میں ملتا ہے (لہذا حمل اور بیوی کے ساتھ مباشرت کے اوقات بچے کی روح، جسم و اخلاق میں موثر ہوتے ہیں۔ (کتاب وسائل الشیعہ / کتاب وافی / جامع الاحادیث الشیعہ باب الاطعمہ والاشربہ۔ علل الشرائع صدوق کی طرف رجوع کریں!)

پانچواں مرحلہ عَلَقَہ کے بیان میں

علقہ وہی نطفہ ہے جب نطفہ عورت کے رحم میں قرار پکڑتا ہے تو چالیس دن گزرنے کے بعد نشو و نما اور تکامل پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے اور علقہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ابتدائی طور پر ہم پہلے علقہ کا معنی لغت کے اعتبار سے بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد جن آیات میں علقہ کو بیان کیا گیا ہے ان کو ذکر کریں گے۔ علقہ کے لغت (ڈکشنری) کے اعتبار سے معنی ہیں:۔

(۱) ایک معنی علقہ کا یہ ہے کہ علقہ اس خون کو کہتے ہیں جو نطفہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جب نطفہ عورت کے رحم میں وارد ہوتا ہے اور مرد کے سپرم عورت کے تخمک میں استقرار حاصل کر لیتے ہیں تو نطفہ منجمد خون میں تبدیل ہو جاتا ہے (خون منجمد یعنی اس کے اندر کسی بھی چیز کے ساتھ چپکنے کی رطوبت آ جاتی ہے) تو رطوبت کے پیدا ہونے کی صورت میں ہر چیز کے ساتھ چپک سکتا ہے۔ (مجمع البحرین، ج:۲، لغت علقہ، ص:۲۲۱)

(۲) اور دوسرا معنی علقہ کا یہ ہے کہ علقہ جونک کے معنی رکھتا ہے اور جونک ایک سیاہ کیڑا ہوتا ہے کہ انسان کے بدن کے ساتھ چمٹ جاتا ہے اور انسان کے خون کو چوستا ہے۔ (قاموس القرآن و اقرب الموارد و مجمع البحرین ج:۲، ص:۲۲۲) قرآن کے نزول کے موقع پر اس وقت تک علم نے ترقی نہیں کی تھی۔ علقہ کو منجمد اور جمے ہوئے خون کے ساتھ معنی کیا جاتا تھا مگر آج کے اس زمانے میں جبکہ انسان علم کی بلندیوں کو چھو رہا ہے تو اس نے علم اور مختلف وسائل کے ساتھ سمجھ لیا ہے کہ نطفہ عورت کے رحم میں جب منعقد ہوتا ہے اور چالیس دن گزر جاتے ہیں تو ایک چھوٹے کیڑے جونک کی مانند تبدیل ہو جاتا ہے جو کہ مرد کے نطفہ میں ہزاروں کی تعداد میں تیر رہے ہوتے ہیں۔ سائنسدانوں نے اس کو اسپرماٹوزوئیڈ کا نام دیا ہے۔ یہ دوسرا معنی پہلے معنی سے زیادہ بہتر اور عقل کے مطابق ہے کیونکہ اگر جما خون مراد ہوتا تو کمال کے قابل نہ ہوتا۔ ایسے موجودات کا ہونا ضروری ہے جو نشو و نما کی اہلیت رکھتے ہوں اور ہو سکتا ہے دونوں اقوال کو جمع کیا جائے اور علقہ کا معنی ایسے خون سے کیا جائے کہ جس میں جاندار اجزا تیرتے ہیں۔ یہ معنی دونوں اقوال کے مناسب حال ہے۔

تو علق کہ جس سے انسان وجود میں آتا ہے قرآن کریم میں چھ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ ایک مرتبہ علق کی صورت میں اور پانچ مرتبہ علقہ کی شکل میں جبکہ ان سے مراد موجودہ انسان ہے نہ کہ ابو البشر حضرت آدم ؑ کیونکہ وہ بلا واسطہ طور پر مٹی سے خلق ہوئے ہیں۔ (جس کے متعلق اس سے پہلے اشارہ ہو چکا ہے) لہٰذا ان آیات میں سے جن میں علقہ کا لفظ استعمال ہوا ہے ایک آیت یہ ہے:

﴿فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ﴾ (سورۂ حج ۵:)

"ہم نے تمہیں مٹی سے خلق کیا ہے پھر نطفہ سے پھر علقہ سے (منجمد خون یا مانند جونک نما کیڑے سے)"۔

جب نطفہ عورت کے رحم میں منعقد ہوتا ہے اور عورت باردار ہو جاتی ہے اور نطفہ علقہ کی صورت میں آ جاتا ہے یعنی چالیس دن اس پر گزر جاتے ہیں اور جنین اپنی پہلی شکل کو اختیار کرتا ہے تو اس کے اجزا مانند دانہ توت (شہتوت پھل) بغیر کسی مشخص شکل کے (لوتھڑے کی صورت میں) ایک

دوسرے کے ساتھ چپٹ جاتے ہیں کہ جس کو آج کی زبان میں (مورولا) کہتے ہیں۔ تو اس حال میں ٹکڑے تدریجی طور پر باہر آتے ہیں اور بڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور جنین سینہ دشکم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

چھٹا مرحلہ مضغہ کے بیان میں

جب مرحلہ علقہ مکمل ہو جاتا ہے تو نطفہ مرحلہ مضغہ میں پہنچتا ہے اور یہ مرحلہ نطفہ کے عورت کے رحم میں استقرار پکڑنے کے بعد دوسرے چالیس دن جن میں نطفہ اور علقہ کامل ہوتے ہیں گزرنے کے بعد آتا ہے۔ جس کو مضغہ کا نام دیا گیا ہے اور اس مرحلہ کے بھی چالیس دن ہوتے ہیں۔ ان چالیس دنوں میں عجیب وغریب تحولات انجام پاتے ہیں جن کی وجہ سے انسان کی عقل حیران ہو جاتی ہے (ان تحولات کو آئندہ بیان کریں گے تا کہ خدا کی قدرت سب کو معلوم ہو جائے)۔

چنانچہ مضغہ کے معنی گوشت کے ایک ٹکڑے کو چبانا ہے جو کہ ایک لقمہ کے برابر ایک دفعہ چبایا گیا ہو۔ (مجمع البحرین، ج:۳، لغت مضغہ، ص:۹۰۴، قاموس قرآن، ج:۷، لغت مضغہ، ص:۲۷۱)۔ مضغہ کو دو اعتبار سے مضغہ کہتے ہیں: (۱) ایک تو اس لحاظ سے کہ ایک لقمہ سے زیادہ نہیں ہوتا (۲) دوسرا اس لحاظ سے کہ چبائے ہوئے گوشت کی طرح ہوتا ہے۔ ایسا گوشت جس کو دانتوں کے ساتھ چبا کر نرم کیا گیا ہو یا گوشت کے ٹکڑے کو کاٹا گیا ہو اور مشین کے ذریعہ قیمہ بنا دیا گیا ہو۔ جب مضغہ نے اپنے دورانیہ کو پورا کر لیا اور بعد والے مرحلے میں داخل ہو گیا تو جنین چبائے ہوئے گوشت کے ایک ٹکڑے کی شکل شکم کے اندر اختیار کر لیتا ہے جبکہ بدن کے مختلف اعضاء مشخص اور الگ الگ نہیں ہوتے تو اچانک قدرت خدا کے ساتھ اس گوشت کے ٹکڑے میں شکل وصورت کے بغیر تغیرات پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ایسا شکل وقیافہ اختیار کرتا ہے جو اس کام کے مناسب ہوتا ہے جو آئندہ اس نے انجام دینا ہے اور اعضائے بدن آہستہ آہستہ ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ نئی اور جدید حرکت کا آغاز کرتا ہے اور بدن انسانی کی عمارت کے مختلف اعضاء مثلاً پٹھے، خون کی گردش، آنکھیں، کان، ہاتھ، پاؤں، جگر، دل، ناک، زبان، قوت باصرہ، قوت دافعہ، قوت جاذبہ، قوت حافظہ وغیرہ کو تیار کرنے کیلئے ٹکڑے الگ

الگ ہو جاتے ہیں اور ہر عضو بدن آمادہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

بعض جنین اس مرحلے سے آگے نہیں بڑھتے۔ اسی بگڑی شکل وصورت کے ساتھ ناقص الخلقت ساقط ہو جاتے ہیں۔ بعض اُن میں سے مرحلہ کمال کو طے کرتے ہیں اور تام الخلقت دنیا میں آتے ہیں تو ان مختلف اور حیرت انگیز مراحل کے پے در پے تغیرات اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ خداوند متعال تمام چیزوں پر قدرت کاملہ رکھتا ہے۔ اس بحث کے متعلق آیات وہی ہیں جو کہ نطفہ، علقہ کے مراحل میں گزر چکی ہیں۔

ساتواں مرحلہ استخوان بندی (ہڈیوں کا ڈھانچہ) کے بیان میں

مضغہ جو کہ لوتھڑے کی صورت میں عورت کے رحم میں تھا ایک مدت گزرنے کے بعد ہڈیوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب جنین عورت کے شکم میں مرحلہ علقہ اور مضغہ کو طے کر لیتا ہے تو اس کے تمام اجزا شیم ہڈیوں کے اجزا شیم میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ وہی کوٹا ہوا گوشت انسان کے بدن کی تمام ہڈیوں کو تشکیل دیتا ہے۔ کاسہ سر کی ہڈیاں، مہرہ پشت کی ہڈیاں، سینہ کے پنجرہ کی ہڈیاں، پشت کے ستونوں کی ہڈیاں، شکم کے نیچے کی ہڈیاں، بازوؤں کی ہڈیاں، ٹانگوں کی ہڈیاں، ہاتھوں کی انگلیوں کی ہڈیاں، پاؤں کے پنجوں کی ہڈیاں اور ہر چھوٹی بڑی ہڈی جو انسان کے بدن میں ہوتی ہے۔ انسان کے بدن کا نظام عمارت ہڈیوں سے ہی قائم ہوتا ہے۔ اگر ہڈیاں بدن میں نہ ہوں تو انسان حرکت تک نہیں کر سکتا اور کوئی کام انجام نہیں دے سکتا۔ ہڈیاں جتنی مضبوط اور طاقتور ہوں گی اتنی ہی انسان کی حرکت اور سرگرمی زیادہ ہو گی۔ انسان کی ہڈیاں جتنی زیادہ مضبوط و محکم ہوں گی اتنی ہی انسان کی اولاد طاقتور اور سالم و محفوظ ہو گی۔

جب خداوند متعال نے حضرت زکریا علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ تمہیں اولاد عطا کروں گا تو حضرت زکریا علیہ السلام تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں: خداوندا میری ہڈیاں سست اور کمزور ہو گئی ہیں اور بڑھاپے کے بڑھنے نے میرے سر پر سایہ کر لیا ہے تو جس کی ہڈیاں اس طرح سست و کمزور ہو چکی ہوں اس سے اولاد کس طرح پیدا ہو سکتی ہے۔ (سورہ مریم: ۴)

بہرصورت انسان کی شکل وصورت پیدا کرنے کا پہلا مرحلہ کہ اس کے بدن کی ہڈیوں کا ڈھانچہ تیار ہو اور اس کے جسم کی استخوان بندی وجود میں آئے۔ دنیا میں آنے کے بعد بدن کی مضبوطی انہی ہڈیوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ قیامت کے دن بھی جب انسان کو زندہ کیا جائے گا تو پہلے ہڈیاں پھر بدن کے باقی اعضاء وجود میں آئیں گے۔ قرآن مجید چودہ مرتبہ ہڈیوں کا نام لیتا ہے۔ ایک مقام پر ہڈیوں کی سستی اور کمزوری کا ذکر کیا گیا ہے اور چند مقامات پر انسان کے دوبارہ زندہ ہونے اور وجود میں آنے کے بارے میں تذکرہ کیا ہے جبکہ انسان بوسیدہ اور مٹی میں مل چکا ہوگا اور کچھ مقامات ایسے ہیں جہاں پر پہلی مرتبہ ہڈیوں کے ساتھ انسان کے وجود میں آنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

پاؤں کی ہڈیاں حقیقت میں بدن کا پایہ اور ستون ہیں کہ اتنا بڑا انسان کا بدن اُن ہڈیوں پر کھڑا ہوتا ہے اور اُن پر مضبوط ہو کر بھروسہ کرتا ہے اور کمر و پشت کے ستون بدن کی تمام ہڈیوں کو جمع کرنے کا محور ہیں۔ بدن انسان کی عمارت دو سو چھیالیس (۲۴۶) ہڈیوں کے مجموعے سے تشکیل پاتی ہے جبکہ ایک سو پچاس (۱۵۰) بند و جوڑ ایک دوسرے سے اتصال پیدا کرتے ہیں۔ انسان کے بدنی ڈھانچے کے متعلق وہی آیات ہیں جو گذشتہ بحثوں میں گزر چکی ہیں۔

اُن آیات میں سے ایک آیت یہ ہے:

﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا﴾

(سورۃ المؤمنون:۱۴)

"قرآن فرماتا ہے جب نطفہ، علقہ، مضغہ کے مراحل طے ہو گئے تو وہی مضغہ جو گوشت کا ایک ٹکڑا تھا اس کو ہم ہڈیوں میں تبدیل کر دیتے ہیں جن کی وجہ سے انسان کا بدن مضبوط ہوتا ہے اور اگر ہڈیاں نہ ہوں تو بدن کا گوشت کوئی حرکت نہ کر سکتا"۔

آٹھواں مرحلہ ہڈیوں پر گوشت کے چڑھنے کے بیان میں

جب انسان کے بدن کی ہڈیاں تیار ہو جاتی ہیں تو ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر اُن کو پوشیدہ کیا جاتا ہے۔ یہ گوشت کا چڑھانا علقہ، مضغہ اور ہڈیوں کے بننے کا اگلا مرحلہ ہے جو کہ ہڈیوں کے پیکر

کے بعد کام چلتا ہے۔

قرآن فرماتا ہے:

"ہم نے نطفہ کو علقہ اور علقہ کو مضغہ اور مضغہ کو ہڈیوں میں تبدیل کیا اور پھر فرماتا ہے کہ ہم نے ہڈیوں کو گوشت کے لباس کے ساتھ پوشیدہ کیا"۔ (سورۃ المومنون-۱۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انسان صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا جس کو دیکھنے سے ہر ایک تکلیف محسوس کرتا اور اس سے خوف کھاتا۔ ہڈیوں پر گوشت اس لئے چڑھایا گیا کہ ہڈیوں کی حفاظت ہو سکتا کہ ٹکرانے اور حادثات میں ٹوٹ نہ جائیں یا کمزور نہ ہو جائیں اگر ہڈیوں پر گوشت نہ چڑھایا جائے تو صرف ٹکرانے ہی سے ٹوٹ جائیں گی اور ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرانے سے زخم ہو کر ناتوانی کی صورت میں بوسیدہ ہو جائیں گی۔ اور پھر گوشت کی وجہ سے ہڈیاں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گی اور اپنی اپنی جگہ ثابت اور برقرار رہیں گی۔

قرآن کریم اس کے متعلق ایک لطیف اور دلچسپ نکتہ رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہڈیوں پر گوشت کو لباس کے ساتھ تعبیر کیا ہے کیونکہ لباس کی خصوصیت یہ ہے کہ لباس انسان کو سردی گرمی سے محفوظ رکھتا ہے اس طرح گوشت ہڈیوں کا جو کہ بدن کا اصلی ستون ہوتی ہیں لباس اور نگہبان ہوتا ہے۔ چنانچہ ہڈیوں پر گوشت کے پھوٹنے کے بعد گوشت اور انسان کے پورے قد وقامت پر جلد چڑھائی جاتی ہے کیونکہ اگر گوشت پر جلد نہ ہوگی تو گوشت کا لباس نہ ہوگا تو گوشت ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ یہ جلد ہے جو تمام اعضاء اور ہڈیوں کو ایک دوسرے سے ملاتی ہے اور الگ ہونے سے محفوظ رکھتی ہے۔

جنین کی پُراسرار دُنیا

سالہا سال سے سائنسدانوں پر جنین کی ماں کے شکم میں مختلف تبدیلیاں پوشیدہ تھیں، یہاں تک کہ اس پُراسرار دنیا سے علم کے سبب پردے اُٹھائے گئے تو معلوم ہوا کہ جب نطفہ قرارگاہ رحم میں واقع ہوتا ہے اور اپنے تکامل کے سفر کو شروع کرتا ہے تو کتنے مراحل کو طے کرتا ہے اور کس طرح کی اس پر تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں تب جا کر ایک انسان کامل کی صورت اختیار کرتا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ

قرآن کریم نے مختلف آیات کے ذریعے جنین پر واقع ہونے والی تبدیلیوں اور حالات کو اس وقت بیان کیا ہے جب کوئی دانشور جنین پر واقع ہونے والے حالات کی کوئی خبر نہیں رکھتا تھا۔ کبھی جنین کے حالات کو اثبات توحید کی دلیل بنائی اور کبھی اثبات معاد کیلئے حالات جنین کا تذکرہ کیا۔ اگرچہ جنین شناسی کا علم اپنے بچپن کو طے کر رہا ہے اور ہماری معلومات اس پُر اسرار دنیا کے بارے میں بہت ہی قلیل ہیں لیکن پھر بھی جتنی مقدار میں علم بشر نے جنین کے حالات سے پردہ اٹھایا دنیا جہاں کے دانشور حضرات حیران ہو گئے ہیں کہ کیسے عجیب اور حیرت انگیز تبدیلیاں جنین میں واقع ہوتی ہیں۔

جنین کا قد و قامت اور نظام اعضاء

انسان کے عظیم بدن کی عمارت کے اندر ہزاروں ہتھیار اور آلات اور مختلف قسم کے اعضاء و جوارح موجود ہیں جن کی وجہ سے انسان کے عمارتی پیکر کا نظام چل رہا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی نہ ہو یا اپنا کام کرنا چھوڑ دے تو انسان کی زندگی مشکل ہو جائے بلکہ ممکن ہے اصلاً انسان نابود ہو جائے۔ چنانچہ ان آلات زندگی کے درمیان دقیق توازن اور آپس میں بنیادی تعاون کار فرما ہے۔ اس بات پر توجہ فرمائیں! کہ اس منظم عمارت اور مضبوط بنیاد کو تاریک احاطہ و ماحول میں بنایا گیا ہے ایک ایسا تاریک ماحول کہ جس میں کوئی نقاش کسی خوبصورت کو تیار نہیں کر سکتا اور نہ ہی ایسے ہتھیار و آلات موجود ہیں کہ جن کی وجہ سے اتنی زیادہ خوبصورت تصویر بنائی جا سکے اور نہ کوئی ایسا انجینئر ہے جو اس طرح کی حیرت انگیز عمارت کا نقشہ بنائے۔ اس کے باوجود جب کوئی بچہ شکم مادر سے پیدا ہوتا ہے تو اس کے قد و قامت میں اور بدن میں عجیب و غریب نظام نظروں کے سامنے آتا ہے۔ اس نظام بدن کی ترتیب اس طرح ہے:۔

(۱) اس کے بدن کی لمبائی تقریباً آٹھ بالشت ہوتی ہے۔ پاؤں سے زانو تک دو بالشت لمبائی ہے اور زانو سے نشست گاہ تک دو بالشت لمبائی ہے اور نشست گاہ سے دل کی نوک تک دو بالشت لمبائی ہے اور دل کی نوک سے سر کے آخر تک دو بالشت لمبائی ہے (اس لمبائی کی اندازہ گیری میں مولود کی اپنی

بالشت مقصود ہے)۔

(۲) اور جب دونوں بازوؤں کو لمبا کرے تو دائیں ہاتھ کی بڑی انگشت کے سرے سے لے کر بائیں ہاتھ کی بڑی انگشت کے سرے تک بدن کی چوڑائی بھی آٹھ بالشت ہے۔ دائیں انگشت کے سرے سے کہنی تک دو بالشت اور کہنی سے بازو کے جوڑ تک دو بالشت اور دوسرے بازو کے جوڑ سے دوسرے ہاتھ کی کہنی تک دو بالشت اور کہنی سے بائیں ہاتھ کی انگشت کے سرے تک دو بالشت ہے۔

(۳) اور چہرے کی لمبائی بالوں کے اگنے کی جگہ سے لے کر ٹھوڑی کے آخر تک ایک بالشت اور اس کے آٹھویں حصہ تک کی لمبائی ہے۔

(۴) اور چہرے کی چوڑائی ایک کان سے دوسرے کان تک ایک بالشت اور اس کے چوتھائی حصہ تک ہے۔

(۵) اور خود پیشانی کی لمبائی ایک بالشت کے ایک تیسرے حصے کے برابر ہے۔

(۶) ناک کی لمبائی اور منہ کی چوڑائی اور ہونٹوں کی لمبائی بالشت کے چوتھائی حصے کے برابر ہوتی ہے۔

(۷) اور آنکھ کے شگاف کی لمبائی بالشت کے آٹھویں حصے کے برابر ہوتی ہے۔

(۸) اور دو پستانوں کے درمیان ایک بالشت کی لمبائی ہوتی ہے۔ تفسیر طنطاوی، ج:۲، ص:۴۴
(مرحلہ چہارم میں نطفہ کے بارے میں سیر حاصل بحث ہوگی وہاں رجوع کیا جائے)۔

قرآن مجید انسان کی خلقت کو کیچڑ کے نچوڑ سے بیان کرتا ہے پھر اس نطفہ سے جو رحم جیسی مطمئن قرارگاہ میں قرار کو حاصل کرتا ہے اس کے بعد جو نطفہ پر مراحل گزرتے ہیں ان کو بیان کرتا ہے۔ ہم پہلے ان مراحل کو اجمالی طور پر بیان کرتے ہیں پھر ان مراحل کی تفصیل کو ذکر کریں گے۔

(۱) مرحلہ علقہ: جب نطفہ رحم میں قرار پکڑ لیتا ہے اور لوتھڑے کی صورت اختیار کر لیتا ہے تو اس صورت میں اس کے اندر بہت ساری رگیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

(۲) مرحلہ مُضغہ: جب لوتھڑا مضبوط ہو جاتا ہے اور گوشت کے ایک ٹکڑے کی

صورت اختیار کر لیتا ہے۔

(۳) مرحلہ عظام جب گوشت کے ٹکڑے سخت ہڈیوں کے ڈھانچے میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

(۴) مرحلہ ہڈیوں پر گوشت کا لباس چڑھانا ہے۔ گوشت تمام ہڈیوں کو ڈھانپ لیتا ہے۔

(۵) اس مرحلہ پر آ کر قرآن مجید کا لہجہ بدل جاتا ہے۔ جنین کے تحولات اور اسرار آمیز سربستہ تعبیر کے ساتھ کہتا ہے: "پھر ہم نے اس کو نئی خلقت میں بدل دیا"۔ (سورۂ المومنون: ۱۴)

جب یہ مراحل مکمل ہو جاتے ہیں تو پھر خداوند متعال اس عجیب خلقت اور اسرار آمیز عالم کے بارے میں خوبصورت ترین جملے کے ساتھ تعریف و توصیف کرتا ہے کہ کسی دوسری آیت میں کسی دوسری مخلوق کے بارے میں اس طرح کا جملہ استعمال نہیں ہوا ہے اور وہ جملہ یہ ہے کہ اس کی خلقت اور قدرت نمائی پر آفرین ہے۔ (سورۂ المومنون: ۱۲، ۱۳، ۱۴ نمبر آیات سے ماخوذ شدہ)

جب خداوند کریم خلقت انسان کو اس مرحلہ پہ پہنچاتا ہے جو کہ جدید اور نئی خلقت کا مرحلہ ہے تو اپنی توصیف و تعریف کرتا ہے جبکہ کسی دوسری مخلوق کے خلق کرنے پر اپنی تعریف و تمجید نہیں کی ہے اور اس نے اپنی تعریف اس لئے کی ہے کہ وہ روح جو عالم بالا اور مجردات سے ہے اس مٹی کے پیکر میں ڈالی ہے اور وہ چیزیں جو ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھی نہیں ہو سکتی ہیں ان کو ایک جگہ پر جمع کر دیا ہے اور ان کے درمیان محبت و الفت پیدا کر دی ہے (آئندہ اس کے متعلق زیادہ بحث کی جائے گی) اور ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنی تعریف اس وجہ سے کی ہو جس طرح خود اس نے کہا ہے کہ: "میں نے انسان کو بہترین اور زیبا ترین شکل و صورت کے ساتھ خلق کیا ہے کہ جس کو احسن تقویم کہا ہے"۔ (سورۂ التین: ۴)

اشعار

کمترین کاریش ہر روز است کان	کہ سہ (۳) لشکر می کند زیر سوروان
ہر روز وہ ایک چھوٹا سا کام یہ کرتا ہے	کہ ہر طرف تین لشکروں کو روانہ کرتا ہے
لشکری از اصلاب سوی امہات	بہر آن کہ در رحم روید نبات
ایک لشکر باپوں کے صلبوں سے ماؤں کے رحموں کی طرف	تا کہ رحموں میں سبزہ پیدا ہو جائے

لشکری از ارحام سوی خاکدان ... تا ز نر و ماده پر گردد جہان

ایک لشکر جو رحموں سے خاکدان (دنیا) کی طرف (آئی) ... تاکہ جہان نر و مادہ سے پُر ہو جائے

لشکری از خاکدان سوی اجل ... تا ببیند ہر کسی حسن عمل

اور ایک لشکر دنیا جہان سے موت کی طرف ... تاکہ ہر ایک کا حسن عمل دیکھ سکے

بدن میں رُوح کا پھونکا جانا

اس مرحلہ کا اختتام ہے کہ جس میں خداوند متعال کی قدرت کاملہ کا اظہار سب پر ثابت ہو جاتا ہے اور ایک دوسری خلقت وجود میں آ جاتی ہے جو کہ پہلے مراحل سے بہت زیادہ مختلف ہے۔ اس مرحلہ میں خداوند کریم جنین میں رُوح کو ڈالتا ہے جو رُوح عالم مجردات اور عالم بالا کے موجودات میں سے اور پاک و پاکیزہ گوہر ہے اس کو اس خاکی بدنی ڈھانچے کے اندر قرار دیتا ہے اور بدن و رُوح کو ملا کر اکٹھا کرتا ہے تاکہ ایک ہو جائیں اور یہ اتحاد کہ جسم و رُوح کو خدا کے عظیم ایجادات سے شمار ہوتا ہے۔ اس مقام پر آ کر وہ اپنی تعریف خود کرتا ہے اور تبارک اللہ کو اپنی ذات سے مخصوص کرتا ہے اور فرماتا ہے:

﴿ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾ (سورۂ مومنون: ۱۴)

"پھر ہم نے اس کو نئی خلقت عطا کی مبارک ہے وہ خدا جو خلق کرنے والوں میں بہترین خلق کرنے والا ہے"۔

تمام جہان کے موجودات اپنی زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں: اے ذات پاک تیری کامل قدرت پر آفرین ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس پر آفرین کہنا ضروری ہے کیونکہ اس نے تین تاریکیوں اور اندھیروں کے اندر (شکم، رحم، جھلی) (سورۂ زمر: ۶) اتنی زیبا ترین تصویر عجیب و غریب صورت میں اور حیرت انگیز انداز میں ایک قطرہ آب پر تیار کی ہے۔

در مشیمه آن کند صورت گری ... وین کند طفل رحم را مادری

شد محقق این و آن در اندرون ... تا نگر در قسمتی کم یا فزون

سرخ سازد آن یکی خود جگر ... شیر را سازد سفید آن یک دگر

ترجمہ:

بچہ دانی کے اندر وہ شکل و صورت کو بناتے اور رحم کے اندر بچے کی پرورش کرتا ہے اور رحم کے اندر یہی پیدا ہوتا ہے اور وہ متحقق ہوتا کہ کوئی حصہ (بدن) کم اور زیادہ نہ ہو اور ایک مرتبہ جگر کو سرخی عطا کرے اور دوسری مرتبہ دودھ کو سفیدی عطا کرے۔

اس تصویر بنانے والے پر آفرین ہے کہ جس نے تنگ و تاریک جگہ میں قطرۂ آب پر تصویر کھینچی ہے اور اس کی تصویر ہر نقص و عیب سے پاک و پاکیزہ ہے اور اس کے علم و حکمت پر آفرین کہ جس نے اس طرح کی لیاقت و شائستگی اور استعداد کو اس طرح کے ناچیز اور بے قیمت وجود میں ودیعت کر دیا ہے اور اس ذات پر آفرین ہے کہ جس نے انسان کے لئے جو کچھ ضروری تھا اور آئندہ کی زندگی میں اس کا وہ محتاج تھا خلق کر دیا ہے۔ اور اس پر آفرین ہے کہ جس نے زیباترین موجودات کو (جو انسان ہے) احسن تقویم اور بہترین قیافہ و صورت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ (سورۂ تین:۴)

اور لاکھوں آفرین اس خالق پر جس نے ایک وجود میں دو متضاد چیزوں (عقل و شہوت) کو ودیعت کر دیا ہے۔ اور آفرین ہے اس خالق پر کہ جس نے دو مخالف وجودوں کو اکٹھا کر دیا ہے اور اس کے وجود میں عجیب لطائف اور حیرت انگیز چیزوں کو جمع کر دیا ہے اور اس پر آفرین ہے کہ جس نے روح جو کہ مجردات اور عالم بالا سے ہے اور جسم جو کہ بے قیمت مٹی کے عالم سے ہے کو جمع کر دیا ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل:۸۵)۔ اور آفرین ہے اس پر کہ جس نے انسان کی خلقت کو ایک مخفی جگہ رحم میں ہر روز نئی شکل و صورت کے ساتھ وجود میں لایا ہے، گویا کئی ہنرمند نقاش اور ماہر صنعت گر اس قطرۂ آب کے ارد گرد بیٹھے ہیں اور دن رات اس پر کام کر رہے ہیں تا کہ اس ناچیز ذرہ کو تھوڑے وقت کے اندر تمام ظرافت و خوبصورتی کے ساتھ کمال و کمال تک پہنچا دیں۔

خدائی که مُشک آفریند ز خون ز سنگ آتش لعل آرد برون

زُمُرّد دہد تودهٔ خاک را عطارد دہد طارم افلاک را

ز ابر افکند قطره ای سوی یمّ ز صلب آورد نطفه ای در شکم

از آن قطره لؤلؤی لا لا کند و زین قامت سرو بالا کند

دہد نطفه را صورتی چون پری که کرده است در آب صورت گری

ترجمہ

وہ خدا جس نے خون سے خوشبو کو وجود دیا اور آگ کے پتھر سے لعل و جواہر کو پیدا کرے۔

اور مٹی کے ڈھیر کو سبز رنگ عطا کرے اور جس نے سورج کے اردگرد آسمانوں کو گنبد کی صورت عطا کی۔

اور بادلوں سے قطرۂ آب کو سمندر کی طرف پھینکے اور صلب سے نطفہ کو شکم کی طرف منتقل کرے۔

اور اس ایک قطرۂ آب سے موتیوں کو رنگ عطا کرے اور اس کی قدر و قیمت آسمان کو چھونے لگے۔

اس نے نطفہ کو انتہائی خوبصورتی و زیبائی عطا کی کیونکہ پانی پر اس نے تصویر کو نقش کیا ہے۔

آفرین ہے اس خدا پر جس نے مخترع (یعنی ایجاد کرنے والا، نئی چیز وجود میں لانے والا) مُبدِع (یعنی چیز سے چیز بنانے والا) و نقشِ رخ طیبۃ اللہ کو اس پانی سے جو سب کے نزدیک قابلِ نفرت تھا بے حد زیبائی اور خوشرو مندی کے ساتھ خلق فرمایا۔

جب تک ہڈیوں پر گوشت نہیں چڑھایا جاتا تب خلقت وجود میں نہیں آتی یعنی وجودِ انسان رحمِ مادر سے باہر کی زندگی گزارنے پر قدرت پیدا نہیں کرتا۔ اس مقام پر خداوند کریم اپنی ذات اور اپنے کارِ خلقت پر اپنی تعریف و توصیف کرتا ہے اور تبارک اللہ کہتا ہے اور احسن الخالقین ہونے کو بیان کرتا ہے۔ قرآن کی آیتِ مبارکہ میں کلمۂ احسن خلیفۃ اللہ یعنی انسان کی خلقت کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے حیوانات و مخلوقات کے ساتھ مربوط نہیں ہے۔

جب جنین کو رحم کے اندر چار مہینے گزر جاتے ہیں تو اس کے اندر روح ڈال دی جاتی ہے اور زندگی کے آثار اس سے ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور اعضاء و جوارح کے درمیان ہم آہنگی شروع ہو جاتی ہے۔ اگرچہ تمام مخلوقات اور زندہ موجودات کے نطفے ابتداء ہی سے روح و حیات کے حامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان مختلف مراحل سے جو انسان پر گزرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر انسان کی خلقت عجیب و غریب اور حیرت انگیز ہے کیونکہ خداوند متعال نے آسمانوں اور زمین کی خلقت پر بھی

پھر اُن کے درمیان ہے یعنی سورج، چاند، ستارے، کہکشاں، عظیم کرّات، ملائکہ، جنت، مختلف قسموں کے پھل کو عظمت وجلالت کے ساتھ خلق کرنے پر اپنی ذات کی اس طرح کی تعریف وتمجید نہیں فرمائی ہے جہاں صرف خلقت انسان پر ان لفظوں کے ساتھ اپنی تعریف کرتا ہے کہ اللہ کی ذات اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡن ہے۔

روزی که آفرید ترا صورت آفرین   بر آفرینش تو به خود گفت آفرین

صورت نیافریده چنین صورت   بر صورت آفرین و براین صورت آفرین

آفرین

ترجمہ:

جس دن سے تجھے آفرین صورتی (یعنی احسن تقویم) کے ساتھ خلق کیا ہے تو تیری آفرینش پر اس نے اپنی ذات کو آفرین کہا ہے۔

اس طرح کی آفرینی صورتی کے ساتھ کسی کی صورت نہیں بناتی پر اور اس صورت پر آفرین ہو۔

ایک دوسری آیت میں خداوند عالم نے اپنے اسماء مبارک میں سے تین اسماء کو خلقت انسان کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور ابھی تک جو کچھ جنین شناسی کے حوالے سے اپنے متعلق مختلف آیات میں فرمایا ہے یا دانشوروں نے تحقیقات کے بعد جو کچھ حاصل کیا ہے ان ہی تین ناموں کا ماحصل و مقصود ہے۔

چنانچہ قرآن میں اس طرح ذکر ہوا ہے:

﴿هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾ (سورہ حشر: ۲۴)

"وہ ہے جو خالق (خلق کرنے والا)، باری (وجود بخشنے والا)، مصور (تصویر کشی کرنے والا، شکل وصورت دینے والا) ہے"۔

چنان در رحم نقش بندی کند   که از نقش خود، خود پسندی کند

ترجمہ:

اس طرح کے رحم کے اندر نقش بندی کرے کہ اپنی ہی نقش بندی پر خود ہی ناز کرے۔

رحم کے اندر نطفہ کا تکامل

اس بحث کے آخر پر مناسب ہے کہ رحم کے اندر کی خلقت اور تکامل نطفہ کے بارے میں کچھ سطور زیر تحریر لائی جائیں تا کہ انسان کی خدا شناسی زیادہ ہو جائے۔ چنانچہ معصومین علیہم السلام سے روایات نقل ہوئی ہیں اُن میں سے ایک روایت یہ ہے:

امام باقر (علیہ السلام) فرماتے ہیں:

"خداوند متعال جب اُس نطفہ کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے جس سے اُس نے پشت آدم (علیہ السلام) میں عہد و پیمان لیا ہے اور اس کو عورت کے رحم میں منتقل کرے تو مرد کو مباشرت پر ابھارتا ہے اور شہوت اس پر غلبہ کرتی ہے اور رحم کو الہام کرتا ہے کہ وہ اچھے طریقے سے کھل جائے تا کہ مرا پیدا ہونے والا اور علم قطعی اور مقدرات جو اس کے متعلق رکھتا ہوں تیر سے اندر داخل ہو جائے۔ اس کے بعد رحم خود بخود کھل جاتا ہے اور نطفہ اس کے اندر منتقل ہو جاتا ہے اور چالیس دنوں کے اندر ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا ہے اور چالیس دنوں کے بعد لوتھڑا بن جاتا ہے اور پھر دوسرے چالیس دنوں کے اندر چبائے ہوئے گوشت کی مانند گوشت کی شکل اختیار کرتا ہے۔ اس حال میں کہ گوشت سے رگیں بننا شروع ہو جاتی ہیں۔ جب چار مہینے پورے ہو جاتے ہیں تو خداوند کریم دو فرشتوں کو اس پر متعین کرتا ہے تا کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے رحم کے اندر اس کو پیدا کریں، چنانچہ دو فرشتے عورت کی اجازت کے بغیر رحم میں داخل ہو جاتے ہیں اور اس روح کو اس کے اندر پھونکتے ہیں جو پہلے سے خلق شدہ ہے۔ آنکھ، کان، اعضاء و جوارح اور جو کچھ نومولود کے اندر ہے اس کو الگ الگ کر دیتے ہیں۔ پھر اُن دو فرشتوں کو وحی کرتا ہے کہ میرے علم قطعی اور مقدرات کو اس کے اوپر تحریر کر دیں اور میری طرف سے خوش اخلاقی اور بد اخلاقی کے تجربات کو نوٹ کر لو۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: خداوندا کیا لکھیں؟ تو فرماتا ہے: اس کی ماں کے سر کی طرف دیکھو تو دو فرشتے اس کی ماں کی پیشانی کے نوشتوں کو پڑھتے ہیں چنانچہ بچے کے چہرے کی خوبصورتی اور بد صورتی، خوش بختی اور بد بختی، سعادت و شقاوت، عمر کی مدت اور دوسری جہات جو ماں کی پیشانی کے ساتھ مربوط ہوتی ہیں ان کو دیکھتے ہیں اُن دو فرشتوں میں سے ایک اس کی

ماں کی پیشانی کے نقوش اور نوشتوں کو پڑھتا ہے اور دوسرا فرشتہ ان کو بچے کی پیشانی پر تحریر کرتا ہے"۔
(فروع کافی ج:۶، ص:۱۴)

بہر صورت وہ نکات جو حدیث نے بیان کیے ہیں ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

(۱) جہاں فرماتے ہیں کہ فرشتے ماں کی پیشانی کے نقوش کو پڑھتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے بچے کی ماں کے حالات نفسانی کے نقوش، پنہاں افکار، عقل و شعور اور دوسری اخلاقی خصوصیات کو پڑھتے ہیں۔

(۲) جہاں فرماتے ہیں کہ فرشتے لکھتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صفات جو ماں سے بچے کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ ان مطالب سے سمجھا جاتا ہے کہ بچے کے اندر ماں باپ کی پیروی کی آمادگی کا پیدا ہونا اسکی ماں کے ساتھ وابستہ ہے کیونکہ نومولود کے تمام تر انقلابات کا تعلق اس کی ماں کے رحم کے ساتھ ہے (کہ جس کی طرف گذشتہ بحث میں اشارہ کیا گیا ہے)۔

لیبارٹری رپورٹوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ ماں باپ کے تمام حالات، خوشی و ناخوشی، خوشحالی و بدحالی بچے کی طرف منتقل ہوتے ہیں، خواہ والدین کی خواہش ہو یا والدین کی خواہش نہ ہو، یہاں تک کہ والدین کی زیبائی و بدصورتی، شکل قیافہ، قد و قامت بچے میں اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لئے نومولود شناس (گائناکالوجسٹ) تجربہ کار اسپیشلسٹ ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ مباشرت کا عمل بے حد سکون و آرام، خوشی و خوشحالی اور کھانا وروٹی کے عالم میں ہونا چاہیے تاکہ نومولود خوش خلق اور صحیح و سالم دُنیا میں آئے۔

نواں مرحلہ نطفہ کا عالم جنین

نطفہ پر گزرنے والے مراحل میں سے ایک مرحلہ ہی زندہ جنین ہے جو کئی مرحلوں کو طے کر چکا ہوتا ہے اور اس مرحلہ پر پہنچ کر کامل خلقت کی صورت اختیار کر چکا ہوتا ہے۔ یہ مرحلہ ماں کے رحم سے پیدا ہونے تک جاری رہتا ہے۔ اس مرحلہ میں ٹھہرنے کی مدت دیگر مرحلوں کی نسبت زیادہ ہے کیونکہ مرحلوں میں سے ہر مرحلہ چالیس دنوں سے زیادہ نہیں ہوتا اور یہ مرحلہ ممکن ہے پانچ ماہ یا اس سے کم ہو اور اب شکم مادر میں داخل بچے کو جنین کیوں کہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ بچہ چونکہ نظروں سے پوشیدہ

ہوتا ہے اور کوئی بھی اس کو نہیں دیکھتا اور ہر چھپی ہوئی اور مخفی چیز کو جنین و جِنّ و اَجِنّہ و جُنّہ کہتے ہیں۔ قرآن نے بھی اس نکتہ کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور فرماتا ہے:

﴿وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِکُمْ﴾ (سورۂ نجم: ۳۲)

"اور جب تم ماؤں کے شکموں میں پوشیدہ و پنہاں تھے"۔

چنانچہ شکم میں داخل بچہ کو جنین کہتے ہیں کیونکہ اس کی ماں کے شکم نے اس کو چھپایا ہوا ہے اور وہ شخص جس کی عقل زائل ہو چکی ہے اور وہ دیوانہ ہو گیا ہے اس کو مجنون کہتے ہیں۔ اور دل چونکہ بدن اور سینہ کی ہڈیوں کے درمیان میں نگاہوں سے پوشیدہ ہوتا ہے اس لئے اس کو جنان کہتے ہیں اور ڈھال انسان کو جنگ کے موقع پر مد مقابل کے وار سے پوشیدہ کر لیتی ہے لہٰذا اس کو مِجَنّ اور جُنّہ کہتے ہیں۔ باغ و باغیچہ کو جَنّہ کہتے ہیں کیونکہ اس جگہ کے درخت اور سبزہ اس جگہ کو پوشیدہ کر دیتے ہیں اور ڈھانپ لیتے ہیں۔ جِنّ کو جِنّ اور اَجِنّہ کہتے ہیں اس لئے کہ ہماری نظروں سے مخفی ہوتا ہے اور ہم اس کو دیکھ نہیں سکتے۔ اس مرحلہ میں انسان کے مقدرات معلوم ہو جاتے ہیں۔ سعادت و شقاوت، خوش بختی و بدبختی اس کے پیچھے آتی ہے اور اس کے آنے والا زمانہ روشن ہے یا تاریک اس کے بارے میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

﴿اَلسَّعِیْدُ سَعِیْدٌ فِیْ بَطْنِ اُمِّهٖ وَالشَّقِیُّ شَقِیٌّ فِیْ بَطْنِ اُمِّهٖ﴾ (میزان الحکمۃ، ج:۵، ص:۱۳۹/ بحار الانوار، ج:۵، ص:۱۵۳)

"سعادت مند انسان ماں کے شکم سے سعادت مند ہوتا ہے اور شقی و بدبخت انسان ماں کے شکم سے شقاوت مند ہوتا ہے"۔

اس مرحلہ میں ماں باپ کو حرام اور مشتبہ غذا کھانے سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ اس کا اثر بچے پر پڑتا ہے اور آئندہ کی اس کی زندگی خطرہ سے خالی نہیں ہوتی کیونکہ جنین کی غذا ماں کی غذا سے ہے پہلے غذا ماں کے بدن میں جذب ہوتی ہے اس کے بعد خون بنتی ہے۔ پھر ایک تھیلی میں جمع ہو جاتی ہے اور بچہ اس خون کو ناف کی نالی کے ذریعے جو کہ اس تھیلی سے ملی ہوتی ہے حاصل کرتا ہے اور خون اس

کے بدن کا جز و بن جاتا ہے۔ پس اگر غذا حرام ہو یا بچے کے مزاج کے موافق نہ ہو تو بچے میں انتہائی برا اثر کرتی ہے جو کہ ایمان و یقین کو کمزور کر دیتا ہے۔

بقول شاعر

خشت اوّل گر نہد معمار کج — تا ثریا می رود دیوار کج

پایۂ کاخ حیات ما کج نو نیاد بُود — صحن کج شد بام کج شد در کج و دیوار کج

ترجمہ

اگر معمار پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھ دے — تو ثریا تک دیوار ٹیڑھی ہی جائے گی

پس اگر ہماری زندگی کے محل کی بنیاد ہی ٹیڑھی ہوئی — تو صحن ٹیڑھا، چھت ٹیڑھی، دروازہ ٹیڑھا اور دیوار ٹیڑھی

جنین کی خوراک

عالم خلقت کے عجائبات میں سے ایک مسئلہ جنین کی خوراک کا ہے، کیونکہ جنین کی پرورش اور جلدی کے ساتھ آگے بڑھنے کیلئے ایک طرف سے خوراک کا پاک و پاکیزہ اور ہر ضرر و نقصان سے محفوظ ہونا ضروری ہے اور دوسری طرف سے پانی اور آکسیجن کا ہونا لازمی ہے اور دائمی طور پر جنین کو فراہم ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ خداوند کریم نے یہ ذمہ داری جفت (ڈول) کو سونپی ہے جس کو ابتدا ہی سے جنین کے پاس قرار دیا ہے جس کی ایک طرف کا اتصال دو شریانوں اور ایک رگ کے ذریعے ماں کے دل کے ساتھ ہے اور دوسری طرف سے ناف کی نالی کے ذریعے جنین کے ساتھ ہے۔ جفت (ڈول) تمام ضروری غذائی مواد، پانی، آکسیجن کو ماں کے خونی دوران کے سسٹم کے راستے سے جذب کرتا ہے اور اس کے بعد خون کے تمام مضر اثرات کو ختم کر کے جنین کی طرف منتقل کر دیتا ہے اور خون کی بیکار فالتو چیزوں اور کاربن کو ماں کے خون کی طرف پلٹا دیتا ہے۔

لہٰذا یہ جفت خون اور دوسرے غذائی مواد کا گیرندہ (لینے والا) اور دہندہ (پلٹانے والا) کے عمل کو انجام دیتا ہے اور پھر ایک فلٹر (کاربوریٹر) کے قائم مقام ہوتا ہے۔ انسان اس جفت کی حیرت انگیز

عمارت کے مطالعہ سے خدا کی عظمت کو پہچان سکتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ حدیث معصوم میں نقل ہوا ہے کہ: "بچہ ماں کے گرم و ملائم اور ٹھنڈے سانس اور ناک میں ٹھنڈے پانی سے متعلق کرنے سے بہرہ مند ہوتا ہے۔

بہر صورت کچھ عرصہ پہلے سائنسدانوں نے تحقیقات کر کے کشف کیا ہے کہ وہ بچہ جس کے بدن کی سانس کی اصلی نالی ابھی کام نہیں کر رہی ہے اور بچہ ماں کے رحم کے پانی کے اندر تیر رہا ہے، ضروری آکسیجن حاصل کر رہا ہے اور اس آکسیجن کے حصول کا وسیلہ اس کی ماں کی آکسیجن ہے جسے وہ استعمال کرتی ہے۔ وہ آکسیجن خون میں مل جاتی ہے اور جنین تک پہنچتی ہے اور بچہ ناف کی نالی کے ذریعے اس سے استفادہ کرتا ہے۔ سائنسدانوں نے ان مطالب کو کچھ عرصہ پہلے دریافت کیا ہے لیکن امام معصوم کی نگاہ عصمت نے اس مطلب کو اس زمانے میں دیکھا ہے اور فرماتے ہیں کہ:

"بچہ اس نسیم سے استفادہ کرتا ہے (نسیم نرم و ملائم ہوا) کیا اس آلودہ ہوا کے مقابلے میں کہ جس میں ہم سانس لیتے ہیں لطافت نسیم سے بڑھ کر آکسیجن کے لئے کوئی تعبیر ہے کہ امام معصوم نے آکسیجن کے لئے ذکر کی ہے"۔ (اقتباسات مؤلفین دانشگاہ، ج:۱، ص:۱۵۳)

تخلیق خدا کا شاہکار

خداوند متعال کی شاہکار تخلیقات سے جو کہ اس کی قدرت کاملہ اور حکمت عالیہ کی معرفت کا سبب ہیں ایک شاہکار تخلیق شکم مادر میں انسان کی شکل و صورت کا بنانا ہے۔

قرآن اس بارے میں فرماتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (سورۂ آل عمران: ۶)

"وہ خدا ہے جو اپنی مشیت کے مطابق تمہاری رحموں کے اندر صورت بندی (تصویر کشی) کرتا ہے (بنابریں) اس کے علاوہ کوئی عزیز (غالب) و حکیم (دانا) معبود نہیں ہے۔ عجیب و غریب اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ خداوند متعال رحموں کے اندر انسانوں کی الگ الگ شکل و صورت بناتا ہے اور مختلف

قوتوں کے ساتھ نوازتا ہے۔

نقش می بندد جمال ذوالجلال　　　در خیال صورت او بر کمال

ذوالجلال کا جمال شکل و صورت بناتا ہے　　　اور اپنی حیثیت کے مطابق کمال کی صورت بندی کرتا ہے

جنین جب ابتدائی طور پر رحم (مادر) میں قرار پکڑتا ہے تو ایک جزو ثمہ کی صورت میں موجود ہوتا ہے جس کی کوئی شکل و صورت نہیں ہوتی۔ قد و قامت، اعضا و جوارح میں سے کوئی چیز نہیں ہوتی، اس کے بعد ایک عجیب تیزی کے ساتھ رحم کی تاریکیوں میں ہر روز نئی شکل و صورت کو بدلتا رہتا ہے یہاں تک کہ کامل انسان کی شکل میں آ جاتا ہے۔

بہر صورت ایک ناچیز ذرہ تھا جو کسی حساب و کتاب میں نہیں آتا تھا اور اب ظاہری طور پر انتہائی زیبا اور خوبصورت انسان کی شکل میں ہے اور باطنی طور پر انتہائی لطافت و حساسیت اور دقیق اور پیچیدہ ترکیبات کا مجموعہ ہے تو چہرے کی نقش بندی اور صورت بندی انسان کے دست اختیار میں نہیں ہے۔ حقیقی نقش بندی کرنے والی خدا کی ذات ہے جس طرح چاہتی ہے چہرے کے نقوش کو بنا دیتی ہے اس کے کام میں کسی کو کوئی دخل نہیں ہے۔

جنین بغیر ارادہ کے زبان حال سے کہتا ہے۔

بالا تر از آنی که بگویم چون کن　　　خواهی جگرم بسوز خواهی خون کن

من صورتم و ز خود ندارم خبری　　　نقّاش تونی عیب مرا بیرون کن

ترجمہ:

تیری ذات اس سے بلند تر ہے کہ میں کہوں اس طرح کر　　　چاہے تو میرا جگر جلا دو چاہے تو خون بنا دو

میری شکل و صورت ہے اور مجھے اپنی کوئی خبر نہیں ہے　　　نقش و صورت بنانے والا ہے تو میرے تمام عیبوں کو دور کر دے

چنانچہ عجیب تر ین بات یہ ہے کہ اس پانی پر جس پر کوئی نقش و صورت نہیں بن سکتا نقوش اور شکلوں کو بناتا ہے۔ جس طرح کہ شاعر کہتا ہے (کہ کردہ است در آب صورت گری)

"کہ اس نے پانی کے قطرہ پر شکل و صورت کو بنایا ہے"۔ شاعر نے مٹی سے انسان کے سفر تکامل کو ان چند اشعار میں خلاصہ کر دیا ہے۔

ما که ایم اندر جهان پیچ پیچ — چون الف او خود چه دارد هیچ هیچ

ای که خاک تیره را تو نان کنی — وی که نان مرده را تو جان کنی

ای بدل کرده تو خاکی را به زر — خاک دیگر را نموده بو البشر

نون ابرو صاد چشم و جیم گوش — بر نوشتی فتنه صد عقل و هوش

ترجمہ:

ہم اس عالم دنیا میں پیچ و تاب کے ساتھ ہیں کیونکہ اس کا الف اپنی طرف سے کچھ نہیں رکھتا۔

اے وہ جس نے سیاہ مٹی کو خمیر کیا ہے اور مردہ مٹی کو تو نے روح و جان عطا کی ہے۔

اور تو ہی مٹی کو سونا بنانے والا ہے اور دوسری تو مٹی کو ابو البشر بنانے والا ہے۔

ابرو کی نون آنکھ کی صاد کان کی جیم پر تو عقل و ہوش سے سو امتحان لکھ دینے والا ہے۔

جابر بن عبداللہ انصاری کہتا ہے حضرت رسول خدا نے فرمایا:

"جب شکم مادر میں بچے کی صورت بندی کی جاتی ہے اگر بچہ لڑکا ہو تو ماں کی پشت کی طرف اس کی شکل ہوتی ہے اور اگر بچہ لڑکی ہو تو ماں کے شکم کی طرف منہ ہوتا ہے جبکہ اس کے دونوں ہاتھ چہرے کی طرف ہوتے ہیں اور ٹھوڑی دونوں گھٹنوں میں ہوتی ہے جس طرح کہ قید و بند میں قیدی آدمی پریشان حال بیٹھا ہوتا ہے۔ اس کے ناف کی نالی ماں کے ناف کے ساتھ متصل ہوتی ہے اور اسی ناف کے ذریعے غذا حاصل کرتا ہے اور اس کی غذا اس کی ماں کی غذا ہوتی ہے۔ یہ کام ولادت کے موقع تک جاری رہتا ہے۔ جب تک جنین ماں کے شکم میں رہتا ہے خداوند کریم ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے تا کہ اس کی پیشانی پر لکھ دے کہ یہ شقی (بد بخت) ہے یا کہ سعید (نیک بخت) مومن ہے یا کافر، امیر ہے یا فقیر، صحت مند ہے یا بیمار، عمر کی مدت، رزق و روزی کی مقدار، جس کو وہ دنیا کی زندگی میں استعمال کرے گا۔ جب بچہ ماں کے شکم سے باہر آ جاتا ہے تو اس کی غذا ماں کے شکم سے منقطع ہو جاتی ہے اور ماں کی چھاتی

کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

دسواں مرحلہ: ولادت

جب جنین شکم اور رحم کے اندر تکامل کے مراحل کو مکمل کر لیتا ہے اور رحم میں رہنے کی مدت تمام ہو جاتی ہے تو خداوند کریم ماں کے بدن کے تمام اعضاء کو حکم دیتا ہے کہ جنین پر سخت ترین دباؤ ڈالیں تا کہ جنین باہر نکل آئے تو ماں کے اعضاء بھی اس کام کو انجام دینے کیلئے اپنے آپ کو آمادہ کر لیتے ہیں اور بتدریجی طور پر معلق ہو جاتا ہے تو قوت دافعہ کام کرنا شروع کر دیتی ہے اور تمام قوتیں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتی ہیں تا کہ جنین کو ماں کے رحم سے باہر دھکیلیں تا کہ پیدائش کا عمل وجود میں آجائے۔ اگرچہ بچہ دنیا میں آنے سے کراہت کر رہا ہے اور یہ فکر کرتا ہے کہ رحم سے بڑھ کر کوئی جگہ نہیں ہے اور ماں کے شکم کے سیاہ گندے خون سے بڑھ کر اچھی کوئی غذا نہیں ہے کیونکہ وہ غذا اس کو پسند آگئی ہے اور اس کی عادت پڑ گئی ہے۔ مگر جبر و اکراہ کے ساتھ اس عالم دنیا کی طرف منتقل کر دیتے ہیں اور بچہ بے سکونی کی وجہ سے روتا ہے جبکہ بچہ کے ارد گرد کے لوگ خوش اور خوشحال ہوتے ہیں۔

ای آمده گریان تو و خندان همه کس   وز آمدن تو گشته خندان همه کس

باخلق چنان باش که روز که روزی   خندان تو خودت باشی و گریان همه کس

اے آنے والے تو رو رہا ہے اور تیرے سارے اطرافی خوش ہو رہے ہیں   اور تیرے آنے پر ہر ایک خوش ہو رہا ہے

اور معاشرے میں مخلوق خدا کے ساتھ اس طرح رہو کہ جس دن تو جائے   تو جانے پر تو خوشحال ہو اور تیرے اطرافی رو رہے ہوں

روزی که تو آمدی ز مادر عریان   جمعی به تو خندان و تو بودی گریان

کاری بکن ای دوست که وقت رفتن   جمعی به تو گریان تو باشی خندان

جس دن تو ماں کے شکم سے عریانی کے عالم میں باہر آیا   تو تیرے سارے اطرافی خوش ہو رہے تھے اور تو رو رہا تھا

اے دوست ایسا کام کر کہ جب جائے تو تو تیرے سارے اطراف تجھ پر رو رہے ہوں اور تو

خوشحال جا رہا ہو

پیدائش کے وقت بچے کا رونا

پیدائش کے وقت بچے کے رونے کی چند وجوہات کو ذکر کیا گیا ہے۔

(۱) امیر المومنین علیہ السلام ماں کے رحم میں نطفہ کی تبدیلیوں کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
"جب حمل کی مدت تمام ہو جاتی ہے خداوند متعال ایک فرشتہ کو جسے زاجر کہتے ہیں ماں کے شکم کے اندر بھیج دیتا ہے وہ فرشتہ بچے کو زجر کرتا ہے (یعنی اس کی گردن پر ایک تھپڑ مارتا ہے) جس کی وجہ سے اس کا سر نیچے کی طرف ہو جاتا ہے اور پاؤں اوپر کی طرف ہو جاتے ہیں، جب پیدا ہوتا ہے تو اس زجر کی وجہ سے گریہ کرتا ہے"۔ (امالی الاخبار، ج:۱، ص:۱۶۷)

(۲) "جب بچہ ماں کے شکم اور تین تاریکیوں سے گزر کر عالم دنیا میں پاؤں رکھتا ہے اور اپنے آپ کو ایک وسیع اور روشن عالم میں دیکھتا ہے تو خداوند کریم مرگ اور موت، مشکلات اور سختیوں اور دنیا کی دیگر تکلیفوں و غمگینیوں کو اس پر الہام کر دیتا ہے اس وجہ سے گریہ کرتا ہے کہ کیوں اس جگہ کو چھوڑ کر دنیا کے ان تمام مشکلات اور مصیبتوں کو کیسے برداشت کروں اور ایک مدت دنیا میں گزار کر مرگ و موت کے منہ میں جاؤں اور اس کا نام و نشان عالم دنیا سے مٹ جائے"۔ (امالی الاخبار، ج:۱، ص:۲۳۲ تا ۲۳۳)

(۳) نقل ہوا ہے "جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو مس کرتا ہے تو وہ بچہ شیطان کے مس کرنے کی وجہ سے گریہ کرتا ہے"۔ (امالی الاخبار، ج:۱، ص:۲۳۲ تا ۲۳۳)

(۴) مفضل بن عمر کہتا ہے "میں نے امام صادق اہلبیت علیہم السلام سے بچوں کے بغیر تعجب کے ہنسنے اور بغیر وجہ کے رونے پر سوال کیا تو آنحضرت نے فرمایا: "اے مفضل کوئی ایسا بچہ نہیں ہے جو اپنے وقت کے امام کو نہ دیکھے، پس اپنے امام وقت کی زیارت کرتا ہے اور جب امام چلے جاتے ہیں تو بچہ امام کے جانے پر گریہ کرتا ہے اور پھر امام پلٹتے ہیں تو خوش ہو جاتا ہے اور یہ بچے کا رونا اور خوش ہونا اسی طرح

جاری رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ بچہ زبان کو کھولتا اور بات کرنی شروع کر دیتا ہے تو پھر خداوند کریم اس کے دل پر سکوت کی مہر لگا دیتا ہے"۔ (توحید مفضل)

(۵) ہو سکتا ہے بچے کا رونا اس لئے ہو کہ اس کو زبردستی اس کے محل و مقام سے باہر نکالا گیا ہے۔

(۶) اور ہو سکتا ہے بچے کا رونا اس وجہ سے ہو کہ عالم دنیا کی ہوا اس کے لطیف و نازک جسم کے ساتھ مناسبت نہ رکھتی ہو اور ہوا کی گرمی یا سردی اس کے نرم و نازک جسم پر دباؤ ڈالتی ہو اور اس کو تکلیف دیتی ہو اس وجہ سے وہ تکلیف کو محسوس کرتا ہو اور گریہ کرتا ہو۔

(۷) احتمال یہ بھی ہے کہ اس کا گریہ کرنا بھوک پیاس کی وجہ سے ہو کیونکہ وہ ابھی زبان نہیں رکھتا اس لئے گریہ کرتا ہے۔

(۸) اور ممکن ہے بچے بغیر کسی تکلیف کے گریہ کرتے ہوں اور یہ اُن کا رونا ان کی حیات و بقا کا راز ہو کیونکہ ان کے پھیپھڑے ابھی تک کتاب کے ورقوں کی طرح تہ شدہ ہیں اور ایک دوسرے کے اُوپر پڑے ہوئے ہیں رونے کی وجہ سے وہ کھلتے ہیں اور فعالیت کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ہوا سے آکسیجن کو لے کر بدن میں جذب کرتے ہیں اور دوسرے بدن کے حصوں تک پہنچاتے ہیں۔

(۹) اس کے علاوہ بچے پیدائش کے وقت سخت قسم کی ورزش اور حرکت کے محتاج ہوتے ہیں جبکہ ورزش کرنے پر قدرت نہیں رکھتے اور اس ورزش کی وجہ سے اس کے تمام اعضائے بدن ہاتھ، پاؤں، پیٹ، سینہ کے پنجرے میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور خون کو تیزی کے ساتھ بدن کی تمام رگوں میں جاری کر دیتی ہے اور تمام ٹشوز کو وجہ بوجہ غذا ملنا شروع ہو جاتی ہے تو یہ دعائی ورزش ہے جو بچے کیلئے کامل ورزش شمار ہوتی ہے۔ اس دلیل کی بنیاد پر اگر بچہ گریہ نہ کرے تو ممکن ہے بہت بڑی تکلیف کا سامنا کرے یا اس کی زندگی طور کلی خطرہ میں پڑ جائے۔

(۱۰) "اس کے علاوہ بچوں کے مغز میں مختلف قسم کی بہت زیادہ رطوبتیں ہوتی ہیں۔ اگر وہ رطوبتیں اپنی جگہ پر باقی رہ جائیں تو ممکن ہے مختلف بیماریوں اور دردوں کا سبب بن جائیں یا بچہ اندھا ہو جائے تو بچے کا رونا سبب بن جاتا ہے کہ وہ رطوبتیں رونے کی وجہ سے آنسوؤں کے قطروں کی صورت میں

آنکھوں کے ذریعے باہر آ جائیں اور بچہ تمام بیماریوں سے محفوظ ہو جائے"۔ (بحارالانوار، ج۳، ص:۶۵-۶۶)

امام صادق علیہ السلام سے توحید مفضل میں مشہور حدیث کے ذریعے اس مطلب کی طرف اشارہ کرنے کے بعد نقل ہوا ہے:

"ماں باپ چونکہ بچے کے رونے کے فوائد سے بے خبر ہوتے ہیں لہٰذا کوشش کرتے ہیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو بچہ خاموش رہے اور گریہ نہ کرے کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ یہ رونا بچے کیلئے کس قدر مفید ہے"۔ (بحارالانوار، ج:۳، ص:۶۵)

نیز اسی روایت میں امام صادق علیہ السلام سے بچوں کے منہ سے پانی ٹپکنے کے بارے میں نقل ہوا ہے جبکہ وہ پانی بچے کے آنسوؤں کو مکمل کرنے والا ہوتا ہے۔

آنحضرت فرماتے ہیں:

"خداوند کریم نے یہ قانون بنایا ہے کہ نومولود بچوں کی اضافی رطوبتیں دور ہو جائیں تاکہ بڑی عمر میں ان کی سلامتی کا سبب بن جائیں"۔ (بحارالانوار، ج:۳، ص:۶۶)

وہ بچہ جو ماں سے پیدا ہوتا ہے اس کے کئی نام ہیں: طفل، ولد، ولید، کیونکہ بچہ پیدا ہوتا ہے اور متولد ہوتا ہے اور طفل اس وقت کو کہتے ہیں جب اس کا بدن نرم و نازک ہوتا ہے اور محکم و مضبوط نہیں ہوتا۔

قرآن اس کے متعلق فرماتا ہے:

﴿وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا﴾ (سورۂ حج:۵)

"جب تک ہم چاہتے ہیں بچوں کو ان کی ماؤں کے شکموں میں ٹھہراتے ہیں اور اس کے بعد ہم طفل کی شکل میں تمہیں باہر نکال دیتے ہیں"۔

اس کے بعد بچے پر ایک نئے انقلاب کا دورانیہ شروع ہو جاتا ہے اور اس کی ترتیب اس طرح ہوتی ہے کہ جب بچے کی نو ماہ زندگی ماں کے شکم میں پوری ہو جاتی ہے اور عالم دنیا میں قدم رکھتا ہے جو کہ اس تنگ ماحول کی نسبت سے زیادہ وسیع اور روشن ہے ایسا ماحول ہے جو پاک و پاکیزہ، مہر و محبت

اور زندگی کے امکانات سے بھرا ہوا ہے۔ جس کی غذا و خوراک پاکیزہ، شیریں اور جاذب ہے۔ جس کو ماں کے شکم کی غذا سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ بہترین غذا، رنگ برنگے پھل، مختلف قسم کے شربت جو کہ ماں کے شکم میں موجود نہیں تھے اس عالم دنیا میں اس بچے کیلئے مہیا ہیں۔ جب بچہ اس جہان میں قدم رکھتا ہے تو تدریجی طور پر دیکھنا، سننا اور یاد کرنا شروع کر دیتا ہے۔

قرآن اس کے متعلق فرماتا ہے:

﴿وَاللّٰہُ اَخْرَجَکُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ﴾ (سورۂ نحل: ۷۸)

"خداوند متعال نے تم کو تمہاری ماؤں کے شکموں سے خارج کیا جب کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور اس نے تمہیں کان، آنکھ اور عقل عطا کیے تا کہ تم اس کا شکر یہ ادا کرو۔"

جب بچہ طفلگی کے عالم سے گزر جاتا ہے اور اس عالم دنیا کی مختلف مرطوب و شیریں غذائیں کھاتا ہے تو اس وقت متوجہ ہوتا ہے کہ ماں کے رحم میں اس کا کیا حال تھا اور اس سے خوش ہو جاتا ہے اسی طرح اگر اپنی عمر کے آخر سے خبردار ہو جائے کہ کس طرح کی مصیبتیں، بلائیں اور مرگ و موت آئے گی تو پریشان حال ہو جائے۔

کیا تم جانتے ہو کہ بچہ پیدائش کے وقت فریادی، بے تاب اور آہ و فغاں کیوں کرتا ہے؟

یا تو تاریک زندان سے باہر آنے پر روتا ہے اور آج اس آزاد جہان کے میدان میں موجود ہے۔

یا پھر اس جگہ پر اس کی خوراک خون تھا اور اس جہان میں اس کے لب پر شکر اور دہان میں شیر یں ہے۔

وہ جانتا ہے کہ اس جہان میں کیا کچھ اس کے سر پر آنے والا ہے تو بیچارہ اس پہلے لحظہ پیدائش سے ہی پریشان ہے۔

گیارھواں مرحلہ: دُودھ کی بڑھائی

یہ مرحلہ زندگی کا ماں اور شیر خوار بچے کیلئے زندگی کے مشکل ترین اور حساس ترین مراحل میں سے ایک مرحلہ ہے۔ جب ماں اس سنگین ترین اور طاقت فرسا بوجھ کو زمین پر رکھ دیتی ہے تو اس سے

بڑھ کر سخت ترین زندگی کے مرحلہ کو شروع کرتی ہے کیونکہ اب تک بچے کی غذا، صحت، بیماری اور دیگر ذمہ داریاں کسی اور کے ذمہ تھیں اور ماں صرف حمل کی بے سکونی و تنگی کو برداشت کر رہی تھی مگر جب بچہ اس عالم دنیا میں قدم رکھتا ہے تو ماں کی مشکلات اور ذمہ داریاں کئی گنا بڑھ جاتی ہیں۔ بچے کی دائمی اور روزانہ کی محافظت جس میں بچے کی تمام احتیاجات کو پورا کرے، جبکہ بچہ خود اپنی حاجات کو بیان نہیں کر سکتا اگر کسی قسم کی تکلیف رکھتا ہے تو بیان نہیں کر سکتا، یہاں تک کہ تکلیف کی جگہ کو بھی نہیں بتا سکتا۔ اگر بھوک و پیاس لگی ہو، گرمی و سردی سے تنگ ہو تو بیان کرنے کی قدرت نہیں رکھتا صرف وہ کام جو کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ گریہ وزاری کرے اور رو رو کر آخر بے حال ہو کر گر جائے۔

صرف ماں ہے جو انتہائی دانائی اور ہوشیاری کے ساتھ تجربہ کاری سے حوصلہ و صبر رکھتے ہوئے بچے کی حاجات کو سمجھے، ان کو تجسس کرے اور ان کو پورا کرنے کی چارہ جوئی کرے۔ چنانچہ شیر خوار بچے کی صفائی، ستھرائی، خشکی و تری کا دور نہایت انتہائی مشکل اور طاقت فرسا ہے کیونکہ بسا اوقات سردی کے موسم میں برف کو توڑے اور اس سے پانی حاصل کر کے اس کی کثافتوں اور گندگیوں کو صاف کرے اور صاف کرنے کے بعد ان کو خشک کرے اور خاص کر بارش اور برف کے موسم میں کہاں ان کو خشک کرے اور خشک کرنے کی جگہ کہاں سے تلاش کرے اور اس کی غذا جو کہ ماں کے جسم کا شیرہ ہوتی ہے کہاں سے مہیا کرے اور اگر ماں کا دودھ نہ ہو تو دودھ کا مہیا کرنا بہت مشکل امر ہے اور پھر کونسا دودھ بچے کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور اس کے علاوہ ہزاروں مصیبتیں ماں کو برداشت کرنی پڑتی ہیں۔

طفل را چون پا نباشد مادرش — آید و ریزد وظیفه بر سرش
چون زمین را پا نباشد جود تو — ابر را رانَد بسارہ سوی تو

اگر ماں بچے کی محافظت کرنے والی نہ ہو — تو تمام احتیاجات کا فریضہ اس کی اپنی گردن پر آجائے
جس طرح زمین کا زمین کو اٹھانے والا پاؤں نہ ہو — تو بادلوں کے غبار کو نمی کی طرف ہموار طور پر پلٹا دے

بہر صورت اس دورانیہ میں جو مختلف قسم کی بیماریاں نومولود کو لاحق ہوتی ہیں تو ماں کو انتہائی صبر و حوصلہ کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ دن رات خدمت کرنے کیلئے کمر ہمت کو باندھتی ہے۔ راتوں

کو جاگ جاگ کر صبح تک بچے کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ یہ بھی دوسری مشکلات پر ایک بہت بڑی مشکل ہے۔ ان تمام مشکلات کو یا ان سے بڑھ کر تکلیفوں کو ماں برداشت کرتی ہے۔

حق ہزاران حکمت و فن ساختہ است　　تا کہ مادر بر تو مہر انداختہ است

حق تعالیٰ نے ہزاروں حیلے اور وسیلے بنائے ہیں　　تا کہ ماں تمہارے اوپر محبت قربان کر دے

چنانچہ شیر خوارگی کا دورانیہ زیادہ سے زیادہ چوبیس مہینوں کا ہوتا ہے۔ البتہ ان بچوں کے لئے جن کے حمل کا دورانیہ نو مہینوں سے کم ہوتا ہے مگر جن کے حمل کی مدت کامل ہوتی ہے اور نو مہینے ماں کے شکم میں مکمل کرتے ہیں تو ان کا شیر خوارگی کا دورانیہ اکیس مہینے ہوتا ہے۔ لہٰذا ماں اس کو اکیس ماہ دودھ پلائے گی اور یہ شیر خوارگی کا دورانیہ قرآن کی آیت کے مطابق ہے۔

قرآن فرماتا ہے:

﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ (سورۂ احقاف: ۱۵)

"حمل اور دودھ چھڑانے کی مکمل مدت تیس (۳۰) مہینے ہے"۔

اگر بچہ نو مہینے کا دنیا میں آئے تو اس کا شیر خوارگی کا دورانیہ اکیس ماہ ہوتا ہے اور اگر نو مہینے سے کم مدت کا بچہ دنیا میں آئے تو اس کا شیر خوارگی کا دورانیہ چوبیس ماہ کا ہوگا کیونکہ حمل کی ابتدا اور انتہاء اور دودھ پلانے کی مدت تیس ماہ معین کی گئی ہے۔ جس طرح بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے خدا کا لطف و کرم اس پر زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ جب انسان جنین کی عمر میں تھا تو تنگ و تاریک ماحول میں بیٹھا ہوا تھا اور خون کی غذا استعمال کرتا تھا اور جب اس نے اس وسیع اور روشن جہاں میں قدم رکھا تو اس کی غذا ماں کی چھاتی کا خوشگوار دودھ ہوتا ہے۔ پس ایک مدت کے گزرنے کے بعد سرخ سوڑھوں سے سفید دانت موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے باہر آتے ہیں قوت ہاضمہ طاقتور ہو جاتی ہے تو بجائے دودھ کے مختلف قسم کی غذائیں اور پھل استعمال کرتا ہے اور ایسی نعمتیں جو کھانے پینے کی نعمتیں ہوتی ہیں ان سے استفادہ کرتا ہے۔

گر ببند در اہ یک پستان برتو　　می گشاید راہ صد پستان برتو

اگر بچے پر چھاتی کے راستے کو بند کر دیا جائے　　تو اس پر کئی سو راستے کھل جاتے ہیں

پیدائش سے پہلے غذا تیار

انسان کا نومولود اور بہت سارے حیوانات کے بچے ابتدائے پیدائش میں سخت اور سنگین غذاؤں سے استفادہ کرنے پر قدرت نہیں رکھتے۔ اسی دلیل کی بنیاد پر خداوند متعال نے نرم و نازک اور مخصوص غذا دودھ کے نام کی ان کی ماؤں کی چھاتی میں ان کیلئے تیار کر دی ہے۔ حقیقت میں وہی خون ماں کے بدن کا جو جنین کے عالم میں بچے کی غذا بنتا تھا اسی خون کو خداوند کریم بدل کر دودھ کی شکل میں بچے کی غذا بنا دیتا ہے اور ایک معین مدت تک وہی دودھ اس کی غذا بنا رہتا ہے۔ ماں کے وجود میں خود بخود کام کرنے والا غدہ نے کارخانہ بنایا ہے جو کہ خون کو بہترین خوشگوار اور جامع غذائی مواد یعنی دودھ کی صورت میں بدل دیتا ہے جو کہ بچے کے کمزور ہاضمہ اور لطیف طبع کے لئے مناسب ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کارخانے کے محصولات (یعنی دودھ) جام پستان خزانے میں جمع ہوتے ہیں کہ جن کی نوک بچے کے منہ کے مطابق ہوتی ہے اور اس نوک کے مختلف باریک قسم کے سوراخ ہوتے ہیں تا کہ دودھ کا دم بچے کے منہ میں داخل نہ ہو اور اس کے گلے کو نہ پکڑے۔

بہر صورت بچے کے اس جہان میں قدم رکھنے سے پہلے وہ کارخانہ کام شروع کر دیتا ہے اور دودھ پستانوں میں آنا شروع ہو جاتا ہے۔ جتنا جنین کامل ہوتا جاتا ہے اتنا ہی دودھ زیادہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ جنین کی خلقت کامل ہو جاتی ہے۔ حمل کی صورت میں ماں کے پستان تدریجی طور پر شکل و صورت کو بدلتے رہتے ہیں اور جتنا زیادہ خون حیض (ڈول) سے ماں کو ملتا ہے اور وہ خون دودھ میں تبدیل ہوتا ہے۔ ماں کے پستان دن بدن بڑے ہوتے رہتے ہیں اور اپنے آپ کو آنے والے بہت بڑے فریضہ و ذمہ داری کے لئے تیار کرتے رہتے ہیں۔ وہ رگیں جو پستانوں کے اندر موجود ہیں اور پستانوں کی نوک کے ساتھ متصل ہیں وہ طاقتور ہو کر موٹی ہو جاتی ہیں اور جب بچہ ہوتا ہے تو وہ اپنے آپ کو مکمل طور پر آمادہ کر لیتے ہیں اور دودھ سے بھر جاتے ہیں۔

اس مقام پر انسان اس شعر کی یاد میں پڑ جاتا ہے کہ کہتے ہیں۔

رزق وروزی کا غم نہ کھاؤ کیونکہ بچے کے پیدا ہونے سے پہلے خدا ماں کے پستانوں کو پُر کر دیتا ہے

اور عجیب بات یہ ہے کہ پستانوں کے اصلی عناصر سے دودھ کا رستا دائمی نہیں ہوتا دگرنہ ہمیشہ دودھ باہر آتا رہتا، بلکہ جب نومولود ماں کے پستانوں کو اپنے منہ میں لیتا ہے اور چوسنا شروع کرتا ہے تو اعصابی تحرکات اعصاب کے راستے سے نخاع (حرام مادہ) میں چلے جاتے ہیں اور دو قسم کے تحریکات کا سبب بنتے ہیں۔ ایک خون کے راستے سے پستانوں میں ترشح کرتا ہے (ترشح کرنا یعنی رسنا) اور دوسرا دودھ کے بند راستوں پر دباؤ ڈالتا ہے تاکہ دودھ پستانوں کی نوک کی طرف چلا جائے۔ یہ سارے کا سارا عمل تیس (۳۰) سیکنڈوں کے اندر کامل ہو جاتا ہے۔ اس سے عجیب ترین یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ ان پستانوں سے جن کو بچے نے منہ میں لیا ہے دودھ جاری ہوتا ہے بلکہ یہ عمل پستانوں میں جاری وساری ہوتا ہے۔ لہٰذا تاکید کی گئی ہے کہ نومولود کو دونوں پستانوں سے دودھ دیا جائے (تاکہ دودھ کے دونوں خزانے صحیح وسالم رہیں)۔

ماں کا مقام

این حدیث از مصطفیٰ اکثر مقام مادر است ای بشر جنت نہان در زیر گام مادر است

گرچہ در عالم پدر دارد مقامی ارجمند لیک افزون از پدر قدر و مقام مادر است

گر کہ می خواہی سعادت از رستگاری در اطاعت از کلام مادر است

کلامش سر پیچ

ناتوانی از پی تکریم او کن جلوہ جہد احترام ہر کسی از احترام مادر است

افکند کسی در خطر بہر کسی جان را کسی این گذشت و این فداکاری مرام مادر است

تو نہال آرزو را باغبانی می کنی ہستی ما حاصل رنج مدام مادر است

عزت دنیا و عقبیٰ را بہ دست آوردہ است ہر کہ چوں بندہ در این عالم علام مادر است

این حدیث از مصطفیؐ اندر مقام او بیشتر جنت نہان در زیر گلم مادر است

مادر است

ترجمہ

یہ حدیث حضرت محمد مصطفیؐ کی ماں کے مقام کو بیان کرتی ہے کہ اے انسان جنت ماں کے قدموں کے نیچے چھپی ہوئی ہے۔

اگرچہ دنیا میں باپ کا مقام بہت اہمیت رکھتا ہے لیکن باپ کے مقام سے ماں کی قدر و منزلت بہت زیادہ ہے۔

اگر تم سعادت و نیک بختی کو چاہتے ہو تو ماں کی بات کی نافرمانی نہ کرنا کیونکہ نیکی اور پرہیزگاری ماں کی بات کی اطاعت میں ہے۔

جتنا بھی ممکن ہو سکے ماں کی تعظیم و تکریم میں جدوجہد کرو کیونکہ جس کا بھی کوئی احترام ہے ماں کے احترام سے ہے۔

جس نے بھی کسی کو خطرے سے بچانے کیلئے اپنے آپ کو خطرے میں ڈالا ہے یہ قربانی اور وفاداری ماں کی مرہون منت ہے۔

تو اُمیدوں کے درختوں کی آبیاری کرتا ہے ہماری شخصیت ماں کے دائمی رنجوں اور دُکھوں کا حاصل ہے۔

اس بندے نے دنیا و آخرت کی عزت کو پالیا ہے جس نے اس عالم دنیا میں ماں کی غلامی کی ہے۔

یہ حدیث محمد مصطفیؐ کی ماں کے مقام و منزلت کو بیان کرتی ہے کہ اے بشر! جنت ماں کے قدموں کے نیچے چھپی ہوئی ہے۔

دُودھ کا پیدا ہونا

اس مقام پر ضروری ہے کہ چند سطریں دُودھ اور اس کے پیدا ہونے کے بارے میں لکھی

جائیں کہ دودھ اس غذا سے جو ماں کھاتی ہے کس طرح وجود میں آتا ہے۔ چنانچہ سائنس نے ثابت کر دیا ہے جب غذا معدہ میں قرار پکڑتی ہے تو ہضم ہونا شروع ہو جاتی ہے اور جذب ہونے کے قابل ہو جاتی ہے تو معدہ میں کئی ملین رگوں کے سامنے آجاتی ہے اور رگیں اس سے مفید اور ضروری عناصر کو جذب کرتی ہیں اور اس درخت تک پہنچاتی ہیں کہ جس کی انتہاء پستانوں کی نوک ہوتی ہے اور اس کی جڑیں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ جب غذا بڑی نالی کے ذریعے ماں کے معدہ تک پہنچتی ہے اور وہاں پر ہضم ہوتی ہے تو ایک کم مقدار غذا کی مثلاً شکر و پانی کا مواد معدہ کی دیواریں جذب کر کے بدن کو پہنچاتی ہیں اور اس کے بعد ہضم شدہ غذا کا بہترین حصہ معدہ سے بڑی نالی میں داخل ہوتا ہے اور جب بڑی نالی میں غذا پہنچتی ہے تو اس کا مواد حیاتی بدن میں جذب ہو جاتا ہے اور خون میں داخل ہو جاتا ہے اور مخصوص غدود جو پستانوں کے اندر ہوتے ہیں وہ چیز کا ذکر کرتے ہیں اور اصلی مواد خون اور غدود وں سے لیا جاتا ہے۔

اس ترتیب کے ساتھ یہ خالص سفید رنگ مادہ اور خوشگوار طاقت بخش دودھ ہضم شدہ غذاؤں سے اور خون سے حاصل کیا جاتا ہے۔ پستان دودھ کے پروٹینی مواد کو تیار کرنے کیلئے بدن کے ذخیرہ شدہ اسید جائے آمینہ سے استفادہ کرتے ہیں اور کچھ دودھ کا مواد خون سے حاصل نہیں ہوتا (مثلاً کازوئین) اور پستان کے غدود اس کو تیار کرتے ہیں۔ اور کچھ مواد جو دودھ میں موجود ہوتا ہے (مثلاً ماس کی قسمیں یہ نمک، طعام اور اسید فسفریک) ترشحات کے ذریعے سے دودھ میں وارد ہوتا ہے اور بعض دوسرا مواد مثلاً دودھ میں شکر کا ہونا یہ خون میں جو شکر موجود ہوتی ہے اس سے لیا جاتا ہے جس پر پستان اپنی سرگرمی انجام دیتے ہیں۔

پس جس طرح بیان ہوا ہے دودھ کا پیدا ہونا غذائی مواد کے جذب ہونے سے حاصل ہوتا ہے جو کہ اس خون سے تیار ہوتا ہے جس کا تعلق بلا واسطہ طور پر پستانوں کے غدود کے ساتھ ہوتا ہے اور دودھ سنگ دھارا اور ٹی خوشبو کو پستانوں کی نوک سے پھیلاتا ہے۔ اس وقت ماں کو چاہئے کہ اپنے آپ کو بچے کے پاس پہنچائے اور پستانوں کو اس کے منہ میں ڈال دے۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ پستانوں میں ایک لیٹر دودھ کو پیدا کرنے کیلئے کم از کم پانچ سو لیٹر خون اس سے عبور کرے تا کہ ضروری مواد ایک لیٹر

دودھ کے لئے خون سے حاصل کر سکے اور ایک لیٹر خون کیلئے کئی گنا زیادہ غذائی مواد کا نالیوں اور معدہ میں جانا ضروری ہے۔

دودھ کا اہم مواد غذائی

دودھ مختلف حیاتی مواد سے بھرا ہوتا ہے۔ ایک کامل غذا کے مجموعہ کو تشکیل دیتا ہے۔ مثلاً معدنیاتی مواد، آکسیجن اور ڈرت نمکیات، اسید کربیک، شکری مواد، وٹامن بی، سی، ای، ڈی کافی مقدار میں موجود ہوتی ہے اور بائیس (۲۲) مختلف قسموں کا مادہ ملک بدن میں سائنسدانوں نے دریافت کیا ہے۔ چنانچہ تازہ دودھ انسان کیلئے ایک کامل غذا شمار ہوتا ہے۔

اس وجہ سے پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"اگر کامل غذا آب وغذا کی جگہ کوئی لے سکتی ہے جو دنیا میں موجود ہے تو وہ صرف دودھ ہے اور یہ بات سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ دودھ کم حجم اور طاقت سے بھرا ہوا اضافی مواد سے خالص غذائیت سے بھرا ہوا ہے"۔

بہر صورت اس طرح کی خوشگوار غذا ہے جو ہر انسان کیلئے ہر سن و سال میں بچپنے سے بڑھاپے تک مفید اور نفع بخش ہے۔ ان ہی وجوہات کی وجہ سے بہت سارے بیمار لوگ اس غذا سے استفادہ کرتے ہیں اور خصوصی طور پر ہڈیوں کے بڑھنے اور طاقتور ہونے کیلئے غیر معمولی طور پر اثر انداز ہوتا ہے۔

(اقتباسات از تفسیر نمونہ ج:۱۱، ص: ۲۳۹ تا ۲۴۳)

پس معلوم ہو گیا کہ دودھ وہ غذا ہے جس کو ماں استعمال کرتی ہے لہٰذا ماؤں کو تدبیر رکھنی چاہیے کہ کون سی اور کیسی غذا کھا رہی ہیں، کیا حلال ہے یا حرام، نجس ہے یا پاک، خالص ہے یا ملاوٹ والی۔ پس جیسی غذا ہوگی دودھ بھی ویسا ہوگا اور بچے کی بنیاد کو یہی دودھ محکم و مضبوط کرتا ہے۔ اگر غذا پاک ہو گی تو بچہ پاک اور مومن ہوگا اور اگر غذا نجس اور ناپاک ہوگی تو بچہ بھی فاسق و فاجر ہو جائے گا۔

بارہواں مرحلہ: بچے کا دودھ چھڑوانا

گیارہواں مرحلہ میں ہم نے کہا ہے: کہ بچے کی دودھ پلائی کی مدت کا دورانیہ تقریباً دو سال تک جاری رہتا ہے اس کے بعد بچے کو دودھ چھڑوا دینا چاہیے اس موقع پر بچے کے دانت نکلنے شروع ہو جاتے ہیں اور مضبوط ہو جاتے ہیں اور اپنے آپ کو غذا کے استعمال کیلئے تیار کرتا ہے کیونکہ پہلی نرم و نازک، گرم و ملائم غذا ٹھنڈی اور سخت غذا میں بدل گئی ہے اور اس کے کھانے میں تکلیف کو برداشت کرے گا۔ ماں باپ کو چاہیے کہ بچے کے مزاج کے مطابق اس غذا کو تیار کریں اور جس طرح بھی ہو سکے اس کو آمادہ کریں (بعض اوقات ماں باپ کے درمیان بچے کی غذا پر جھگڑا ہو جاتا ہے۔ باپ کہتا ہے میرے کام کی صورتحال بہتر نہیں ہے پیسے نہیں ہیں، آمدنی نہیں ہے ماں کہتی ہے جہاں سے بھی کر سکتے ہو بچے کی غذا کو مہیا کرو)۔

یک طفل دندان در آورده بود	پدر سر به فکرت فرو برده بود
که من نان و برگ از کجا آرمش	مروت نباشد که بگذارمش
چو بیچاره گفت این سخن نزد جفت	نگر تا زن او را چون مردانه گفت
مخور گول ابلیس تا جان دهد	هر آن کس که دندان دهد نان دهد
توانا است آخر خداوند روز	که روزی رساند تو چندان مسوز
نگارنده کودک اندر شکم	نویسنده عمر و روزی است هم

ترجمہ:

ایک بچے نے دانت نکالے تو باپ فکر کرنے میں ڈوب گیا۔

کہ میں روٹی سالن کہاں سے مہیا کروں اور اگر نہیں کرتا تو مروّت کے خلاف ہے۔

جب اُس نے بیوی کے پاس یہ بات کی تو عورت نے اس کو مردانہ وار کہا فکر نہ کر۔

ابلیس کے دھوکہ میں نہ آنا کہیں جان نہ دے دینا، جو دانت دیتا ہے روٹی دیتا ہے۔

خداوند عالم آخر تو نادو صاحب قدرت ہے وہ رزق و روزی دے گا تم مت جلو

وہ ذات جو ماں کے شکم میں بچے کی حفاظت کرنے والی ہے وہی ذات رزق و عمر دونوں کو لکھنے والی ہے۔

اس عمر کے دورانیہ میں بچے کی غیر معمولی حفاظت کی ضرورت ہے اس کی غذا کی حفاظت کرنی ہے کیونکہ ابھی اس نے دودھ کو چھوڑا ہے اور کوئی غذا دودھ کی جگہ نہیں لے سکتی جو کہ بچے کے مزاج کے موافق ہو۔ اس کی اُٹھنے بیٹھنے کی حفاظت کرنی ہے کیونکہ ابھی اس نے دست و پا کے ذریعے چلنے کو سیکھا ہے اور راستہ چلنے کو یاد کرنا چاہتا ہے کبھی اٹھے گا اور کبھی زمین پر گر جائے گا کہیں بلند جگہ سے گر نہ جائے، آگ کے اندر نہ چلا جائے، پانی میں ڈوب نہ جائے، گاڑی کے نیچے نہ آ جائے اور اس کے علاوہ دوسری اور قسم کی حفاظتیں کرنی ضروری ہیں۔ ان سب حفاظتوں سے اہم تر حفاظت ماں باپ کے کردار کی حفاظت ہے کیونکہ بچہ انتہائی حساسیت رکھتا ہے ہر موقع سے کچھ نہ کچھ ضرور سیکھتا ہے۔ ماں باپ کے گفتار و کردار پر غور و فکر کرتا ہے کہ کیا کہتے ہیں اور کس طرح بات کرتے ہیں، ان کی گفتار و حرکات کو عمل میں لے لیتا ہے اور پھر ان کی تقلید کرتا ہے۔ ہر ایک بات اور کردار کو اچھا شمار کرتا ہے اور ہر جگہ پر اس کا اظہار کرتا ہے۔ اگر ماں باپ دیندار با ادب ہوں گے اور اچھی باتیں کریں گے بچے بھی ان کو یاد کرے گا، اگر سچ بولنے والے ہوں گے بچہ بھی سچ بولنے والا ہو گا اور اگر جھوٹ بولنے والے ہوں گے تو وہ بھی جھوٹ بولنے والا ہو جائے گا۔ یہ دورانیہ عمر کا بچے کی تعلیم و تربیت کا دورانیہ ہے، بچہ تمام اخلاقیات کو یاد کرتا ہے۔ چنانچہ یہ مرحلہ عمر کا معتقدات کے بنانے کے مراحل میں سے ایک اہم مرحلہ ہے کیونکہ ماں باپ کے تمام حرکات و سکنات کو بچہ اپنے دل میں نقش کرتا ہے اور آئندہ کی زندگی میں اس کے مطابق عمل کرتا ہے اور ماں باپ کے ہی کردار و عمل کو اپنے کردار و عمل کا سرنامہ قرار دیتا ہے۔

اس مرحلہ میں انحراف (کج روی) تند خوئی (چکر و چالاکی) پرخاش گری (جنگ وجدل جھگڑا) داد و فریاد (آوازوں کا کسنا) لجبازی (مخالفت کرنا، نافرمانی کرنا، ضد کرنا) اور بچے پر غضب و غصہ کرنے سے اپنے آپ کو روکنا چاہیے ورنہ اگر اس مرحلہ میں کوتاہی سستی کا مظاہرہ ہوا تو پھر بچے کی

تربیت یا تو انتہائی مشکل ہو جائے گی یا اصلاً اس کی تربیت محال ہو جائے گی۔ مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے کہ مرحوم آقائی فلسفی جو کہ ایران کے بے بدل اور کلام پر قدرت و توانائی رکھنے والے خطیب تھے انہوں نے اپنی تقریروں میں سے ایک تقریر میں کہا تھا کہ:

"مجھے ایک عورت نے ٹیلی فون کیا اور کہا: آقائی فلسفی میرا ایک بچہ ہے جو بے حد و بے حد کا نافرمان، سر پھرا ہے میں نہیں جانتی کہ اس کے ساتھ کیا کروں کہ اس قدر نافرمانی نہ کرے اور ہم کو اذیت و تکلیف نہ پہنچائے۔ (انہوں نے کہا) میں نے اس عورت کو کہا آپ کے بچے کی عمر کیا ہے؟ کہا: چھوٹا ہے، چار سال کا ہے۔ تو اس عورت کے جواب میں میں نے کہا: اے میڈم! تو نے دو سال دیر سے ٹیلی فون کیا ہے اور بچے کو جو کچھ ہونا ہے وہ ہو چکا ہے کوئی چارہ کارگر نہ ہوگا کیونکہ بچہ دو سال کی عمر میں جو کچھ سیکھنا چاہتا ہے وہ سیکھ لیتا ہے اور اب کچھ نہیں ہو سکتا"۔

اے بچوں کے ماؤں اور باپو! خدا اور معاشرے کی اصلاح کیلئے آؤ ایسا کام کریں کہ ہمارے بچے نافرمان، سخت گیر اور جھگڑا کرنے والے نہ بنیں، نفرت و کینہ کرنے والے نہ ہو جائیں، چیر پھاڑ کرنے والے حیوان کی طرح لوگوں پر حملہ نہ کریں، معاشرہ کو چور، ڈاکو، قاتل، دھوکہ باز اولاد نہ دیں، معاشرے کو منشیات سے آلودہ اور پیش نہ کریں، بچے کی آئندہ کی زندگی خراب نہ کریں اور نتیجتاً قوم و ملت کو فاسد و برباد نہ کریں۔

بہر صورت جس گھر میں ماں باپ بد اخلاق کے ہوں گے تو بچے بھی نفرت و کینے سے بھرا ہوا ہوگا۔ جس گھر میں ماں باپ فحاشی کرنے والے، جھگڑا و فساد کرنے والے ہوں گے بچے کی کبھی بھی صحیح تربیت نہ ہو سکے گی۔ جس گھر میں ماں باپ جاہل اور بد زبان ہوں گے تو کبھی بھی بچہ خوش زبان، اچھے کردار والا نہ بن سکےگا۔ جس گھر کا سرپرست چور ہو تو بچہ کبھی بھی امین و دیانتدار نہیں ہو سکتا۔ جس گھر میں حرام کا مال، رشوت کا مال، قمار بازی کا مال خرچ کیا جاتا ہو تو کبھی بھی ان کی اولاد سعادت مند نہیں ہو سکتی۔ جس گھر میں حیا و حجاب، عفت و پاکدامنی رائج نہ ہوگی تو بچے بھی آئندہ زندگی میں فساد و فحشاء گندگی و بدعتی کریں گے۔ جس گھر میں منشیات کا استعمال ہوتا ہوگا تو پھر وہ والدین بھی بچوں کو سڑکوں پر

یا جیلوں میں تلاش کریں گے۔ جس گھر میں دین، مذہب، نماز کی کوئی اہمیت نہ ہوگی اس گھر کے بچے کبھی عالم، مجتہد نہیں بن سکیں گے۔ جس گھر میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل نہ ہوں گے تو اس گھر کے بچے شیطان کے راستے پر چلیں گے۔ آخر بحث پر حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی حدیث مبارکہ جس میں آنحضرت نے اولاد کی تربیت اور احکام دین کو یاد کروانے کی تاکید کی ہے۔ جس کی وجہ سے ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ جو بات بچے ماں باپ، اُستاد سے سنتے ہیں اس کو اپنے دل میں نقش کر لیتے ہیں اور آئندہ اسی پر عمل کرتے ہیں۔

آنحضرت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَلْعِلْمُ فِی الصِّغَرِ كَالنَّقْشِ فِی الْحَجَرِ﴾ (بحار الانوار ج۱، ص:۲۲۴)

"بچے کو علم و دانش اور اہم چیزوں کا یاد کروانا اسی طرح ہے کہ جس طرح کسی نقش کو پتھر پر کندہ کیا جائے، اگر لاکھوں سال بھی باقی رہے گا تو اس کا کندہ شدہ نقش برطرف نہیں ہوگا اور ہمیشہ کیلئے مضبوط اور برقرار رہے گا"۔

تیرھواں مرحلہ: بچپن کی عمر

اس مرحلہ میں بچہ بات کرنی سیکھ جاتا ہے اور راستہ چلنا یاد کر لیتا ہے اور ماں باپ کے لئے میٹھی زبان کو چلاتا ہے۔ اس دورانیہ میں بچے کی استعداد و فکر جاری ہوتی ہے اور سبق پڑھنے کی آمادگی آجاتی ہے۔ لہٰذا ایسے بچوں کیلئے ایک اسکول بنایا جانا چاہئے اور اخلاق و حوصلہ رکھنے والے عملہ سے خدمت لی جائے تاکہ بچوں کی فکر کو رشد و کمال حاصل ہو۔ قرآن کے فرمان کے مطابق بچے کی عمر کھیل کود کی عمر ہے۔ خداوند کریم دنیا کی زندگی کو چند مرحلوں میں خلاصہ کرتا ہے۔ پہلا مرحلہ زندگی کا لہو و لعب (کھیل کود) اور زندگی کا مقدمہ ہے۔ (سورۂ حدید ۲۰)۔ چنانچہ لعب اس عمل کو کہتے ہیں جس میں قصد صحیح اور فکر عاقلانہ شامل نہیں ہوتی لہٰذا وہ سارے کام جن کی بنیاد اور اصلیت نہیں ہوتی اور حقیقی زندگی کے متن سے دور ہوتے ہیں ان کو لعب سے تعبیر کیا جاتا ہے اور نیز وہ کام جو خیالی نظم و نسق رکھتے ہوں اور خیالی مقصد کی وجہ سے انجام پائیں ان کو لعب کہا جاتا ہے اور بطور خلاصہ بچپنے کے وہ سارے کام جن کا

کوئی نتیجہ نہیں ہوتا اور حقیقت میں کوئی قیمت نہیں رکھتے ان کو لعب کہتے ہیں۔ پس بچپنے کی عمر کا دورانیہ آٹھ سال پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس مدت میں بچے کا کام کھیلنا چیزوں کو بنانا اور ان کو خراب کرنا ہوتا ہے۔ بچہ اپنے کسی کام کی قیمت و اہمیت کا قائل نہیں ہوتا۔ ابتداء میں پوری محبت کے ساتھ کام کا آغاز کرتا ہے اور بہت کوشش کے ساتھ کام کو مکمل کرتا ہے۔ جب تھک جاتا ہے یا پھر دن پورا ہو جاتا ہے اپنے پورے کاموں کو توڑ پھوڑ دیتا ہے اور دوسری مرتبہ پھر ابتداء سے شروع کرتا ہے اور جب کئی بچے مل کر کھیلتے ہیں تو کئی بچے کامیاب ہو جاتے ہیں اور کئی بچے ناکام ہو جاتے ہیں لیکن ان کا کامیاب ہونا اور ناکام ہونا ان کے کاموں میں بالکل موثر نہیں ہوتا اور جب کھیل ختم ہو جاتا ہے تو ہر ایک چیز اپنی جگہ پر آجاتی ہے۔

بہت زیادہ دیکھا گیا ہے کہ بچے دائرہ کی شکل میں بیٹھ جاتے ہیں اور کھیلنا شروع کرتے ہیں۔ ایک امیر دوسرا وزیر، ایک چور دوسرا شکایت کرنے والا، ایک محافظ اور دوسرا قاضی بن جاتے ہیں مگر جب ایک گھنٹے کے بعد تھک جاتے ہیں یا بھوک اُن پر دباؤ ڈالتی ہے سارے کے سارے اپنے پہلے حال پر واپس آجاتے ہیں۔ نہ کوئی امیر و وزیر رہتا ہے نہ کوئی محافظ و قاضی رہتا ہے اور نہ کوئی چور اور شکایت کرنے والا رہتا ہے۔ سب کے سب ایک دوسرے کے دوست اور بھائی ہوتے ہیں۔ یہ بچپنے کا دورانیہ ہے۔ اس عمر کے دورانیہ میں نہ کوئی تکبر ہوتا ہے نہ کوئی بغض و کینہ ہوتا ہے۔ دشمنیاں وقتی ہوتی ہیں، بے سکونیاں بہت جلدی ختم ہو جاتی ہیں، بچہ آئندہ کی فکر نہیں کرتا اور دنیا سے دل کو نہیں لگاتا، صفائی اور مضبوطی، مہر و محبت، عشق و تعلق ہر جگہ قائم ہوتا ہے۔ بچے مٹی پر بیٹھتے ہیں، زمین پر سو جاتے ہیں۔ بچوں میں ایسی صفات پائی جاتی ہیں جو الٰہی نمائندوں کو بے حد پسند ہیں اور فرماتے ہیں: "اگر وہ صفات بڑے انسانوں میں پائی جائیں تو بہت زیادہ تعجب، عشق اور اہمیت کی حامل ہوں گی"۔

خداوند کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کیا:

"اے عمران کے بیٹے! مجھے بچوں کی کئی عادات بہت زیادہ پسند ہیں: (۱) تکبر نہیں کرتے (۲) جب جنگ و جدال اور جھگڑا کرتے ہیں تو بہت جلدی اس کو بھول جاتے ہیں (۳) بچے بولتے ہیں

جھوٹ بھی نہیں بولتے (۴) جب ماں بچے کو مارتی ہے اور گھر سے باہر نکال دیتی ہے تو وہ دوبارہ گھر واپس پلٹ آتا ہے (۵) رزق و روزی کا غم نہیں کرتے اور اپنے آئندہ کے فکر میں نہیں ہوتے (۶) سخاوت کرنے والے ہوتے ہیں جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ طور پر کھاتے ہیں (۷) زیادہ روتے ہیں اور جو کچھ انہوں نے مانگنا ہوتا ہے ماں باپ سے گریہ کرکے زور پر مانگتے ہیں (۸) اور دنیا کے ساتھ بھی لگاؤ نہیں کرتے۔ (مجمع النورین ص: انسان ص: ۹۶ تا ۹۹)

چودھواں مرحلہ: نوجوانی کے عالم میں

چنانچہ طفلگی کے مرحلہ کے گزرنے کے بعد نوجوانی کی نوبت آتی ہے۔ تو جب بچہ بالغ ہونے کی حد کے قریب پہنچتا ہے تو نوجوانی شروع ہوتی ہے اور چوبیس سال تک جاری رہتی ہے۔ اس مرحلہ زندگی کو عنوان شباب کہا جاتا ہے۔ اس مرحلہ میں تمام رجحانات اور چاہتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور انسان زندگی کے حساس ترین مرحلہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ تمام چیزوں کو ایک دوسری نگاہ کے ساتھ دیکھتا ہے۔ تمام کھیل کود اور ساری سرگرمیاں غرور و تکبر اور زینت و آرائش میں بدل جاتی ہیں اور زندگی کا عمدہ ہم و غم (مال و دولت) زینت اور اپنے آپ کو سنوارنے پر خرچ ہوتا ہے۔ لباس اچھا ہو، جوتے خوبصورت ہوں، بال بنے ہوئے ہوں، ہر روز لباس کو تبدیل کرتا ہے، جوتوں کو ہر روز پالش کرتا، بالوں کو کنگھی کرتا، خوبصورت و زیبا شریک حیات کو تلاش کرتا، خوبصورت سواری کی فکر کرتا اور پھر اس قدر اپنی اور اپنے متعلق چیزوں کی زیبائی اور خوبصورتی کی فکر کرتا ہے اصلاً کسی دوسری چیز کی فکر نہیں ہوتی۔ اگر اس سے کہا جائے کہ دو لڑکیاں تمہارے لئے دیکھی ہیں ایک اُن میں سے زیادہ خوبصورت و زیبا نہیں ہے مگر اعجابی دیندار، صاحب اخلاق، صاحب تقویٰ ہے اور دوسری بے حد حسین و جمیل کی پری ہے لیکن بداخلاق ہے دین و تقویٰ نام کی کوئی چیز اس میں نہیں ہے تم ان میں سے کس کو پسند کرو گے؟ تو جواب میں کہے گا: مجھے وہی خوش شکل، خوش قیافہ اور حسن و جمال والی لڑکی پسند ہے اس کی بداخلاقی کے مقابلے میں صبر کروں گا اور اس کے دین و تقویٰ کی اصلاح کر لوں گا۔

بہر حال یہ زیب و زینت اور خوبصورتی، حسن و جمال ہمیشگی و دوام نہیں رکھتے آہستہ آہستہ یہ

ناز نخرہ ختم ہو جاتا ہے اور نوجوانی کے آخر پر زیب و زینت کا رنگ کم ہو جاتا ہے اور فخر و خود پسندی پیدا ہو جاتی ہے اور کہتا ہے: میں تو وہ ہوں جس نے یونیورسٹی سے ٹاپ کیا ہے اور فلاں دفتر میں مجھے سیٹ ملی ہے۔ بہت عمدہ جگہ کی عزت والی نوکری ملی ہے فلاں بڑے آدمی کا داماد ہوں، میری ماہانہ آمدنی اس قدر ہے فلاں بڑی شخصیت کے ساتھ میرے خاندانی تعلقات ہیں، فلاں بڑا آدمی میرا احترام کرتا ہے۔ پس اس طرح کے عقیدہ کو ظاہر کرتا ہے۔

نوجوانی کے دورانیہ میں پہلے انسان کے اندر زینت اور زینت پرستی پیدا ہوتی ہے اس کے بعد دوسروں پر فخر و مباہات کرنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس مرحلۂ زندگی میں کھیل کود سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، کوئی دوسری سرگرمی نہیں ہوتی۔ اگر آپ ملاحظہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ بچے اپنی سرگرمی میں مشغول ہیں۔ اگر کوئی ہنستا ہوا اُن کے پاس سے گزرے اور اُن سے کہے کہ کیوں یا اپنے آئندہ کی فکر نہیں کرتے، اپنے حال میں مست ہیں بیہودہ اور بے مقصد کاموں میں لگے ہوئے ہیں ان کو اپنے مستقبل کی کوئی خبر نہیں ہے۔

قرآن زندگی کے ان دونوں دورانیہ کو (طفلگی و نوجوانی) اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿إِنَّمَا الْحَيَوٰةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ﴾ (سورۂ حدید: ۲۰)

"بیشک دُنیا کی زندگی لعب (کھیل کود) و لہو (سرگرمی) اور زیب و زینت جمال پرستی اور تمہارے درمیان فخر و مباہات کرنا ہے"۔

چنانچہ جس لہو و لعب کو قرآن بیان کرتا ہے اس کا تعلق جوانی کے مرحلے کے ساتھ ہے۔ نوجوانی زندگی کا وہ دورانیہ ہے جس میں تمام خواہشات، حاجتیں، استعداد اور ملکات پیدا ہو جاتے ہیں اور انسان کے جسم کا بڑھنا کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ انسان پچیس (۲۵) سال سے تیس (۳۰) سال تک قد و قامت کو بڑھاتا ہے اور بڑا ہو جاتا ہے اس کے بعد ہڈیوں پسلیوں کا بڑھنا موقوف ہو جاتا ہے۔

نوجوانی کے عالم میں خودشناسی

اس نوجوانی کے دورانیہ میں خودشناسی کا آغاز ہو جاتا ہے اپنی ذات کو پہچاننا علم نفسیات میں

بالغ ہونے کی علامات میں سے اہم علامت ہے۔انسان نوجوانی کی عمر میں اپنی شخصیت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔اپنے آپ کو پہچاننا تیرہ (۱۳) چودہ (۱۴) سال کی عمر میں ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ پندراں (۱۵) اور اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر میں اپنے کمال کو پالیتا ہے۔اس دورانیہ میں نوجوان اپنے آپ سے سوالات کرتا ہے: میں کون ہوں؟ میں کہاں سے آیا ہوں؟ میں کیوں آیا ہوں؟ میرے ماں باپ کس طرح کے انسان ہیں؟ کیا میرے افکار واحساسات دوسروں کی طرح ہوں یا پھر اُن سے الگ ہوں تو اس طرح کے سوالات اپنی ذات سے کرتا ہے۔

از کجا آمدہ ام آمدنم بہر چہ بود　　بہ کجا می روم آخر ننمائی و طنم

میں کہاں سے آیا ہوں میرا آنا کاہے کیلئے ہے　　کہاں جاؤں گا، آخر میں اپنے وطن کو نہیں جانتا

اس بات کی طرف توجہ رکھنی چاہیے کہ جب تک نوجوان خودشناسی کے مرحلہ تک نہ پہنچے تو وہ کبھی بلوغت کو پہنچا ہے۔اس طرح کا انسان کامل انسان، آگاہی رکھنے والا، ہوشیار، رُشد و کمال تک پہنچا ہوا حساب و کتاب میں نہیں آتا لہٰذا ظرفیت فکر اور فکر ذہنی کی وسعت بلوغت کی نشانیوں میں ایک بڑی نشانی ہے۔فکر و اندیشی کی وسعت چیزوں کے درمیان قیاس کرنے پر قدرت، شخص کی قوت قضاوت اور اس طرح کی دوسری چیزیں بلوغ عقلی کہلاتی ہیں۔یہاں تک کہ بلوغ عقلی کامل ہو جائے اور خودشناسی پیدا ہو جائے۔نوجوان اپنی ذات میں عجب یا اعتمادی رکھتا ہے اس کی وجہ سے احساس حقارت کرتا ہے اور یہ سمجھنے کی کوشش کرتا ہے کہ دوسرے اس کے بارے میں کیا قضاوت اور فیصلہ کرتے ہیں۔

پندرھواں مرحلہ: جوانی کا عالم

انسان کی جوانی نوجوانی کے بعد شروع ہو جاتی ہے جس کی حدود چوبیس سال سے چالیس سال تک ہے۔اس عمر کے مرحلہ میں انسان کے اندر ناپسندیدہ صفات سے دو صفتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ دو صفتیں یہ ہیں (۱) دوسروں پر فخر ومباہات کرنا (۲) اور مال ودولت اور اولاد میں زیادتی کا طلبگار ہونا۔چنانچہ فخر ومباہات کا کرنا چوبیس (۲۴) سالگی کے سن سے شروع ہو جاتا ہے اور بتیس (۳۲) سالگی کے سن تک جاری رہتا ہے۔انسان دوسروں پر فخر کرتا ہے کہ میں فلاں دفتر میں کام کرتا ہوں، فلاں ادارہ

کا پرنسپل ہوں، جہاں کہیں جاتا ہوں سارے لوگ میرے احترام میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور میری تعظیم و تکریم کرتے ہیں قوموں اور قبیلوں کے درمیان میری باتیں اثر و رسوخ رکھتی ہیں (فخر و مباہات کا دور انیہ آٹھ سال کا ہوتا ہے) اس کے بعد کثرت و تکاثر اور زیادہ طلبی کا دور انیہ شروع ہوتا ہے (مال و ثروت اور اولاد میں زیادتی کی خواہشات پیدا ہوتی ہیں) یہ دور انیہ عمر کا بتیس (۳۲) سال کے سن سے شروع ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ آخر عمر تک جاری رہے۔ انسان یہ چاہتا ہے کہ دن بدن مال و دولت اور اولاد و افراد میں زیادتی آتی جائے لہٰذا جب کاروکسب سے فراغت حاصل کرتا ہے تو کیلکولیٹر اٹھا لیتا ہے اور حساب کرنا شروع کر دیتا ہے کہ کتنی کوششیں کر رکھتا ہے، کتنی قالینیں ہیں۔ کتنے گھر ہیں، کتنے باغ ہیں اور کس قدر نقدی بینکوں میں موجود ہے اور کس بینک میں کس قدر رقم موجود ہے۔ اولاد کو شمار کرتا ہے کہ کتنے لڑکے اور کتنی لڑکیاں ہیں اور ان میں سے کس کی کتنی اولاد ہے اور ہمیشہ انتظار میں رہتا ہے کہ ان میں سے کون صاحب اولاد ہوتا ہے تا کہ اس کی افرادی قوت بڑھ جائے۔ اس دور انیہ زندگی میں گزرے ہوئے سارے اوصاف بھول جاتے ہیں لعب و لہو (کھیل کود و سرگرمی) فراموش ہو جاتے ہیں۔

اگر کسی کو کھیلتے کودتے اور سرگرمی میں مشغول دیکھتے ہے آرام ہو جاتا ہے کہ اپنے آئندہ کے فکر میں کیوں نہیں ہیں۔ زیب و زینت اور فخر و مباہات والی صفت کمزور پڑ چکی ہوتی ہے اور اپنی خصوصیت کو کھو بیٹھتی ہے۔ اس صفت کے بجائے انسان کے اندر مال و دولت کی کثرت، ذخیرہ اندوزی اور اولاد میں زیادتی والی صفت بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ یہ عمر کا دور انیہ ہر ایک چیز کے رک جانے کا دور انیہ ہے۔ بدن کا بڑھنا رک جاتا ہے اس کے بعد بڑا نہیں ہوتا۔ طاقتیں قوتیں رک جاتی ہیں۔ اعضا و جوارح کی قوتیں آگے بڑھنے سے موقوف ہو جاتی ہیں یہ قوتوں کا سلسلہ چالیس سال تک ہوتا ہے۔ اس وقت میں انسان راستہ کے آخر پر اور حیات و زندگی کی آخری چوٹی پر پہنچ جاتا ہے جیسے کوہ نوردی میں بلند چوٹی والے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جائے اور اس سے آگے نہ جا سکے اور وہاں سے پھر جس راستے پر گیا تھا پلٹ آئے اور ہر سال یہ احساس کر رہا ہے کہ اس کی قوتیں کمزور ہو رہی ہیں اور اس کی

بنیاد ختم ہو رہی ہے۔

جب انسان عمر کے اس حصے پر پہنچتا ہے اور چالیس سال کی عمر میں قدم رکھتا ہے تو اس کی شخصیت ثابت و مضبوط ہو جاتی ہے اور لوگوں کی اُمیدیں اور توقعات اس کے ساتھ زیادہ ہو جاتی ہیں۔ اس موقع پر انسان کی خطاء، غلطی، بھول جانا قابل تدارک اور بخشش نہیں ہوتا کیونکہ انسان نے جوانی کے مرحلہ کو طے کر لیا ہے اور اس کی جہالت کا زمانہ گزر چکا ہے۔ جب انسان زندگی کی چوٹی پر پہنچتا ہے جو کہ چالیس سال کا ہونا ہے خداوند کریم فرشتوں سے خطاب کرتا ہے اور فرماتا ہے:

"اے ملائکہ! میرے بندے کی چالیس سال کی عمر گزر چکی ہے اگر ابھی تک اس کے بارے میں پیار و محبت سے کام لیتے تھے اور اس کے بعض گناہوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے تو وہ موقع تھا، جوان تھا اور جوانی کا غرور اس کو گناہ کرنے پر مجبور کرتا تھا لیکن اب اس کا غرور جوانی ختم ہو چکا ہے اور اس کی جہالت کا دور گزر چکا ہے، اب اس سے لاپرواہی اور چشم پوشی نہ کرنا اور چھوٹی سے چھوٹی خطا اور غلطی سے بھی درگزر نہ کرنا"۔

پس ضروری ہے کہ انسان جوانی کے عالم میں اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور چالیس سال گزرنے کے بعد گناہ نہ کرے اور گناہ کی فائل کو بند کر دے اور توبہ و استغفار کو بڑھاپے پر نہ چھوڑے کیونکہ حضرت علی ؑ سے نقل ہوا ہے کہ:

"توبہ یعنی گناہ سے پلٹ آنا ہر ایک کیلئے اچھا ہے مگر جوان کی توبہ بہت زیادہ اچھی ہے"۔

(مواعظ العددیہ، باب: ششگانہ)

در جوانی پاک بودن شیوۂ پیغمبری است　ورنہ ہر گبری بہ پیری می شود پرہیزگار

جوانی کے عالم میں پاک ہونا پیغمبری سیرت ہے　ورنہ ہر کافر بڑھاپے میں پرہیزگار ہو جاتا ہے

ہاں! انسان کی عمر جب چالیس سال سے گزر جاتی ہے اور بہت جلدی گزرتی ہے انسان اس دنیا کی لذت کو چکھتا نہیں یا آنکھ کو بند کر کے کھولتا ہے تو متوجہ ہوتا ہے کہ اس کی عمر آخر تک پہنچ چکی ہے۔ اس حال میں انسان غم و غصہ ہوتا و حسرت کھینچتا ہے کہ کتنی جلدی گزر گئی ہے اور زبان حال سے کہتا ہے

هفته دیگر ز عمر زود گذر رفت   رفت و به دنبال هفتهٔ دگر رفت

سخت ندامت برم که ز مستی   روز به خواب اندرم چو شام و سحر رفت

وقت شد بی‌کار و زمان سپری گشت   بر اثرش نیز عمر راه سفر رفت

پیر شدم پیر در فراق جوانی   همچو پدر کز برش خجسته پسر رفت

جای دریغ است کز گذشت مه و سال   چشم بصیرت بخفت و نور بصر رفت

گردی از این رهگذر نشست برویم   قافلهٔ ماه و سال چون به سفر رفت

دانی کانگرد چیست موی سپید است   موی سیه شد سپید عمر مگر رفت

همچو یکی طفل پنجر و زهٔ ناچیز   از کف من عمر پنج روزه به در رفت

هر کس رهی سپرد در خور همت   این پی مال آن به سوی جاه و خطر رفت

داد یکی نقد عمر در طلب سود   سود به چنگ نکرد و نقد از او به ضرر رفت

عمر تلف کرد در زر و سیم بیندوخت   مُرد و به گور اندرش نه سیم و نه زر رفت

وان دگری راه ناشناخته از جاه   در پی جاه و خطر به کام خطر رفت

گوی سعادت کسی ربود ز میدان   در پی کسب کمال دین و هنر رفت

ترجمہ:

دوسرا ہفتہ جلدی گزرنے والی عمر کا چلا گیا، چلا گیا اور گزرنے والے دوسرے ہفتوں کے پیچھے چلا گیا۔

سخت پشیمان ہوں کہ مستی کی وجہ سے دن عالم خواب میں گزرا، جس طرح شام و صبح چلے گئے۔

وقت بے کار ہوا اور زمانہ جلدی گزر گیا اس کے اثر میں عمر کا راہ سفر بھی چلا گیا۔

بوڑھا ہو گیا ہوں مگر جوانی کی جدائی میں بوڑھا ہوا، جس طرح کا باپ چلا گیا اسی طرح بیٹا خوشی کے ساتھ چلا گیا۔

سوچنے کا مقام ہے کہ ماہ و سال گزر گئے بصیرت کی آنکھ کمزور ہوا آنکھ کی روشنی چلی گئی۔

خیال کرتے ہو کہ اس رہگزر کو بیٹھ کر طے کریں، ماہ و سال کا قافلہ سفر پر چلا گیا ہے۔

جانتے ہو کہ نادانی کیا ہے بالوں کا سفید ہونا ہے، سیاہ بال سفید ہو گئے اور عمر گزر گئی۔

جس طرح چار پانچ دنوں کا ناچیز بچہ ہوتا ہے اسی طرح میری عمر کے پانچ دن میرے ہاتھ سے چلے گئے۔
ہر ایک نے اپنی ہمت کے کمال ہوتے پر راستہ اختیار کیا یہ مال کے پیچھے اور وہ کنویں اور خطرے کی طرف چلا گیا۔
ایک نے اپنی عمر فتح کی طلب میں خرچ کر دی فتح بھی اپنی جگہ پر رہ گیا اور عمر کا خرچ کرنا نقصان میں چلا گیا۔
عمر کو سونا اور چاندی کے جمع کرنے میں ضائع کر دیا مر گیا اور قبر میں چلا گیا نہ سونا گیا اور نہ چاندی گئی۔
اس دوسرے نے کنویں کے راستے کو نہ پہچانا تو خطرہ میں جانے کیلئے کنویں اور خطرے کے پیچھے چلا گیا۔
اور جس کو سعادت نے میدان سے اٹھایا تو وہ دین و ہنر کے کمال کو حاصل کرنے کے پیچھے چلا گیا۔

خوش بختی کی طلب میں

اس دورانیہ میں جوان خوش بختی، آزادی، کمال کی طرف بڑھتے ہیں اور ہر ایک کوشش کرتا ہے کہ اپنے آپ کو خوش بختی اور سعادت کی انتہاء تک پہنچا دے۔ وہ دنیا جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں اس میں زمین فضاء آب و ہوا کی طرف سے اچھائیاں، برائیاں، خوشی، تنگی وغیرہ سب چیزیں موجود ہیں۔ جو کچھ اس جہان میں دنیا میں جوانوں کے مختلف گروہوں میں اہمیت رکھتا ہے وہ آزاد مکمل زندگی جس میں خوش بختی، آزادی حاصل ہو۔ اس وجہ سے وہ کوشش کرتے ہیں تا کہ اپنے مقصد کو حاصل کر سکیں، خواہ وہ مقصد مادیات سے تعلق رکھتا ہو یا معنویات و روحانیت سے تعلق رکھتا ہو لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ جوان ہر چیز کی طرف لپک کر جاتے ہیں تا کہ خوش بختی کو پا سکیں۔ پس ان میں سے بعض اپنی خوش بختی کو مادیات کے حصول میں چھپا ہوا سمجھتے ہیں اور بعض ان میں سے اپنی خوش بختی کو معنویات کے حصول میں پنہاں سمجھتے ہیں۔

مادہ پرستوں کے تین گروہ ہیں:۔

پہلا گروہ:

خیال کرتا ہے کہ انسان مال و دولت کو جمع کرنے سے آزادی کمال، خوش بختی کو حاصل کر سکتا ہے۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ مال انسان کو ذاتی طور پر بے نیاز کر دیتا ہے اور کمال و آزادی مال کے جمع کرنے میں ہے جبڑا مال و دولت کو جمع کرنے میں دن رات ایک کر کے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔

دوسرا گروہ:

خیال کرتا ہے کہ انسان کا کمال اہم عہدوں پر فائز ہونا ہے جو کہ قوم و قبیلہ، گروہ مضبوط افراد کے ساتھ اچھے تعلقات کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس گروہ کے افراد خیالی کمال کو حاصل کرنے کیلئے ہر دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔

تیسرا گروہ:

خیال کرتا ہے کہ انسان کی خوش بختی اور بے نیازی معاشرہ و اجتماع کے افراد کے ساتھ گہرے تعلقات اور مراسم بڑھانے میں ہے۔

جس معاشرے میں مختلف گروہ اور افراد موجود ہوں اس راستے میں ممکن حد تک کوشش کرتے ہیں، مال و دولت کو خرچ کرتے ہیں اور ہر قسم کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ تین گروہ مادی ستوں کو دیکھتے ہیں اور مادیات پر اعتماد رکھتے ہیں۔ معنویت و روحانیت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ہیں اور معنویت کو بے کار و مشغلہ سمجھتے ہیں جبکہ اس بات سے غافل ہیں کہ جو لوگ مال و دولت اور عہدہ و منصب کے ذریعے خوش بختی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں ایسے تشنہ لب انسان ہیں جو سراب کو پانی تصور کرتے ہیں۔ بہت ساری دلیلیں موجود ہیں جن سے انسان سمجھ سکتا ہے کہ مادیات انسان کو کمال تک نہیں پہنچاتے بلکہ دولت بہت جلدی ختم ہو جاتی ہے اور عہدے انسان سے واپس لے لئے جاتے ہیں اور نتیجتاً سوائے ناامیدی کے کچھ نہیں ہوتا۔ اور یہ بات تمام اہل علم حضرات جانتے ہیں

کہ مال و دولت بخشی بھی زیادہ ہو اس کی خوشیاں جلدی ختم ہونے والی ہیں جن کے اندر کوئی پائیداری اور دوام نہیں ہے۔ مگر وہ لوگ جو اپنی خوش بختی کو معنویت کی سمتوں میں تلاش کرتے ہیں اور اپنے کمال کو خاندانی تعلقات (صلۂ رحمی) اور گھر کی زندگی کے ساتھ وابستہ سمجھتے ہیں، دُنیا اور اس کی زندگی ان کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی اُن کے بھی تین گروہ ہیں۔

معنویت پرستوں کے تین گروہ ہیں:۔

پہلا گروہ:

ان لوگوں کا ہے جو یونانی فلسفہ کے پیروکار ہیں جو کہ ارسطو سے پہلے گزرے ہیں۔ انہوں نے انسان کی خوش بختی اور کمال کو نفسانی کمالات میں سمجھا ہے اور نفسانی کمالات کیلئے چار اصول کے قائل ہیں: (۱) حکمت (۲) شجاعت (۳) عفت (۴) عدالت۔ اُن کے گمان کے مطابق جو بھی ان صفات کو اپنے اندر رکھتا ہے خوش بخت ہے۔ یہ لوگ بدنی کمال کی سمتوں کو اپنے حقیقی کمال کے لئے موثر نہیں سمجھتے بلکہ جس انسان میں یہ چار صفات پائی جائیں تو وہ جسمانی کسی ناتوانی اور کمزوری کو انسان کی خوش بختی کی رکاوٹ نہیں سمجھتے (اس گروہ کے نزدیک عارضی بیماریاں سعادت انسان کے ساتھ تعلق نہیں رکھتیں)۔

دوسرا گروہ:

یہ گروہ مرتاض کے نام کے ساتھ شہرت یافتہ ہے۔ یہ گروہ انسان کی خوش بختی اور کمال کو دُنیاوی لذتوں سے نفس کو روک رکھنا اور خواہشات نفسانی کے ساتھ مقابلہ کرنے میں سمجھتے ہیں۔ چنانچہ میخوں پر سونا، درختوں کی ٹہنیوں کے ساتھ اپنے آپ کو لٹکانا، جاں سوز گرمی میں بیٹھنا، کم کھانا، کم پینا، کم سونا اور اس طرح کی دوسری تکلیفوں، مشقتوں، رنج و الم میں بدن کو ڈالنے میں سمجھتے ہیں۔ یہ گروہ صرف یہ نہیں کہ بدن کو کوئی اہمیت نہیں دیتا بلکہ کہتے ہیں بدن کو رنج و الم، زحمت و تکلیف میں ڈالنا کہ روحانی و معنوی خوش بختی و کمال حاصل کر سکو۔

تیسرا گروہ

یہ ایسا گروہ ہے جو انسان کی خوش بختی اور کمال کو حیوانی صفات سے الگ ہونے میں سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں جو کچھ انسان و حیوان کے درمیان مشترک صفات ہیں انسان کو چاہئے کہ ان صفات سے دور ہو جائے تاکہ انسانی کمال کو حاصل کر سکے کیونکہ نفسانی شہوتیں اور خواہشات انسان کو پستی کی طرف لے جاتے ہیں اور چوپاؤں کی صف میں لا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ اُن کے عقیدہ کے مطابق یہ صفات انسان کے کمال اور خوش بختی کے دائرہ سے باہر ہیں۔ یہاں تک انہوں نے کہا ہے کہ انسان و حیوان کے درمیان مشترکات انسان کا کمال نہیں بن سکتے۔

خلاصہ بحث

انسان کے کمال اور خوش بختی کو دو باہم مخالف راستوں میں تصور کیا گیا ہے:

(۱) اُن دو راستوں میں سے ایک راستہ یہ ہے کہ اس راستہ کے پیروکاروں نے مادیات پر تکیہ کیا ہے اور مال و دولت کو زندگی کی حقیقت سمجھا ہے اور مادیات کو جمع کرنے اور اس کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کو کمال سمجھتے ہیں۔

(۲) اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ جس کے پیروکاروں نے روح پر تکیہ کیا ہے اور انسان کی خوش بختی و کمال کو روح کے کمال اور اس کے قوی ہونے میں سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مادیات کو اصلاً ترک کرنا چاہئے کیونکہ مادیات انسان کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ مادیات کی طرف سفر کرنے کی پہلی حرکت جدید تمدن ہے۔ ان کے نزدیک مادی چاہتوں اور شہوانی آزادی کو حیا کرنا کمال و کمال کی اصل بنیاد ہے۔ یہاں تک آگے بڑھے ہیں کہ مادیات نے انسان کی فکر کو تحت تاثیر قرار دے دیا ہے۔

حقیقی و اصلی خوش بختی

حقیقت الامر یہ ہے کہ دونوں گروہ (مادیت پرست و معنویت پرست) افراط و تفریط کے شکار ہیں کیونکہ انسان کا کمال اور خوش بختی ان دو نظریوں کے درمیان کا نظریہ ہے اور وہ نظریہ یہ ہے کہ

انسان مادی و معنوی خوبیوں کو اپنائے اور دونوں نظریوں کی افراطی چیزوں سے پرہیز کرے۔ اس تیسرے نظریے کو انسان کی صحیح فطرت قبول کرتی ہے اور فطرتی اصول بھی اسی کی طرف راہنمائی کرتے ہیں، کیونکہ روحانی سمتوں کی طرف توجہ کرتے ہوئے خوشنودیٔ خدا کیلئے مادّی خوبیوں سے استفادہ کرنا یہاں تک جسم انسان کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور روحانی مشقتوں تک نہ پہنچے۔ انسان کیلئے اس آسائش و آرام کو مہیا کیا گیا ہے اور یہ انسان کے کمال و سعادت تک پہنچنے کا بہترین وسیلہ ہے۔

بہرصورت ہر روحانی کمال کی بنیاد احکام الٰہی کی پیروی و اطاعت ہے اور یہ اطاعت احکام جسم و بدن کی سلامتی کو چاہتی ہے اور ذاتی طور پر بے نیاز ہونا حقیقت میں روح و قلب کے اطمینان اور لمس معنویت کی ایک حالت کو کہتے ہیں جو کہ مادّی حدود سے بلند و بالا ہے قرآن اس کے متعلق فرماتا ہے: "اے نفس مطمئنہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پلٹ آ جبکہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے"۔ (سورۂ فجر: ۲۸) اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے: "اے انسان آگاہ رہو کہ خدا کے ذکر اور اس کی طرف توجہ کے ساتھ دلی اطمینان پیدا ہوتا ہے"۔ (سورۂ رعد: ۲۸)

خدا کا ذکر و یاد جو کہ معنویت، سعادت، خوش بختی کا راستہ ہے صرف اسی راستہ کے ساتھ وابستہ ہے اور دوسرے انحرافی راستوں سے حاصل نہیں ہوتی، چنانچہ دائمی لذتیں حقیقی خوش بختی اور کمل و کمال خداوند کریم کی ذات کے ساتھ تعلق پیدا کرنے اور دل کو نور حق سے منور کرنے سے حاصل ہوتے ہیں اور یہ مال و دولت کے خلاف بھی نہیں ہے اور اس کی بہترین مثال خداوند کریم کے انبیاء علیہم السلام ہیں مثلاً: داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، ایوب علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، ذوالقرنین علیہ السلام، یوسف علیہ السلام کہ ان نبیوں نے باوجود مال و دولت، کھیتی باڑی، سلطنت و حکومت کے اپنے آپ کو ان کے ساتھ وابستہ نہیں کیا، خدا اور معنویت سے الگ نہیں ہوئے اور دُنیا و آخرت کی سعادت و خوش بختی کو حاصل کیا ہے۔ خدا کے ساتھ پیوستگی سے انسان گناہ کرنے سے بچ جاتا ہے اور پرہیزگاری کے لباس سے مزین ہو جاتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جب بھی تم چاہو اور رشتہ دار نہ رکھنے کی صورت میں سعادت تک پہنچو خدا کی نافرمانی اور گناہ کی لذت سے نکل کر خدا کے احکام کی پیروی اور فرمانبرداری کی طرف بڑھو (کیونکہ یہی آبرومندی اور عزت ہے) اگر ہمارے جوان حقیقی خوش بختی کے طلبگار ہیں تو دُنیا کی زیبائی، زرق و برق، مال و دولت، عہدہ و منصب پر فریفتہ نہ ہوں اور حق و حقیقت کے راستہ سے دُور نہ ہوں تو پھر یقینی طور پر کامیاب ہو جائیں گے"۔

چالیس سالہ لوگوں کے بارے میں روایات

(۱) امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل ہوا ہے: "جب انسان چالیس سال کا ہو جاتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے اپنے نصیب اور حصہ کو لے لو کیونکہ اس کے بعد تمہاری عذر خواہی کرنا قابل قبول نہیں ہے"۔ (میزان الحکمۃ، ج:۶، ص:۵۴۴)

(۲) نیز آنحضرت سے نقل ہوا ہے: "جب انسان چالیس سال کا ہو جاتا ہے خدا کی طرف سے منادی ندا کرتا ہے تیرا کوچ کرنا نزدیک ہو چکا ہے، پس اپنے سفر پر جانے کیلئے زادِ راہ اور سامانِ سفر کو تیار کرو"۔ (میزان الحکمۃ، ج:۶، ص:۵۴۴)

(۳) حضرت رسول خدا سے نقل ہوا ہے: "جب انسان چالیس سال کا ہو جاتا ہے اور اس کی خیر و خوبی اور نیکی اچھائی اس کے بُرے اعمال پر غالب نہ ہو سکے تو شیطان اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دے کر کہتا ہے یہ وہ چہرہ ہے جو کبھی کامیاب اور پرہیزگار نہیں ہو سکے گا۔ (میزان الحکمۃ، ج:۶، ص:۵۴۴)

(۴) نیز نقل ہوا ہے: "جس بندے کی عمر چالیس سال سے آگے بڑھ جاتی ہے اور اس کے نیک اعمال اس کے بُرے اعمال پر غالب نہ آئیں تو وہ بندہ اپنے آپ کو جہنم کی آگ کیلئے تیار کرلے"۔ (میزان الحکمۃ، ج:۶، ص:۵۴۴)

(۵) امام صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے: "جب انسان عمر کے تینتیس ۳۳ سال تک پہنچ جاتا ہے تو

رشد و کمال کے حد پر پہنچ جاتا ہے جب چالیس سال تک پہنچ جاتا ہے تو جوانی کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور جب چالیس سال سے تجاوز کرتا ہے تو پھر نقصان کی طرف جاتا ہے۔ ضروری ہے کہ جس کی عمر پچاس سال کی ہو گئی ہو تو وہ اپنے آپ کو جان کنی کی حالت میں حساب کرے"۔ (میزان الحکمۃ، ج:۲، ص:۵۴۴)

(۶) امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "خدا کا بندہ چالیس سال تک آزادی کے عالم میں رہتا ہے۔ جب چالیس سال کا ہو جاتا ہے تو خداوند کریم اس فرشتہ کو خطاب کرتا ہے جو اس پر موکل ہوتا ہے اور فرماتا ہے: میں نے اپنے بندے کو طولانی عمر عطا کی ہے اور اب وہ چالیس سال کو پہنچ چکا ہے اب اس پر گہری نظر رکھو اور اس کے تمام اعمال کو ثبت و ضبط کرو، خواہ وہ اعمال بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں اور خواہ وہ کم ہوں یا زیادہ ہوں"۔ (بحار الانوار، ج:۷۳، ص:۳۸۹)

(۷) ایک دوسری حدیث میں آیا ہے حضرت رسول خداؐ فرماتے ہیں: "اے چالیس سالہ لوگو! تمہاری مثال اس زراعت کی مثل ہے جس کے کاٹنے کا وقت نزدیک آ گیا ہو۔ اے پچاس سالہ لوگو! اپنے لئے آگے کیا کچھ بھیجا ہے (اور ذخیرہ کیا ہے) اور کس چیز کو موخر کیا ہے۔ اے ساٹھ سالہ لوگو! حساب کیلئے تیار ہو جاؤ اس کے بعد تمہارا کوئی عذر نہ سنا جائے گا۔ اے ستر سالہ لوگو! اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کرو!"۔

(۸) جن افراد کی عمر چالیس سال تک پہنچ چکی ہے انہیں کچھ امتیازات عطا کئے جاتے ہیں۔ اُن میں سے ایک وہ ہے جس کو حضرت رسول خداؐ نے بیان کیا ہے۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں: "جس کی عمر کے چالیس سال گزر جاتے ہیں تین مصیبتوں سے محفوظ ہو جاتا ہے: (۱) جنون (۲) جذام (۳) برص"۔ (میزان الحکمۃ، ج:۶، ص:۵۴۳)

چو دوران عمر از چهل درگذشت — مزن دست و پا کآبت از سر گذشت
چو شیبت درآمد به روی شباب — شبت روز شد دیده بر کن ز خواب
چو باد صبا بر گلستان وزد — خمیدن درخت جوان را سزد

نشنید تو را با جوانان چمید | که بر عارضت صبح پیری دمید
دریغا که فصل جوانی گنشت | به لهو و لعب زندگانی گنشت
دریغا چنان روح پرور زمان | که بگنشت بر ما چون برق یمان
دریغا که مشغول باطل شدیم | ز حق دور ماندیم و عاطل شدیم
چه خوش گفته با کودک آموزگار | که کاری نکردی و شد روزگار

ترجمہ:

جب عمر کا دورانیہ چالیس سال سے گزر گیا تو پھر دست و پا مارنا وقت گزر چکا ہے۔
جب جوانی پر پیری چھا گئی تو رات دن میں بدل گئی ہے، نیند سے بیدار ہو جاؤ۔
جب باد صبا باغ سے گزرتی ہے تو جوان درخت بھی جھک جاتے ہیں۔
تجھے جوانوں کے ساتھ ناز و نخرہ کرنے کیلئے پیدا نہیں کیا گیا کیونکہ تیری صبح کے چہرے پر پیری چمک رہی ہے۔
افسوس ہے کہ جوانی کی بہار گزر گئی اور لہو و لعب میں زندگی گزر گئی۔
افسوس کہ روح پرور وقت اس طرح گزر گیا جیسے چمکتی ہوئی بجلی چلی جاتی ہے۔
افسوس کہ باطل پرستی میں مشغول رہا ہوں، حق سے دور رہ کر محروم ہو گیا ہوں۔
کیا خوب کہا ہے بچے کو استاد نے کہ کوئی کام نہیں کیا ہے اور چھٹی کا وقت ہو گیا۔

سعدیؒ

سولہواں مرحلہ کہولت یعنی بڑھاپے کا آغاز

کہولت جوانی اور بڑھاپے کے فاصلے کو کہتے ہیں۔ جوانی اور بڑھاپے کے درمیانی عمر کو کہولت کہتے ہیں اور اس کا دورانیہ بیتالیس سال سے ساٹھ سال تک ہوتا ہے جو کہ تقریباً اٹھارہ سال کی مدت بنتی ہے (بعض اس کے دورانیہ کو ۳۳ سے ۵۱ سال تک جانتے ہیں)۔ بیتالیس سال سے کم عمر کو جوانی اور ساٹھ سال سے آگے کی عمر کو بڑھاپا کہتے ہیں۔ اس سے پہلے مرحلہ میں کہا گیا ہے کہ یہ عمر کا

دورانیہ ایسا ہے جس میں مال و دولت اور اولاد کی کثرت کی خواہش ہوتی ہے۔اس عمر کے دورانیہ میں دُنیا داروں اور مادّی انسانوں کے سامنے صرف دُنیا اور اس کے تجملات ہوتے ہیں (تجملات یعنی زیب و زینت و آرائش دُنیا) اور اس جہاں کو اپنے لئے فخر و عزت کا باعث بڑا اور رتبہ سمجھتے ہیں اور پوری قوت و طاقت کے ساتھ مال و دولت کو جمع کرتے ہیں اور اولاد و اولاد کی زیادتی کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ جس طرح ابریشم کا کیڑا اپنے اردگرد تانا بانا رہتا ہے اور آخر پر اسی اپنے تنے ہوئے جال میں مر جاتا ہے۔

امام محمد باقرؑ سے نقل ہوا ہے کہ وہ انسان جو دُنیا کا لالچی ہوتا ہے اس کی مثال ابریشم کیڑے کی ہے جو اپنے اُوپر تانا بنتا ہے اور جتنا زیادہ تنتا ہے اتنا ہی باہر آنے میں دیر لگاتا ہے، یہاں تک کہ غضب و غصہ کی وجہ سے مر جاتا ہے۔(ترجمہ المیزان ج:۵، ص:۳۷۶) چنانچہ اموال و اولاد کی کثرت کی قرآن نے مذمت کی ہے اور ان کو خدا اور روزِ قیامت کو بھول جانے کا سبب قرار دیا ہے اور فرماتا ہے:

﴿اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ (سورۂ تکاثر:۱،۲)

"کثرت طلبی کے فخر و مباہات نے تم کو اس قدر مشغول رکھا کہ تم قبروں تک پہنچ گئے"۔

حضرت رسولِ خداؐ سے نقل ہوا ہے:

"کاثر یعنی مال و دولت کو ناجائز راستوں سے جمع کیا اور ان سے واجبات کو ادا نہ کیا، خزانوں اور صندوقوں میں اس کو بھر کے رکھا ہے (آج کل اس سے مراد بینک ہے)"۔(نور الثقلین ج:۵، ص:۶۶۳)

نیز آنحضرتؐ سے نقل ہوا ہے:

"میں تمہارے فقر و فاقہ سے نہیں گھبراتا مگر مال و دولت کی کثرت اور جمع آوری سے ڈرتا ہوں"۔(تفسیر نمونہ ج:۲۷، ص:۲۸۲)

پھر اسی طرح فرمایا:

"میرا مال میرا مال جبکہ تیرا مال وہی ہے جو غذا کی صورت میں کھاتا ہے اور وہ لباس ہے جس کو پہنتے ہو اور صدقات ہیں جو راہ خدا میں دیتے ہو"۔ (ترجمہ المیزان ج:۵، ص:۳۵۵)

انسان کہولت کے دورانیہ میں مال و دولت سے اس قدر محبت کرتا ہے کہ آئندہ ملنے والے پیسوں کو حساب کرتا ہے اور وہ سیم و دینار کی چمک سے لذت حاصل کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔

قرآن اس کے متعلق فرماتا ہے:

﴿جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهُ﴾ (سورۂ ہمزہ ۲)

"مال کو جمع کیا اور اس کو شمار کیا (بغیر اس کے کہ اس کے جائز و ناجائز کا حساب کیا ہو)"۔

انسان یہ فکر کرتا ہے کہ مال و دولت اس کو ہمیشہ کی زندگی عطا کرتا ہے جس کو نہ موت ہے اور نہ ہی اس کو کوئی بیماری لگتی ہے اور نہ ہی زمانے کے حادثات اس کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں کیونکہ اس کی نظر میں صرف مشکل کو دور کرنے والا مال و دولت ہے لہٰذا مال و ثروت سے بے حد و حد کی محبت کرتا ہے۔

ای دل به کام خویش جهان را تو دیده گیر — در وی هزار سال چو نوحؑ آرمیده گیر
بستان و باغ ساخته و اندر آن بسی — ایوان و قصر سر به فلک برکشیده گیر
هر گنج و هر خزانه که شاهان نهاده اند — آن گنج و آن خزانه به چنگ آورده گیر
هر نعمتی که هست به عالم تو خورده دان — هر لذتی که هست سراسر چشیده گیر
چندین هزار اطلس و زربفت قیمتی — پوشیده در تن و آن که تو دریده گیر
تو هم چو عنکبوتی و حال جهان مگس — چون عنکبوت گرد مگس بر تنیده گیر
روز پسین چه سود به جز آه و حسرتت — صد بار پشت دست به دندان گزیده گیر

سعدیؒ

ترجمہ:

اے دل اپنی ذات کے ذریعے اس دنیا جہان کی معرفت حاصل کرو اس جہان میں حضرت نوحؑ نے ہزار سال زندگی گزاری ہے۔

باغ و باغیچے بنائے اور ان کے اندر کئی محل و قصر بنائے جن کی بلندیاں آسمان کو چھوتی تھیں۔

جو گنج و خزانہ بادشاہوں نے بنایا ہے اس گنج و خزانہ کو لوگوں نے لوٹ لیا ہے۔

اس دنیا جہان میں جو فرصت ہے اس کو قابل استعمال سمجھو اور جلدی ہے اس جہان کی اس کو پیچھا ہوا شمار کرو۔

ہزاروں ابریشم والے سونے کے دھاگوں سے بنے ہوئے قیمتی لباس جن کو بدنوں پر جلایا ہے ان سب کو چاک چاک و ٹکڑے ٹکڑے حساب کرو۔

تم شگوفے کی طرح ہو اور مکھی کی دنیا کا حال یہ ہے کہ شگوفہ مکھی کے ارد گرد جال کو تنتی ہے۔

قیامت کے دن کیا فائدہ ہوگا سوائے آہ و حسرت کے اگر سو مرتبہ بھی ہاتھ کی پشت کو دانتوں کے ساتھ کاٹو۔

اُن کی معذرت کرنا قبول نہ ہوگی

کیونکہ انسان اس عمر کے دور میں مال و دولت کو جمع کرتا رہا اور خدا و قیامت کو اس نے بھلا دیا تھا اور ان کی طرف توجہ نہ دی تھی۔ جب قیامت کے دن اس کو آگ میں ڈالیں گے تو اس کی فریاد بلند ہوگی اور کہے گا: خداوند! مجھے اس جگہ سے باہر نکال تا کہ اعمال صالح کو انجام دوں۔ خداوند کریم اس کے جواب میں کہے گا: ﴿ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ﴾ (سورۂ فاطر: ۳۷) "کیا تمہیں تو عمر نہ دی تھی کہ تم احکام الٰہی بجا لاتے اور کیا خدا کی طرف سے ڈرانے والا تمہارے پاس نہیں آیا، پس عذاب کا مزہ چکھو کیونکہ ظالموں کیلئے کوئی مددگار نہیں ہے"۔

اس آیات نے وضاحت سے بتلایا ہے کہ تمہارے پاس ہر ایک چیز تھی کیونکہ بہت عمر رکھتے تھے اور اختیار تمہارے ہاتھوں میں تھا، مہلت اور وقت بھی رکھتے تھے اور ڈرانے والا بھی خدا کی طرف سے تمہارے پاس آیا، لہٰذا تمہارے عذر و بہانہ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اگر مہلت تمہیں نہ دی جاتی اور معلم و رہبر بھی نہ آتا تو تمہارے عذر کو قبول کیا جاتا لیکن فرصت بھی تمہارے پاس تھی اور ہدایت کرنے والا بھی تمہارے پاس آیا، پس تمہارے کسی عذر و بہانہ کو قبول نہ کیا جائے گا (پس جب عذر و بہانہ قبول نہ

ہوگا عذاب خدا کو سہنا پڑے گا جذا اب سے اپنے آپ کو سنبھالنا پڑے گا اور راہ حق کی پیروی کرنی ہو گی)۔

سترہواں مرحلہ: بڑھاپا

بڑھاپا عمر کے مراحل میں سے آخری مرحلہ ہے اور عبادت، گناہ، احترام، قدر و قیمت، سعادت، شقاوت، قیام، قعود، کجروی، سخاوت کے لحاظ سے انسان کیلئے انتہائی حساس زمانہ ہے اور بڑھاپے کا مرحلہ ساٹھ سال کی عمر سے شروع ہو کر آخر عمر تک جاری رہتا ہے۔ جب انسان کی عمر ساٹھ سال تک پہنچتی ہے تو احساس کرتا ہے کہ اس کی تمام طاقتیں قوتیں دن بدن سالیا ماہ کمزور اور ضعیف ہو رہی ہیں۔ جب ستر سال کا انسان ہو جاتا ہے تو بتدریج اس کی طاقت اور عقل و شعور سست اور کمزور ہو رہا ہوتا ہے اور اگر اسی سال کا ہو جاتا ہے تو ضعف و کمزوری دن بدن، روز بروز محسوس ہونے لگ جاتی ہے۔

قرآن اس کے متعلق فرماتا ہے:

﴿وَ مَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ﴾ (سورۂ یسین: ۶۸)

"ہم جس کو طولانی عمر دیتے ہیں تو اس کی خلقت کی طرف اس کو پلٹا دیتے ہیں (یعنی بچپنے کی عمر کی ناطاقتی اور اس سے بدتر کی طرف پلٹا دیتے ہیں)"۔

چنانچہ نُنَكِّسْهُ کے کلمہ کا معنی کسی چیز کو الٹانا کے ہیں اور وہ اس طرح کہ سر پاؤں کی جگہ اور پاؤں سر کی جگہ پر آ جائیں اور آیت میں نُنَكِّسْهُ سے مراد انسان کا کامل طور پر بچپنے کے حالات کی طرف پلٹ جانا ہے۔

اندک اندک می ستاند آن جمال   اندک اندک خشک می گردد نہال

رو نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ بخوان   دل طلب کن دل منہ بر استخوان

ترجمہ:

آہستہ آہستہ حسن و جمال چلا جاتا ہے اور آہستہ آہستہ زندگی کا درخت خشک ہو جاتا ہے۔

انسان چونکہ ابتدائے خلقت سے کمزور ہے اور تدریجی طور پر رشد و کمال کی طرف بڑھتا ہے جیسا کہ جنین ہر روز اپنی خلقت اور جسم میں رشد پاتا ہے اور جب پیدا ہوتا ہے تو اس کا جسم و روح سفر کمال کو جلدی کے ساتھ طے کرتا ہے اور وہ قوتیں اور طاقتیں جو انسان کے وجود میں خداوند کریم نے ودیعت کی ہیں ایک دوسری کے بعد پھوٹتی رہتی ہیں۔ جوانی کا دور آتا ہے اس کے بعد پختگی اور مضبوطی آجاتی ہے اور انسان جسمی و روحانی کمال کی چوٹی پر پہنچ جاتا ہے اس کے بعد روح و جسم اپنے اپنے راستے کو الگ الگ کر لیتے ہیں۔ روح اپنے کمالی سفر کو جاری رکھتی ہے اور جسم پیچھے کی طرف پلٹنا شروع کر دیتا ہے اور آخر کار انسان کی عقل بھی نزولی سفر کو شروع کر دیتی ہے اور تدریجی طور پر بلکہ کبھی بہت جلدی کے ساتھ بچپنے کے مراحل کی طرف بڑھتا ہے اور ہو سکتا ہے بچپنے کے عالم سے بھی بدتر کی طرف انسان پلٹ جائے اس فرق کے ساتھ کہ بچوں کی بری اور ناپسندیدہ حرکات میٹھی جذب کرنے والی اور امید بخش شگوفہ کی طرح اور آئندہ کے وقت کیلئے وہ خوشی اور مسرت آور ہوتی ہیں اسی دلیل کی وجہ سے کامل طور پر بچے کی ناپسندیدہ حرکات قابل برداشت ہوتی ہیں جبکہ بوڑھوں کی نازیبا حرکات اور مرنے والا ہونا، کبھی نفرت آمیز اور کبھی محبت آمیز ہوتی ہیں۔ چنانچہ وہ دیوان جو حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ منسوب ہے اس میں آیا ہے:

"میں اپنی جوانی پر روتا ہوں جو میرے ہاتھ سے چلی گئی ہے، اے کاش میری جوانی پلٹ آتی، اگر جوانی بکنے والی چیز ہوتی تو جوانی کے بیچنے والے کو منہ مانگی قیمت ادا کرتا اور جوانی کو خرید لیتا۔ جب جوانی جانے کے راستہ کو اختیار کرتی ہے تو پھر اس کو روکنا اور اس کی حفاظت کرنا بہت مشکل ہے بلکہ محال ہے"۔

گریه سازم بر جوانی که گذشت   کاش می کرد از برایم باز گشت
غیر حسرت عاید دیگر نداشت   هر که اندر انتظار او نشست

میں اپنی جوانی پر گریہ کروں جو گزر گئی ہے، اے کاش میرے لئے پلٹ آتی!

اس کو حسرت و یاس کے علاوہ کوئی چیز حاصل ہونے والی نہیں ہے، چاہے کوئی جوانی کے پلٹ آنے کے انتظار میں بیٹھا ہو

سوختم در زندگی و ساختم   نوجوانی را ز کف انداختم

گر فروشنده جوانی می فروخت   آن چه کو می خواست می پرداختم

جلا ہوں زندگی میں اور بنایا ہے اور نوجوانی کو اپنے ہاتھ سے پھینک دیا۔

اگر کوئی جوانی کو بیچنے والا ہوتا اور جوانی کو بیچتا تو جتنی بھی اس کی قیمت طلب کرتا میں اُسے ادا کرتا

افسوس که رفت عمر و ایام شباب   ای کاش که زندگی نمی کرد شتاب

هر پیر که ایام جوانی طلبد   طفلان همه دانند که آن نیست صواب

افسوس ہے عمر اور جوانی کے دن گزر گئے، کاش کہ زندگی اتنی جلدی نہ کرتی!

جو بوڑھا جوانی کے دنوں کی خواہش کرے تو سارے بچے جانتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔

جوانی گفت با پیری دل آگاه   که خم گشتی چه می جویی در این راه

جوابش داد پیر خوش تکلّم   که ایام جوانی کرده ام گم

ایک جوان نے بیدار دل بوڑھے سے پوچھا جھک گئے ہو اس راستے میں کیا تلاش کر رہے ہو؟

اس کو خوش گفتار بوڑھے نے جواب دیا: کہ جوانی کے دنوں کو گم کر بیٹھا ہوں۔

سچ تو یہ ہے کہ انسان کے لئے ایسے دن آجاتے ہیں جو بہت دردناک ہوتے ہیں، جن کی بے آرامی کی گہرائی کو بہت مشکل سے تصور کیا جا سکتا ہے۔

قرآن اس کے متعلق فرماتا ہے:

﴿وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا﴾ (سورۂ حج: ۵)

"تم میں سے بعض اتنی عمر پاتے ہیں کہ بڑھاپے اور زندگی کے بدترین مرحلہ پر پہنچ جاتے ہیں جس میں ان کی یادداشت سے تمام چیزیں نکل جاتی ہیں"۔

(یہاں تک کہ نزدیک ترین اپنے خاندان کے افراد کی پہچان ختم ہو جاتی ہے) اور اسقدر طولانی عمر ہو جاتی ہے کہ اس طولانی عمر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان علم و دانش اور آگاہی جو وہ رکھتا تھا اس سے عقل میں کوئی چیز نہیں آتی اور تمام کی تمام بھول جاتا ہے۔ نسیان اور فراموشی عقل و فکر کے اوپر پردہ ڈال دیتا ہے اور یہ حالت انسان کی بالکل بچوں والی حالت ہو جاتی ہے (یہاں تک کہ اپنے نزدیکی رشتہ داروں اپنی اولاد کو بھی نہ پہچانے[1])

---

[1] میرے دادا حاجی غلام محمد صابر مرحوم جن کی عمر کافی لمبی تھی آخر عمر میں اس کی آل اولاد اس کے گرد جمع تھی، وہ پوچھتا تھا یہ کون ہیں؟ تو اسے بتایا جاتا تھا کہ یہ آپ کے بیٹے بیٹیاں ہیں۔ وہ ہر ایک کا نام پوچھتا تھا، جواب دیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ جب بھی کسی ایک کا نام سنتا تھا تو پوچھتا تھا کہ یہ کون ہے؟ تو اسے بتایا جاتا تھا کہ یہ تمہارا فلاں بیٹا ہے۔ وہ تعجب کر کے کہتا تھا کہ میرا اس نام کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ جتنا بھی اسے سمجھایا جاتا وہ قبول نہ کرتا تھا۔ (مولف)

قرآن کی آیت میں اَرْذَلِ الْعُمُرِ سے مراد پست ترین اور ناپسندیدہ ترین انسان کی عمر کے دور انتہا کو کہتے ہیں کہ اس پر آخری حد تک بڑھاپا آ جاتا ہے اور اپنے تمام معلومات کو بھلا دیتا ہے۔ بالکل ایک بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس کی معلومات بچے کی معلومات کی طرح ہو جاتی ہیں اور امور کو ادارہ کرنے میں بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔ ایک چھوٹی بات پر بچے کی طرح ناراض ہو جاتا ہے اور مختصر سی وجہ سے خوشحال اور راضی ہو جاتا ہے۔ اپنی ظرفیت اور حوصلہ کو اپنے ہاتھ سے دے بیٹھتا ہے اور کبھی بالکل اس کی حرکات بچوں والی ہو جاتی ہیں مگر ان دونوں کے درمیان کچھ فرق ہے۔ لوگوں کو بچے کی حرکات سے کسی قسم کے نتیجے کی توقع نہیں ہوتی مگر اس بوڑھے کی حرکات سے نتیجے کے منتظر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بچوں سے لوگوں کو اس بات کی امید ہوتی ہے کہ جب رشد و کمال آئے گا تو جسم و روح مکمل ہوں گے تو یہ ساری باتیں برطرف ہو جائیں گی لیکن کہنہ سال بوڑھوں سے اس قسم کی امید نہیں ہوتی اور پھر یہ فرق بھی ہوتا ہے کہ بچے کے پاس کچھ نہیں تھا جسے اس نے گم کیا ہو مگر یہ کہن رسیدہ بوڑھا ہے جس نے اپنی زندگی کے تمام سرمایہ کو گم کر کے بیٹھا ہے لہٰذا ان فرقوں کے ساتھ بوڑھے انسانوں کے حالات بچوں

کے حالات کی نسبت سے بدتر اور زیادہ خراب ہوتے ہیں۔

پس اے رضا تو ہوش میں آ اور اس جوانی کے سرسبز چمن سے پھولوں کو اٹھاؤ اور سفر آخرت کے طولانی راستے کیلئے اس جہان سے زاد راہ لے لو کیونکہ بڑھاپے کی عمر میں تم سے کچھ نہ بن پائے گا۔

چنین گفت روزی به پیری جوانی   که چون است با پیریت زندگانی
بگفتا در نامه این حرفی است مبهم   که معنیش جز وقت پیری ندانی
تو به کز توانائی خویش گویی   چه می پرسی از دورهٔ ناتوانی
جوانی نگهدار کاین مرغ زیبا   نماند در این خانه استخوانی
متاعی که من رایگان دادم از کف   تو گر می توانی مده رایگانی
چو سرمایه‌ام رفت بی مایه ماندم   که بازیست بی مایه بازارگانی
هر آن سرگرانی که با چرخ کردم   جهان بیشتر کرد از آن سرگرانی
از آن برد گنج مرا دزد گیتی   که در خواب بودم گه پاسبانی

پروین اعتصامی

ترجمہ:

ایک دن ایک جوان نے ایک بوڑھے سے اس طرح کہا: کہ کس طرح بڑھاپے کی زندگی ہوتی ہے۔
کہا کہ اس حقیقت کو کوئی نہیں سمجھ سکتا کیونکہ بیان نہیں ہے مگر جب پیری کے عالم میں آؤ گے تو پھر اس کا معنی سمجھ میں آئے گا۔

تو اپنی جوانی کے زور پر پوچھ رہی ہے تو پھر وہ ناطاقتی کی عمر کے متعلق کیا پوچھتی ہے۔
خوبصورت پرندے کے گھونسلے کی حفاظت جوانی ہے اور اس گھر میں ہڈیاں بھی نہیں رہتیں۔
میں نے اپنے سامان کو اپنے ہاتھ سے مفت دے دیا تو اگر ہمت رکھتی ہے تو مفت نہ دینا۔
کیونکہ میرا سرمایہ ختم ہو گیا اور بے مقصد رہ گیا ہوں اور بے مقصد رہنا بے قدر و قیمت رہنا ہے۔
جتنا اس جہان سے میں ناخوش ہوں اس سے زیادہ یہ جہان ناخوش ہوا۔

میرے خزانے کو لوٹ لیا گیا اور دنیا نے مجھے زدوکوب کیا کیونکہ تو نیند کے عالم میں تھا۔

جوانی کے دن زندگی کی فصل بہار کہلاتے ہیں، جب باغ میں داخل ہوتے ہو تو دیکھتے ہو کہ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہے، پھول کھل رہے ہیں، تمام درخت شگوفہ نکل رہے ہیں اور باغ کے پھولوں کی خوشبو دلوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ جوانی کا عالم بھی اسی طرح کا ہے، اس عالم جوانی میں انسان خوش وخرم، خوش شکل وصورت، جوش وجذبے سے ہر کام کرنے کو دل کرتا ہے مگر جوانی کی جب صبح کی شام ہونے لگتی ہے اور جوانی کے ایام ختم ہو جاتے ہیں تو انسان زوال کی طرف چلا جاتا ہے، پیچھے ہٹنا شروع کر دیتا ہے۔ بدن کی قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں، اعضاء وجوارح بدحال ہو جاتے ہیں اور انسان مدد کا محتاج ہو جاتا ہے دوسروں سے طاقت کا طلبگار ہوتا ہے، دوائیاں لینا شروع کر دیتا ہے، اپنی کمزور قوتوں کو میڈیسن کیپسول کے ذریعے طاقتور کرتا ہے۔ دانت گرنا شروع ہو جاتے ہیں، مصنوعی دانتوں کے ذریعے غذا کو چبانے کی کوشش کرتا ہے۔ آنکھوں کی بینائی ختم ہو جاتی ہے، عینکیں لگاتا ہے، عینکوں کی مدد سے راستہ چلتا ہے۔ کان بھاری ہو جاتے ہیں، سننا چھوڑ دیتے ہیں، آلہ سماعت کی مدد سے سنتا ہے۔ زانو بدحال اور کمزور ہو جاتے ہیں، دیواروں کی مدد سے چلتا ہے۔ کمر اور قد وقامت خمیدہ ہو جاتے ہیں، عصا اور چھڑی کی مدد سے کمر کو سیدھا کرتا ہے۔ بال سفید ہو جاتے ہیں، رنگ اور کلر کے ذریعے ان کی سیاہی کی حفاظت کرتا ہے اور بغیر دوسروں کی مدد کے کوئی کام نہیں کر سکتا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پر انسان خدا کی بارگاہ میں ان اشعار با ادب زبان کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

پیری رسید و تن شده بیمار یا کریم   افتاده دست و پای من از کار یا کریم

موشد سفید و ضعف پدیدار و قد خمید   دیگر نمانده طاقت رفتار یا کریم

بدکار و شرمسارم و دانی امیدها است   بدکار را به خالق ستار یا کریم

کردم جدیده پر زگنه ز آنکه یافتم   دربین نام های تو غفار یا کریم

دارم دل شکسته گر از جور روزگار   جز تو به کس نمی کنم اظهار یا کریم

هستم جمله با همه کردار ناپسند   از دوستان حیدر کرار یا کریم

عم نیست گر بیارتم از ہر طرف بلا　　　آنجا کہ ہست لطف تو غم خوار یا کریم

ترجمہ:

بڑھاپا آیا اور جسم بیمار ہو گیا اے کریم میرے ہاتھ پاؤں نے کام کرنا چھوڑ دیا اے کریم۔

بال سفید اور کمزوری ظاہر اور کمر جھک گئی اور چلنے کی طاقت بھی نہیں رہی اے کریم۔

بدکار اور شرمسار ہوں اور تو جانتا ہے کہ کتنی خواہشیں ہیں اور بدکار کیلئے ستار العیوب خالق بچائے کریم۔

میں نے اپنے اعمال نامہ کو گناہوں سے بھر دیا اسی لئے کہ میں نے تیرے مبارک ناموں میں غفار کو پایا بچائے کریم۔

اگر زندگی کے دکھوں سے دل شکستہ ہوں تو تیرے علاوہ کسی کے سامنے اظہار نہیں کروں گا اے کریم۔

ہم سب اگرچہ ناپسند کردار و عمل رکھتے ہیں مگر اس کے باوجود حیدر کرار کے دوستوں سے ہیں اے کریم۔

اگر میرے اوپر ہر طرف سے مصیبت کو لایا جائے تو پھر بھی غم نہیں ہے کیونکہ تیرا لطف و کرم میرا غم خوار بچائے کریم۔

انسان کے دور آخر عمر کے بارے میں بیداری و آگاہی کیلئے ملائکہ کی زبان سے حدیث کو نقل کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص لیاقت رکھتا ہو اور بیدار ہونا چاہتا ہو تو پھر جب تک وقت باقی ہو فرصت ہاتھ سے نہ نکلی ہو تو بیدار ہونا چاہئے اور اپنی باقی عمر میں تلافی و تدارک کرلے۔

حضرت رسولؐ خدا سے نقل ہوا ہے:

"خدا نے ایک فرشتہ خلق کیا ہے جو زیر عرش تمام زبانوں میں تسبیح و تحلیل کرتا ہے اور ہر شب جمعہ خدا اس کو حکم کرتا ہے کہ آسمان سے زمین پر جاؤ اور اہل زمین سے کہہ دو:

اے بیس سال کی عمر والو!

اپنی حفاظت کرو کہیں دنیا تمہیں مغرور نہ کردے (جس طرح دنیا نے تم سے پہلوں کو مغرور کیا ہے)۔

اے تیس سال کی عمر والو!

خدا کی ندا کو سنو (اور لبیک کہو)۔

اے چالیس سال کی عمر والو!

ہوشیار رہو، سعی و کوشش کرو، بے ہوش نہ ہو جاؤ (خدا کے دین، عبادت و اطاعت، قیامت و آخرت کے بارے میں بیدار رہو)۔

اے پچاس سال کی عمر والو!

تمہارے لئے اب کوئی عذر خواہی باقی نہیں رہی ہے اور تمہارا عذر خدا کی عدالت میں قابل قبول نہیں ہے۔

اے ساٹھ سال کی عمر والو!

تم نے دُنیا کے مال و دولت سے اپنی آخرت کیلئے کیا کچھ آگے بھیجا ہے؟

اے ستر سال کی عمر والو!

تمہاری عمر ایک کھیتی کی مانند تھی اب اس کے کاٹنے کا وقت آ چکا ہے (لہٰذا اس کو کاٹا جائے)۔

اے اسّی سال کی عمر والو!

اپنے خدا کی زمین پر اطاعت و بندگی کرو (اب اس کے بعد اس کی نافرمانی و معصیت نہ کرنا)۔

اے نوّے سال کی عمر والو!

اب تم کوچ کرنے کے حال میں ہو اپنے راستے کے خرچ و اخراجات کو جمع کر لو (کیونکہ راستہ بہت لمبا اور خطرناک ہے)۔

اے سَو سال کی عمر والو!

اب تم عمر کی آخری گھڑیوں میں ہو لیکن تم نہیں جانتے ہو کہ تمہیں خواب غفلت اور بدبختی نے

گھیرے میں لیا ہوا ہے (لہٰذا اس خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاؤ)۔

(امالی الاخبار، ج:۱، ص:۳۳۶)

پس اے انسان اپنے آئندہ کے اوقات کی حفاظت کر اور اس ناپائیدار اور صرف وہم و خیال دنیا کے ساتھ دل نہ لگا، بے آسرا و بیچارہ ہو کر رہ جاؤ گے۔

ایک شیریں سخن شاعر نے دُنیا کی اس طرح توصیف کی ہے۔

حال دُنیا را بپرسیدم من از فرزانه ای گفت یا خوابیست یا و همیست یا افسانه ای

میں نے دُنیا کا حال دانشور حکیم سے پوچھا تو اس نے کہا یا نیند ہے یا خیال ہے یا افسانہ ہے۔

گفتمش احوال عمر ای دل بگو با ما گفت در دیری یا بیتی و یا ویرانه ای که چیست

میں نے اس کو کہا اپنے طول عمر کے حال کو ہمارے لئے بیان کر کیا ہے تو کہا دیر میں یا گھر میں یا پھر ویرانے میں۔

گفتمش اینان که می بینی چون دل بسته اند یا کورند یا مستند و یا دیوانه ای

تو میں نے اس کو کہا وہ جنہوں نے اس طرح دنیا سے دل لگایا ہے اور تو دیکھ رہا ہے تو کہا یا اندھے ہیں یا مست ہیں یا دیوانہ ہیں۔

حرص اور بڑھاپا

جب انسان بڑھاپے کے سن کو پہنچ جاتا ہے اور سارے اعضاء کمزور ہو جاتے ہیں تو دو صفت اس کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں اور جوان ہو جاتے ہیں۔ جتنا انسان بوڑھا ہوتا ہے اتنی ہی شاید وہ صفتیں اور جوان ہو جاتی ہیں۔

حضرت رسولؐ خدا سے نقل ہوا ہے، آنحضرتؐ نے فرمایا:

"جب انسان کی اولاد بوڑھی ہوتی ہے تو دو صفتیں اُس میں جوان ہو جاتی ہیں: مال کو جمع کرنے کی لالچ، اور دوسری لمبی اور دور دراز اُمیدیں اور آرزوئیں"۔ (بحارالانوار، ج:۷۳، ص:۲۲)

اس مقام پر مناسب ہے دو واقعات ایک مال کو جمع کرنے کے بارے میں اور دوسری لمبی

آرزوؤں کے بارے میں نقل کریں۔

لالچی بوڑھے سے ہارون کا سوال

ایک دن ہارون رشید اپنے محل سراء میں اطمینان و سکون کے عالم میں اپنے حواریوں اور وزیروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور حکومتی امور پر بحث کر رہا تھا۔ ایک دفعہ اپنے سر کو بلند کرتا ہے اور اپنے اطراف افراد پر نگاہ ڈالتا ہے اور کہتا ہے کیا اصحاب پیغمبرؐ میں سے کسی کو جانتے ہیں جو کہ ابھی تک زندہ ہو اور اس سے کچھ مطالب کے بارے میں سوال کریں یا ایسی حدیث کو ہمارے سامنے بیان کرے جو اس نے آنحضرتؐ کے لب ہائے مبارک سے سنی ہو؟ وزیروں نے تحقیقات کے بعد کہا: اے ہارون! ہماری اطلاعات کے مطابق یمن میں ایک بوڑھا شخص ہے جو کہ اصحاب پیغمبرؐ میں سے ہے اور ابھی تک زندہ ہے۔ ہارون نے کہا: فوراً کسی کو بھیجو اور اس کو بلاؤ۔ جب جانے والے وہاں پہنچے اور انہوں نے دیکھا تو اس کیلئے محمل تیار کر دیا اور اس کو اس محمل پر بٹھا کر ہارون کے پاس لے آئے اور ہارون نے پہلے تو اس سے کچھ بات کی تا کہ یہ دیکھے کہ اس کی عقل صحیح ہے اور اس کا شعور ٹھیک طور پر کام کر رہا ہے یا نہیں؟ جب بہت زیادہ گفتگو ہو چکی اور سوال جواب کر چکا تو ہارون سمجھ گیا کہ اس کی عقل بالکل صحیح ہے اور منطقی طور پر بات کرتا ہے تو کہا اے بوڑھے شخص! کیا پیغمبر اکرمؐ کے زمانے کو پایا ہے؟ جواب دیا: ہاں۔ کہا: کیا آنحضرتؐ کی خدمت میں بھی حاضری ہوئی ہے؟ کہا: ہاں ایک دن میں اپنے باپ کے ساتھ گیا تھا اور ہمیں آنحضرتؐ کا شرف حضوری نصیب ہوا۔ ہارون نے کہا: کیا آنحضرتؐ نے اس دن کوئی بات بھی کی تھی؟ جواب دیا: ہاں۔ ہارون نے کہا: کیا اُن باتوں میں سے جو آنحضرتؐ کے لب ہائے مبارک سے سُنی ہیں (یعنی اپنے کانوں سے سُنی ہیں) اُن میں سے کوئی بات یاد ہے؟ اس بوڑھے نے کہا: اے خلیفہ! میرا حافظہ کمزور ہو چکا ہے اور میری یاد میں کوئی چیز نہیں ہے۔ ہارون نے کہا: کچھ فکر کرو ہو سکتا ہے کوئی بات یاد آ جائے تو اس نے تھوڑی دیر سوچا پھر کہا اے خلیفہ! ایک بات یاد آ گئی ہے، جب ہم آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر تھے تو گفتگو کے دوران آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: ﴿يَشِيبُ ابْنُ آدَمَ وَ يَشُبُّ فِيهِ خَصْلَتَانِ، الْحِرْصُ وَ طُولُ الْأَمَلِ﴾ "آدم کی اولاد بوڑھی

ہو گئی اور دو صفتیں ان میں جوان ہو گئیں: ایک لالچ اور دوسری لمبی اُمیدیں (دور دراز آرزوئیں)"۔ (بحار الانوار، ج:۳۷، ص:۲۲)۔

ہارون نے حکم دیا: اس کو ایک ہزار درہم دیا جائے اور اس کے بعد اس کو گھر کی طرف روانہ کیا جائے۔ جب محل سراء کے باہر نکلنے لگا تو اسی بوڑھے نے کہا: مجھے دوبارہ خلیفہ کے پاس لے جائیں تو انہوں نے خیال کیا شاید اس کو کوئی دوسری حدیث یاد آ گئی ہے اور ہارون کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہے اس کو ہارون کے سامنے لے جاتے ہیں اور زمین پر اس کو بٹھا دیتے ہیں۔ ہارون نے پوچھا: کوئی سوال کرنا ہے تو کہا: اے ہارون! یہ ہزار درہم جو تو نے عنایت کیے ہیں حکم جاری کرو کہ ہر سال مجھے عنایت کیا جائے (اور ہر سال اُس میں زیادتی کی جائے)۔ ہارون نے تعجب کیا اور کہا: ہاں حکم دُوں گا کہ ایک ہزار درہم کو اور کچھ اضافہ کے ساتھ تمہاری طرف بھیجتے رہیں اور پھر کہا: آنحضرتؐ رسولِ خدا نے حق فرمایا ہے۔ جب ہارون سے فارغ ہو کر چلے گئے درہم اس کے پاس رہے اور کوئی چیز اُن میں سے خرچ نہ کی یہاں تک کہ راستے ہی میں فوت ہو گیا اور وہ درہم دوبارہ خزانہ مملکت کی طرف پلٹا دیئے گئے۔ (جامع النورین، جلد: فشان، ص:۵۹، کچھ تبدیلیوں کے ساتھ)

حضرت علی علیہ السلام بھی بڑھاپے کے عالم کی حرص و لالچ سے شکایت کرتے اور فرماتے ہیں:
"میرے سر کے بال سفید ہو گئے ہیں لیکن میری لالچ بوڑھی نہ ہوئی، دُنیا کے مال کا حریص ہمیشہ رنج و الم اور مصیبت میں رہتا ہے"۔ (دیوان علی علیہ السلام، شعر:۲۱۷)

بوڑھے مرد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم سلام اللہ علیہا ایک جگہ سے گزر رہے تھے تو دیکھا ایک بوڑھا شخص اپنے کھیت میں کام کر رہا ہے اور بڑی کوشش کے ساتھ اپنے کام کو انجام دے رہا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو کہا: یہ بوڑھا شخص کب تک کام کرے گا، کیا مرنے کی فکر میں نہیں ہے، کس قدر لمبی اُمید اور دور دراز آرزو رکھتا ہے، شاید یہ فکر کرتا ہے کہ ابھی صدیوں سال اس نے عمر کرنی ہے، اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور عرض کیا: اے پروردگار اس کے دل سے لمبی اُمیدوں کو

دُور کر دے۔ اسی وقت بوڑھے شخص نے کام کرنا چھوڑ دیا اور آرام کرنے لگ گیا۔ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ اُٹھ نہیں رہا ہے اس کا کام نامکمل ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے کام میں مشغول ہو گئے تاکہ اس کے کام کی کمی کو پورا کر دیں اور پیچھے رہ جانا کامل ہو جائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے سامنے جاتے ہیں احوال پرسی کے بعد فرمایا: "اے پیر مرد! میں نے دیکھا کہ آپ نے کام چھوڑ دیا ہے اور آرام کرنے لگ گئے لیکن ایک مرتبہ اپنی جگہ سے بلند ہو گئے اور جلدی کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔ اس نے کہا ٹھیک ہے پہلے میں نے خیال کیا کہ کس کیلئے کام کروں۔ میں جو اپنی عمر کو گزار چکا ہوں اور آخر عمر تک جس چیز کی ضرورت ہے وہ میرے پاس موجود ہے لہٰذا کام کرنا چھوڑ دیا اور سو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خیال کیا کہ ہو سکتا ہے ابھی میں نے صدیوں سال عمر کرنی ہو لہٰذا جب تک زندہ ہوں مجھے کام کرنا چاہئے اور سعی و کوشش کرنی چاہئے لہٰذا دوبارہ کام کرنے میں مشغول ہو گیا۔

بڑھاپے میں بھول جانا

جب انسان پیری کی عمر میں پہنچتا ہے اور قوتیں ضعیف ہو جاتی ہیں اور کام کرنا چھوڑ دیتی ہیں تو پھر اس کی خبر گیری نہیں کرتا۔ برادری، رشتہ دار، بچے اس کو بھلا دیتے ہیں اور ہر ایک اپنے کام کے پیچھے لگتا ہے۔ یہ دردناک حالت اس شخص کی ہوتی ہے اور بدترین ناشکری اس کی اولاد کیلئے ہوتی ہے۔ اولاد بہانے کرتی ہے کہ ہمیں کام کرتے ہیں، ہماری زندگی ہے ہم کام کو نہیں چھوڑ سکتے کہ باپ یا ماں کے پاس ہمیشہ رہ جائیں اور ان کی خدمت کریں اور اس کم آمدنی میں ہم اپنے بیوی بچوں کو کھلائیں یا ماں باپ کی خدمت کریں۔

خداوند کریم بہت ساری آیات میں یاد آوری کرا رہا ہے کہ والدین کا احترام کرو اور اُن کو بھلا نہ دو اور ان کی اطاعت کو خدا نے اپنی عبادت کے برابر قرار دیا ہے اور فرماتا ہے: "اُن کو اُف نہ کہو، اُن کے دلوں کو رنجیدہ نہ کرو، ان کے سامنے جھکے رہو، ان کے بارے میں دُعا کرو"۔ (سورۂ بنی اسرائیل:۲۳/سورۂ بقرۃ:۸۳/سورۂ نساء:۳۶)

انسان کیلئے ضروری ہے کہ بوڑھوں کی قدر کرے